مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى

صحیح الاشرفی

شرح

الحدیث الاول والآخر

من صحیح البخاری

از

مفتی محمد معین الدین اشرفی مصباحی

شیخ الحدیث دار العلوم بہار شاہ فیض آباد، ایودھیا (یوپی)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡہَوٰی ﴿۳﴾ اِنۡ ہُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی

صحیح الاشرفی

شرح

الحدیث الاول والآخر

من صحیح البخاری

مولف: مفتی محمد معین الدین اشرفی مصباحی
شیخ الحدیث دار العلوم بہار شاہ فیض آباد

بِسۡمِ اللهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

نام کتاب	:	صحیح الاشرفی شرح الحدیث الاول والآخر من صحیح البخاری
مؤلف	:	مفتی محمد معین الدین اشرفی مصباحی
تصحیح	:	حضرت علامہ مولانا محمد قمر عالم صاحب قادری شیخ الحدیث جامع اشرف
نظر ثانی	:	حضرت مولانا مفتی شمس القمر صاحب فیضی، دار العلوم بہار شاہ فیض آباد
کمپوزنگ	:	الاشرف کمپیوٹرس فیض آباد
ترتیب وتہذیب	:	حضرت حافظ ریاست علی صاحب، دار العلوم بہار شاہ، فیض آباد
سن اشاعت	:	۱۴۴۶ھ مطابق ۲۰۲۵ء
تعداد	:	۱۰۰۰
ناشر	:	مخیران قوم وملت

ملنے کا پتے

دار العلوم بہار شاہ قندھاری بازار فیض آباد، ایودھیا یوپی۔9451872012

مکتبۂ نعیمیہ/ رضا پبلیکیشن، مٹیا محل، دہلی۔9910044258

مولانا آصف اشرفی، ماچھی پور، بھاگل پور بہار۔7281994803

۹۲/۸۶ ھ

فہرست صحیح الاشرفی

شرح

الحدیث الاول والآخر من صحیح البخاری

نمبر شمار	مضامین	صفحات
۱	فہرست	۳
۲	شرف انتساب	۹
۳	عرض مؤلف	۱۰
۴	**کلمات تبریک** (قائد ملت حضرت مولانا سید شاہ **محمود اشرف** سجادہ نشین سرکار کلاں کچھوچھہ شریف	۱۶
۵	**کلمات دعا** (سراج الفقہاء حضرت علامہ مفتی **محمد نظام الدین** صاحب قبلہ رضوی شیخ الحدیث وصدر شعبہ افتاء جامعہ اشرفیہ مبارکپور	۲۰
۶	**تقریظ جمیل** (حضرت علامہ مولانا **محمد قمر عالم** صاحب قادری شیخ الحدیث جامع اشرف کچھوچھہ شریف وسابق شیخ الحدیث دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی)	۲۱
۷	**کلمات تحسین** (حضرت مولانا مفتی **شمس القمر** فیضی صاحب)	۲۲
۸	خطبہ کتاب	۲۴

نمبر شمار	مضامین	صفحات	نمبر شمار	مضامین	صفحات
۹	حدیث پاک کا تعارف	۲۴	۲۵	روایت میں احتیاط	۵۰
۱۰	علم حدیث،موضوع،غرض	۲۴	۲۶	مصطلاحات حدیث	۵۷
۱۱	حدیث کا لغوی واصطلاحی معنی	۲۵	۲۷	حدیث کے صحیح ہونے کا مطلب	۷۰
۱۲	حدیث خبر واثر میں فرق	۲۵	۲۸	احادیث سے استدلال کی کیفیت	۷۱
۱۳	حدیث کا شرف ومنزلت	۲۶	۲۹	احادیث ضعاف کی تقویت کے طرق	۷۲
۱۴	حدیث کی اہمیت وضرورت	۲۸	۳۰	کتب احادیث کے طبقات	۷۵
۱۵	عہد رسالت میں کتابت حدیث	۳۴	۳۱	اقسام کتب	۷۷
۱۶	ایک شبہے کا ازالہ	۳۹	۳۲	کتب احادیث	۷۸
۱۷	عہد صحابہ میں کتابت حدیث	۴۰	۳۳	صحیح البخاری کی فوقیت	۷۹
۱۸	عہد تابعین میں کتابت حدیث	۴۱	۳۴	امام بخاری کا تعارف	۸۰
۱۹	تبع تابعین کے دور میں کتابت حدیث	۴۴	۳۵	امام بخاری کا قوت حافظہ	۸۴
۲۰	حفظ حدیث کا شوق واہتمام	۴۶	۳۶	بغداد میں امتحان	۸۵
۲۱	عہد نبوی میں حفظ حدیث	۴۶	۳۷	تعدد طرق پر احاطہ	۸۷
۲۲	اہل عرب کا حافظہ	۴۷	۳۸	علل قادحہ پر مہارت	۸۷
۲۳	عہد صحابہ میں حفظ حدیث کا منظر	۴۹	۳۹	عادات وخصائل	۸۹
۲۴	عہد تابعین کا حال	۴۹	۴۰	عبادت وریاضت	۹۲

نمبر شمار	مضامین	صفحات	نمبر شمار	مضامین	صفحات
۴۱	اعتراف فضل،کلمات اساتذہ	۹۴	۶۰	طالبان حدیث کے لئے امام بخاری کا ایک عظیم الشان ارشاد	۱۴۷
۴۲	کلمات معاصرین	۹۵	۶۱	مسامحات بخاری	۱۵۱
۴۳	امام بخاری کے مشائخ واساتذہ کے طبقات	۹۷	۶۲	صحیح البخاری کا ختم باعث برکات	۱۶۵
۴۴	نیشاپور کا فتنہ	۹۸	۶۳	باب کیف کان بدو الوحی	۱۷۰
۴۵	بخارا کو واپسی اور جلاوطنی	۱۰۱	۶۴	حمد الٰہی ذکر نہ کرنے کی وجہ	۱۷۰
۴۶	نوٹ درس حدیث بند	۱۰۳	۶۵	حدیث تسمیہ وتحمید میں دفع تعارض	۱۷۳
۴۷	مسجد پالکی خانہ میں درس بخاری کا آغاز	۱۰۷	۶۶	حمد کے تین معانی کا بیان	۱۷۶
۴۸	امام بخاری کی وفات	۱۰۹	۶۷	امام بخاری نے صلوٰۃ والسلام نہیں لکھا	۱۷۸
۴۹	مزار مبارک کے برکات	۱۱۰	۶۸	درودوسلام کے فضائل وبرکات	۱۸۰
۵۰	امام بخاری کی بارگاہ رسالت میں مقبولیت	۱۱۱	۶۹	بارگاہ رسالت میں درودوسلام کے پیشی کے طریقے	۱۸۳
۵۱	امام بخاری کا فقہی مذہب	۱۱۲	۷۰	حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم درودوسلام سنتے ہیں	۱۸۵
۵۲	صحیح البخاری	۱۱۵	۷۱	بارگاہ الٰہی میں درود شریف کی مقبولیت	۱۹۰
۵۳	تصنیف بخاری میں آداب واہتمام	۱۱۸	۷۲	دہ ہزاری درود شریف	۱۹۰
۵۴	صحیح البخاری اکابر کی نگاہوں میں	۱۲۱	۷۳	مقدمۃ العلم نہ لکھنے کی وجہ	۱۹۲
۵۵	بارگاہ رسالت میں بخاری کی مقبولیت	۱۲۱	۷۴	ارشاد بخاری، کیف کان بدو الوحی	۱۹۳
۵۶	بخاری کے احادیث کی تعداد	۱۲۷	۷۵	ترجمۃ الباب کے الفاظ کی تشریح	۱۹۵
۵۷	صحیح بخاری کی برکت وکرامت	۱۲۸	۷۶	کتاب، باب اور فصل کا تعارف	۱۹۵
۵۸	چند شروحات بخاری کا تعارف	۱۲۹	۷۷	وحی کا لغوی شرعی معنی	۱۹۶
۵۹	امام بخاری کی دوسری تصانیف	۱۴۳	۷۸	وحی کے اقسام،صورتیں	۱۹۷

نمبرشمار	مضامین	صفحات	نمبرشمار	مضامین	صفحات
۸۸	نبی ورسول کی تحقیق	۱۹۸	۱۰۸	بادشاہ نوشیرواں اور محمود غزنوی کی حکایت	۲۴۵
۸۹	قول اللہ عزوجل انا اوحینا الیک	۲۰۲	۱۰۹	ہجرت کا لغوی واصطلاحی معنی	۲۴۸
۹۰	آیت کا شان نزول	۲۰۴	۱۱۰	ہجرت کے اقسام واحکام	۲۴۸
۹۱	آیت کریمہ میں نوح علیہ السلام کا ذکر	۲۰۵	۱۱۱	حدیث فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں	۲۴۹
۹۲	ترجمۃ الباب سے حدیث کی مطابقت	۲۰۶	۱۱۲	ہجرت کا پس منظر	۲۵۱
۹۳	کلمات حدیث	۲۰۸	۱۱۳	لا ھجرۃ بعد الفتح کی توضیح	۲۵۲
۹۴	اسماء رجال کا تعارف	۲۰۹	۱۱۴	حدیث انما الاعمال کے مسائل	۲۵۶
۹۵	حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ	۲۱۲	۱۱۵	ائمہ کا اختلاف	۲۵۶
۹۶	حدیث کی فنی حیثیت	۲۱۷	۱۱۶	تیمم میں نیت ضروری اور وضو میں نہیں	۲۵۸
۹۷	حدیث انما الاعمال کا فضل وشرف	۲۱۹	۱۱۷	مقام تحقیق	۲۵۹
۹۸	تشریح الفاظ حدیث	۲۲۰	۱۱۸	امام بخاری کا اس حدیث پر عمل	۲۶۱
۹۹	حدثنا واخبرنا میں فرق	۲۲۰	۱۱۹	**شرح حدیث آخر**	۲۶۳
۱۰۰	مفہوم حدیث	۲۲۷	۱۲۰	قول اللہ ونَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ	۲۶۳
۱۰۱	حدیث انما الاعمال کا شان ورود	۲۲۹	۱۲۱	ترجمۃ الباب کے الفاظ کی تشریح	۲۶۴
۱۰۲	حدیث انما الاعمال کی توضیح	۲۳۰	۱۲۲	آیت متلوہ کی معنوی تفسیر	۲۶۴
۱۰۳	نیت کی تشریح وتفصیل	۲۳۲	۱۲۳	عدل اور قسط میں فرق	۲۶۶
۱۰۴	عمل مخلوط کا حکم	۲۳۶	۱۲۴	اقوال مفسرین	۲۶۸
۱۰۵	نیت مجمل ومفصل	۲۳۸	۱۲۵	اعتراض اول	۲۷۰
۱۰۶	نیت کے برکات	۲۳۹	۱۲۶	جواب	۲۷۱
۱۰۷	خلوص نیت کی برکت اور فساد نیت کی نحوست	۲۴۵	۱۲۷	اعتراض دوم	۲۷۱

نمبر شمار	مضامین	صفحات	نمبر شمار	مضامین	صفحات
۱۲۸	اعتراض سوم	۲۷۳	۱۴۸	قولہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سبحان اللہ و بحمدہ	۳۲۴
۱۲۹	جواب	۲۷۴	۱۴۹	بر بنائے تحقیق لفظ اللہ علم ہے	۳۲۶
۱۳۰	تفسیر صوفیانہ	۲۷۶	۱۵۰	نکتہ در لفظ اسم اللہ	۳۲۶
۱۳۱	باب وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ کی شرح	۲۸۴	۱۵۱	حمد کی تعریف	۳۲۹
۱۳۲	ارشاد بخاری و ان اعمال بنی آدم	۲۸۵	۱۵۲	اللہ کو صفت عظیم سے متصف کرنا	۳۳۱
۱۳۳	معنی خیز حکایت	۲۸۷	۱۵۳	تسبیح کو حمد پر مقدم کرنے کی وجہ	۳۳۲
۱۳۴	مقصد باب	۲۸۷	۱۵۴	سبحان اللہ العظیم پر ختم کرنے کی وجہ	۳۳۲
۱۳۵	معتزلہ کے نظریات کا جواب	۲۸۸	۱۵۵	تکرار تسبیح کی وجہ	۳۳۳
۱۳۶	گناہ کے ننانوے دفتر (حدیث بطاقہ)	۲۹۰	۱۵۶	حمد و تسبیح سے متعلق احادیث	۳۳۴
۱۳۷	میزن و پلصراط اور حوض کوثر پر دورہ	۲۹۱	۱۵۷	تسبیح وتحمید اور تکبیر تہلیل سے متعلق احادیث	۳۳۷
۱۳۸	فرشتوں سے اپنے امتی کو چھڑانا	۲۹۳	۱۵۸	صلوٰۃ التسبیح	۳۴۲
۱۳۹	معتزلہ کے شبہ و اعتراض کا جواب	۲۹۶	۱۵۹	ترکیب و مسائل صلوٰۃ التسبیح	۳۴۳
۱۴۰	وزن اعمال کی حکمت	۲۹۹	۱۶۰	تسبیح و تہلیل کی احادیث کا موازنہ	۳۴۵
۱۴۱	کلمات حدیث، تخریجات	۳۰۱	۱۶۱	حدیث تسبیح کو آخر میں لانے کی وجہ	۳۴۸
۱۴۲	راویان حدیث کا تعارف	۳۰۳	۱۶۲	آیت تحیت کا معنی	۳۵۲
۱۴۳	الفاظ حدیث کی تشریح	۳۱۰	۱۶۳	منار القاری سے اس حدیث کا خلاصہ	۳۵۳
۱۴۴	لفظ رحمن کی لغوی ونحوی شرح	۳۱۴	۱۶۴	فوائد ذکر	۳۵۳
۱۴۵	لفظ رحمن کے ذکر کرنے کی خصوصیت	۳۱۷	۱۶۵	فقہ الحدیث	۳۵۴
۱۴۶	رحمن کے معنی کی زیادتی کی صورتیں	۳۱۸	۱۶۶	شئی موزون	۳۵۶
۱۴۷	قولہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خَفِيفَتَانِ ثَقِيلَتَانِ کا معنی وتشریح	۳۱۹	۱۶۷	وقت وزن، مقام میزان	۳۵۸

نمبر شمار	مضامین	صفحات	نمبر شمار	مضامین	صفحات
١٦٨	حکمت وزن اعمال	٣٥٨	١٧٦	آیت لَا تَقْنَطُوْا کا شان نزول	٣٦٧
١٦٩	آخری بات	٣٥٩	١٧٧	طفلانہ بات	٣٦٩
١٧٠	کہ کیا تسبیح کا یہ ثواب صرف متقی کے لئے ہے یا گنہگاروں کو بھی عام ہے	٣٥٩	١٧٨	سندالاجازۃ الاشرفیہ	٣٧١
١٧١	ابن بطال مالکی کا نظریہ	٣٥٩	١٧٩	مراجع ومصادر	٣٧٤
١٧٢	حضرت علامہ سعیدی کا نظریہ	٣٦٠	١٨٠	مجلس اشاعت	٣٧٦
١٧٣	علامہ سعیدی کی بات نا قابل فہم	٣٦١	١٨١	اسمائے معاونین	٣٧٧
١٧٤	آیات واحادیث واقوال علماء سے ان کے خیال کی تردید	٣٦١	١٨٢	دعائے اختتام	٣٨٠
١٧٥	آیت لَا تَقْنَطُوْا مفید مدعیٰ نہیں	٣٦٦		ختم شد	

باسمہ تعالیٰ وتقدس

شرف انتساب

والدین کریمین، اساتذۂ بررہ، علمائے امت، اساطین ملت، مشائخ طریقت بالخصوص امام الائمہ، سراج الامۃ، کاشف الغمۃ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، غوث الاغواث، فرد الافراد، غوث الثقلین سیدنا ومولانا ومرشدنا فی الدارین محبوب سبحانی شہباز لامکانی سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ النورانی اور ناصرالاحادیث النبویۃ، ناشر المواریث المحمدیۃ، امیر المومنین فی الحدیث حضرت محمد بن اسمٰعیل بخاری کے نام جن کی جامع صحیح بخاری اصح الکتب بعد کتب اللہ، کہلائی۔ اوران تمام جلیل القدر محدثین ذوی الاحترام کے نام جنہوں نے حضور اکرم، سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال وافعال، ارشادات وتقریرات، احوال و کوائف اور احکام ومسائل سے متعلق روایات واحادیث کے اخذ وحصول، تتبع وتلاش، حفظ وضبط، جمع وترتیب، اور وضع وتدوین میں شب وروز ایک کردیئے اور ان شارحین احادیث کے نام بھی جنہوں نے احادیث کے اسانید ومتون کی تنقیح، اسمائے رجال کی تحقیق اور احادیث کے معانی ومطالب کے بیان، ان کے رموز واسرار کے انکشاف، نکات ولطائف کے اظہار، حقائق ودقائق کے استنباط اور احکام ومسائل کے استخراج میں عمر عزیز کا لمحہ لمحہ صرف فرماکر علم حدیث اور اسمائے رجال کا انمول علمی اثاثہ امت مسلمہ کو عطا فرمایا۔

ابوالحسنات محمد معین الدین اشرفی مصباحی

۷۸۶/۹۲

عرض مؤلف

کتب احادیث کے درمیان جامع صحیح البخاری شریف کو جو عز وشرف، مقام ومرتبہ اور جلالت خسروی حاصل ہے وہ طالبان علوم دینیہ اور علمائے ملت اسلامیہ سے پوشیدہ نہیں حتیٰ کہ عوام مسلمین کے ذہن ودماغ میں بھی اس کی فضیلت وعظمت کا سکہ بیٹھا ہوا ہے اور یہ مبنی برحقیقت بھی ہے کہ صحت وقوت کے اعتبار سے صحیح البخاری شریف کو دوسری کتب حدیث پر بدرجہا فضیلت وفوقیت حاصل ہے اس لئے کہ صحت حدیث کا مدار اتصال سند، اتقان رواۃ، عدم شذوذ ونکارت اور دیگر علل وسقم سے خالی ہونے پر ہے اور یہ خوبیاں صحیح البخاری میں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہیں، چنانچہ حضرت امام بخاری نے اپنی جامع صحیح میں تمام حدیثوں میں سے اچھی سے اچھی، عمدہ سے عمدہ تر، صحیح سے اصح اور اعلیٰ سے اعلیٰ تر کو منتخب کر کے رکھی ہیں اور انتخاب کرنے میں انھیں اپنی معلومات کے ایک ایک نقطے کو کو صرف کر کے، اپنی فکر وتدبیر کی آخری حد کو چھو کر بھی اطمینان نہ ہوتا تو اللہ عز وجل کے حضور استخارہ فرماتے اور ریاض الجنۃ میں بیٹھ کر بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عریضہ پیش کرتے جب کسی حدیث کی صحت پر دل جمتا اور اشارۂ نبوی ہوتا تب اسے صفحۂ قرطاس کے حوالے کرتے، پھر اس کتاب کی تصنیف وتالیف میں حضرت امام بخاری نے جس حزم واحتیاط، تقدس وطہارت اور ادب واحترام کا التزام فرمایا اس کی مثال نہیں ملتی، چنانچہ آپ نے بعد غسل ووضو مسجد حرام اور مسجد نبوی شریف میں نماز پڑھ کر اس کا مسودہ اور مبیضہ تیار کیا اور اس کی تبویب وتہذیب فرمائی پس ان چیزوں نے اسے نہایت متبرک مقدس اور منفرد المثال بنادیا اس لئے اسے "**اصح الکتب بعد کتاب اللہ الصحیح البخاری**" کہا جاتا ہے۔

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے صاحبزادے، حضرت شیخ نور الحق محدث دہلوی نے امام بخاری کی علمی صلاحیتوں، ظاہری وباطنی خوبیوں اور اوصاف وکمالات کو دیکھتے ہوئے کہا ہے،

> "گفتہ اند کہ وے در زمان خود در حفظ احادیث واتقان آں وفہم معانی کتاب وسنت وحدت ذہن وجودت بحث ووفور فقہ وکمال زہد وغایت ورع وکثرت ابلاغ بر طرق احادیث وعلل آں دقت نظر وقوت اجتہاد واستنباط فرع از اصول نظیر نداشت" [تیسیر القاری بحوالہ نزہۃ القاری]

یعنی علماء نے فرمایا ہے کہ حضرت امام بخاری اپنے زمانہ میں احادیث کے حفظ وضبط میں، کتاب وسنت

کے معانی کے سمجھنے میں، ذہن کی تازگی، بحث کی عمدگی میں، تبحر فقہی میں، کمال زہد وتقوی وغایت ورع میں ،احادیث کے اسانید وطرق پر کثرت آگاہی میں اور اس کے علل پر مہارت تامہ رکھنے میں، نیز دقت نظر ،قوت اجتہاد اور اصول سے فروع کے استنباط کرنے میں بے نظیر تھے۔

غرض کہ جامع صحیح البخاری کی عظمت وجلالت، تقدس وطہارت اور مصنف کے اوصاف وکمالات علمی جاہ وجلال ،تقوی وطہارت ،زہد وورع ،ذہانت وفطانت وغیرہ خوبیوں میں کمال رکھنے کی وجہ سے یہ کتاب نہ یہ کہ علماء اور محدثین کے درمیان مقبول ہوئی بلکہ بارگاہ رسالت میں مقبول ہوئی

اس لئے اس کتاب مقدس کا نہ یہ کہ صرف آغاز واختتام اور اس کی قرأت وسماعت باعث برکات ہے بلکہ اس کا کسی مقام میں وجود مسعود ہی نزول رحمت وبرکت کا سبب، دافع آفات وبلیات، حل مشکلات اور باعث حفظ وامان ہے۔

بشیر القاری میں ہے ''محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ القوی اپنی کتاب اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ کے مقدمہ میں فرماتے ہیں کہ بہت سے مشائخ اور علمائے ثقات نے حصول مرادات ،کفایت مہمات ،قضائے حاجات ،دفع بلیات ،کشف کربات اور بغرض صحت وشفائے بیماراں ،اس کا ختم کیا اور مرادیں پائیں اور اس کا ختم مذکورہ مقاصد کے واسطے تریاق ومجرب سمجھتے تھے یہ بات محدثین کے نزدیک بطریق شہرت واستفاضہ ثابت ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں،۔۔۔۔۔۔۔اور طبقۂ علماء میں یہ بات حد شہرت تک پہنچ چکی ہے کہ بخاری شریف کو جس مصیبت کے لئے پڑھیں گے وہ دفع ہوگی اور جس مکان میں بخاری شریف ہوگی وہ آتش زدگی سے محفوظ رہے گا اور جس کشتی میں بخاری شریف ہوگی اللہ تعالیٰ اس کو ڈوبنے سے مامون رکھے گا''

ان وجہوں سے مدارس اسلامیہ میں بخاری شریف کا آغاز واختتام نہایت ہی تزک واحتشام ،شان وشوکت اور اکرام واحترام کے ساتھ ہوتا ہے اس کے لئے اکابر علماء بلائے جاتے ہیں ،کثیر تعداد میں عوام

مسلمین بھی شرکت کی سعادت حاصل کرتے ہیں ہم نے بھی اپنے اساتذۂ کرام اور مشائخ عظام کی زبان فیض ترجمان سے کئی بار اس کا آغاز واختتام کیا ہے اور برکتیں حاصل ہوئی ہیں چنانچہ جامعہ اشرفیہ مبارکپور میں فراغت کے ابتدائے سال میں بخاری شریف کا افتتاح اور درس وسماعت ،محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری سابق صدرالمدرسین جامعہ اشرفیہ مبارکپور جانشین حضرت صدر الشریعۃ سے کیا ،اورختم بخاری شریف ،خودشارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق امجدی ،صدرشعبۂ افتاء جامعہ اشرفیہ مبارکپور رحمۃ اللہ علیہ نے کرائی اور حضرت محدث کبیر کے ایماء پرتمام رفقائے درس کوروایت حدیث کی اجازت بھی مرحمت فرمائی ،مادرعلمی جامعہ اشرفیہ مبارکپور میں دستارفضیلت سے نوازے جانے کے فوراًبعداپنے مرکز عقیدت غوث العالم محبوب یزدانی مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ النورانی کے مزار پرانوار پر فاتحہ خوانی کی غرض سے حاضری کی سعادت نصیب ہوئی ،حسن اتفاق کہ اس وقت مرشد حقانی ،نبیرۂ قطب ربانی اعلیٰ حضرت اشرفی ،حضرت مخدوم المشائخ مولانا مفتی سید محمد مختار اشرف اشرفی الجیلانی سجادہ نشیں سرکارکلاں آستانہ اشرفیہ کچھوچھہ مقدسہ اپنے دولتکدہ پرتشریف فرماتھے ہملوگ آپکی زیارت اورشرف ملاقات حاصل کرنے کے لئے آپ کی بارگاہ میں گئے ،حضرت نے بڑی محبت واپنائیت کے ساتھ ملاقات کا شرف بخشااوراپنی عادت طیبہ کے مطابق ضیافت بھی فرمائی ،اشرفیہ سے فراغت اوردستارفضیلت کا ذکرسن کر خوشی اورمسرت کا اظہارفرمایا ہم نے سنہری موقع دیکھتے ہوئے حصول برکت کے لئے آپ کے مبارک ہاتھوں سے دستار بندی کروائی ،پھر اسی سال شعبان المعظم ۱۹۹۲ء میں جب حضرت سرکار کلاں ہمارے گاؤں ماچھی پور بھاگلپورتشریف لے گئےتو مدرسہ اشرفیہ اظہارالعلوم ماچھی پور میں یہاں کے تمام اساتذۂ کرام کے سامنے باضابطہ صحیح البخاری شریف کی اول وآخرحدیث پڑھاکرروایت حدیث کی سند عطافرماکرمشرف فرمایا (عبارت سندحدیث کتاب کے آخرمیں مذکورہے)

پھر ناچیز راقم الحروف نے جب درس وتدریس کی دنیا میں قدم رکھا تو اس دوران متعدد بار، راجستھان، گجرات، مہاراسٹراوریوپی کے کئی مدارس میں صحیح البخاری شریف کوشروع اورختم کرانے کی

سعادت حاصل ہوئی، اس دوران میرے دل میں کئی بار خیال آیا کہ اگر بخاری شریف کی اول وآخر حدیث کی شرح یکجا ہوجاتی تو ہم جیسے قلیل البضاعۃ فی العلم کے لئے بڑی سہولت وآسانیاں ہوجاتیں، اس طرح صحیح البخاری شریف کی اردو عربی متعدد شرحوں کے دیکھنے سے بھی بے نیازی ہوجاتی بلکہ بہت ساری پریشانیوں اورالجھنوں سے نجات مل جاتی کیوں کہ بہت سے مدارس میں کتابوں کا اتنا بڑا ذخیرہ نہیں ہوتا جہاں عربی واردو اور دیگر فنون کی ساری کتابیں دستیاب ہوں کہیں ایک دو عربی کتاب ملے گی تو اردو نہیں، کہیں اردو ہے تو عربی نہیں ملے گی اور کہیں دونوں ندارد، ایسے مدارس کے کسی مدرس کو عوام وخواص اور علماء وطلباء کے مجمع عام میں، صحیح بخاری کی اول وآخر حدیث کو مالۂ وماعلیہ پڑھانا کس قدر دشوار ہے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

غرض میں اس کی ضرورت کو شدت کے ساتھ محسوس ہی کررہا تھا کہ ایک روز میرے دارالعلوم بہار شاہ کے پرنسپل حضرت مولانا محمد ریحان الحسن صاحب نوری نے مجھ سے اچانک فرمایا کہ اب تفسیر سورۃ الفاتحہ کی تالیف کے بعد بخاری شریف کی اول وآخر حدیث کی شرح یکجا کردیجئے تاکہ علماء وطلباء کو آسانی ہوجائے اورانھیں صرف ان دو حدیثوں کو پڑھنے اور پڑھانے کے لئے متعدد شرحوں کو دیکھنے کی ضرورت نہ رہے۔آپ کے مشورہ اور مہمیز نے میرے خیال کو تقویت اور عزم کو حوصلہ بخشا پس میں نے صحیح بخاری شریف کی اول وآخر حدیث کی شرح یکجا کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا، گوکہ میں اس کا اہل نہیں تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی توفیق وتائید سے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خصوصی رحمت سے میں نے اس کام کا آغاز کردیا، اس کے لئے میں نے بخاری شریف کی کئی معتمد اور مستند اردو وعربی شرحوں کو دیکھا جنمیں بشیر القاری، نزھۃ القاری، نعم الباری اور فیوض الباری، اردو میں اور عربی میں عمدۃ القاری، فتح الباری، ارشاد الساری، اور منار القاری خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔صحیح بخاری شریف کی ان تمام شرحوں کے پڑھنے سے یہ اندازہ ہوا کہ اردو کی تمام شرحوں میں تقریبا وہی معانی ومطالب اور مضامین ہیں جو عربی شراح نے بیان کی ہیں بلکہ اردو شرحوں کو عربی شرحوں کا خلاصہ اوراس کی ترجمانی کہا جائے تو بیجا نہیں ہوگا چنانچہ مذکورہ اردو شرحوں کے مضامین میں بہت حد تک یکسانیت ہے البتہ زبان وبیان اور انداز تحریر میں اختلاف ہے، میں نے مذکورہ عربی اردو کی آٹھوں شرحوں کو اس کتاب کا ماخذ بنایا ہے گویا میری یہ شرح آٹھوں شرحوں کا عطر مجموعہ ہے ان شاءاللہ یہ کتاب قاری کو تمام شرحوں کے مطالعہ سے بے نیاز کردیگی جس کتاب سے جو اقتباس لیا ہے اس کا حوالہ دے دیا ہے، کہیں کہیں بطور شواہد واستناد عربی شرح کی اصل عبارت بھی نقل کردی ہے البتہ مصطلحات

حدیث، امام بخاری کی سیرت وسوانح اور صحیح البخاری کی عظمت وفوقیت کا بیان، حضرت شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی کی شرح نزھۃ القاری، اور صدر العلما مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی علیھما الرحمۃ کی مقدمہ سے من وعن نقل کیا ہے اس لئے مجھے اس کا اقرار ہے کہ اس میں میری کوئی خاص محنت شامل نہیں ہے تمام تر مساعی اور سب محنتیں ان علماء اور محدثین کی ہیں جنہوں احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اخذ وحصول، حفظ وضبط میں اور اس کے معانی ومطالب کے بیان کرنے میں شب وروز اکٹھا کر دیئے اور اپنی عمر عزیز کا لمحہ لمحہ صرف فرما دیا، اللہ تعالیٰ ان کی قبروں پر رحمت وانوار کی بارش برسائے، میں نے ان کی شرحوں سے اکتساب فیض کر کے صرف دو حدیث پاک کی شرحوں کو اپنے الفاظ میں جمع کر دیا ہے۔ اور اس کا نام اپنے مرکز عقیدت غوث العالم مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ النورانی کی طرف نسبت کرتے ہوئے

"صحیح الاشرفی شرح الحدیث الاول والآخر من صحیح البخاری

" رکھا ہے کتابت وطباعت کے دشوار ترین مراحل سے گذر کر یہ کتاب منظر عام پر آگئی جو آپ جیسے ذی علم وفہم، صاحب فکر ونظر کے ہاتھ میں ہے، اس کتاب میں معانی ومطالب اور نکات ولطائف کے بیان کرنے میں میری کوشش کہاں تک کامیاب ہے اس کا فیصلہ آپ کی صواب دید پر ہے کمال صحت کے التزام کے باوجود خطاء ونسیان کا سرزد ہوجانا بشری تقاضہ ہے لہٰذا جن صاحبان علم کو جہاں کہیں کوئی علمی وادبی اور لفظی ومعنوی خامی اور لغزش نظر آئے وہ میری فہم ناقص کا قصور اور علم سے جہول کا نتیجہ ہے حضرات شارحین حدیث اور محشین کا دامن اس سے پاک ہے آپ مطلع فرمائیں قبول حق وصواب میں آپ مجھے سنجیدہ پائیں گے۔

کسی کتاب کی تالیف وتصنیف کے بعد سب سے بڑا مرحلہ اس کی کتابت وطباعت کا ہوتا ہے کہ اس میں خطیر رقم کا صرفہ آتا ہے جو اہل خیر حضرات کی توجہ کے بغیر نہیں ہوسکتا، اس سے پیشتر بہت سے اہل خیر حضرات نے منجملہ خطیر رقم کی لاگت سے تفسیر سورۃ الفاتحہ طباعت کرا کر تقسیم کرائی تھی جن کے اسماء مجلس اشاعت کے ذیل میں کتاب سورۃ الفاتحہ کے خاتمہ میں درج ہیں وہ سب شکریہ اور دعا کے مستحق ہیں اور یہ کتاب بھی اہل خیر حضرات کے تعاون سے ہی طبع ہوئی ہے جن لوگوں نے اس کتاب کی طباعت میں کسی

طرح بھی شرکت کی ہیں ان سب کے اسمائے گرامی بھی کتاب ھذا کے آخر میں مجلس اشاعت کے تحت مذکور ہیں خصوصیت کے ساتھ مسجد پالکی خانہ کے ممبران اور مرحوم حاجی محمد علی پرانی سبزی منڈی کے صاحبزدگان جناب محمد مصطفےٰ، محمد کاشف محمد آصف وغیرہم کا تہہ دل سے شکرادا کرتا ہوں اور صمیم قلب سے دعا گو ہوں کہ رب العلمین ان سب کی دینی خدمات کو شرف قبول عطا فرمائے اور دارین کی سعادتوں اور برکات سے مالا مال فرمائے کہ ان حضرات نے اس کتاب کی طباعت میں دامے درمے، قدمے بڑی محنتیں کی ہیں۔ اس ضمن میں منتظمہ کمیٹی مجوزہ درگاہ شیث پیغمبر علیہ السلام اور ان کے سربراہ آل رسول، گل گلزار مخدوم اودھ حضرت مولانا سید آصف میاں مخدومی فردوسی کا ذکر نہ کرنا بڑی ناشکری ہوگی کہ آپ کی منتظمہ کمیٹی کا تعاون اس کتاب میں بھی شامل ہے جیسا کہ اس سے پہلی کتاب سورۃ الفاتحہ کے اعزاز میں کیا تھا کہ حضرت شیث پیغمبر علیہ السلام کے عرس سراپا قدس کے پرنور موقع پر ہزاروں زائرین، سینکڑوں علمائے دین، ائمۂ کرام اور شعرائے اسلام کی موجودگی میں حضرت سید محترم نے میری کتاب سورۃ الفاتحہ کی رونمائی کروائی اور کتاب کے اعزاز میں مجمع عام میں خطیر رقوم کا نذرانہ عطا فرما کر اکرام فرمایا اور ہمت افزائی فرمائی، ان کے اس حسن عمل پر میرے دارالعلوم کی منتظمہ کمیٹی نے ان کا شکریہ ادا کیا اور سپاس نامہ ارسال کیا، پس میں بھی محترم سید صاحب کے سابق ولاحق احسانات کو یاد کر کے ان کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ ان کی سیادت کا فیضان ہمیشہ جاری وساری رہے، اور ان کو اور ان کے تمام رفقائے کار کو مولائے کریم دونوں جہان میں سرخرو فرمائے آمین، آخر میں اپنے احباب، قارئین کرام اور بزرگوں سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ وہ میرے لئے، میرے والدین کریمین، اہل وعیال، احباء واقرباء، معاونین اور میرے اساتذہ اور مشائخ کے حق میں دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے طفیل، مغفرت فرمائے اور کتاب کو قبولیت کا شرف عطا فرمائے آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ ابوالحسنات محمد معین الدین اشرفی مصباحی، فیض آباد یوپی۔

٧٨٦/٩٢

کلمات تبریک

قائد ملت، سفیر امن ومحبت حضرت علامہ الحاج سید شاہ محمد **محمود اشرف** اشرفی الجیلانی

سجادہ نشیں سرکار کلاں وسربراہ اعلیٰ جامع اشرف درگاہ کچھوچھہ شریف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْن

حدیث، لغت میں گفتگو، بات، خبر اور نئی چیز کو کہتے ہیں۔ اصطلاح میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادت، فرامین، اقوال وافعال اور تقریر کو کہتے ہیں، تقریر کا معنی یہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کسی صحابی نے کوئی کام کیا یا کچھ کہا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر سکوت فرمایا۔

حدیث کے تعارف میں بلفظ اختصار یہ کہہ سکتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افعال واحوال اور گویائی اور خاموشی کا نام حدیث ہے،

حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کلام الٰہی قرآن کے معانی ومطالب کا بیان، احکام قرآن کی تفسیر وتشریح، منشا الٰہی کا ترجمان، اور اس کے اسرار ورموز کا سرچشمہ ہوتا ہے اس لئے بغیر احادیث رسول کے، قرآن حکیم کے معانی ومطالب کا سمجھنا اور اس کے احکام پر عمل کرنا ناممکن ہے

چونکہ یہ بات بہت ظاہر ہے کہ فرائض اعمال میں نماز وزکوٰۃ وغیرہا سے متعلق جو نصوص وارد ہیں وہ سب مجمل ہیں چنانچہ نماز وزکوٰۃ کے بارے میں ارشاد ہے 'اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ' اس آیت میں نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم تو ہے لیکن نماز کی حقیقت کیا ہے؟ اس میں فرائض وواجبات کتنے ہیں؟ اوقات ورکعات کی تعداد کیا ہیں؟ کن وقتوں میں کتنی رکعتیں ہیں؟ پھر ان کو ادا کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ وغیرہ۔ اسی طرح زکوۃ کی حقیقت کیا ہے؟ زکوۃ کن لوگوں پر فرض ہے؟ کب فرض ہے؟ کس کس مال پر

فرض ہے؟اور کتنے پر کتنا فرض ہے؟زکوۃ کسے نہ دیا جائے وغیرہ تفصیلات قرآن میں مذکورنہیں ہیں بلکہ ان سب کی تفصیلات احادیث مصطفےٰ ﷺ ہی سے مستفاد ہیں،اس سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ حدیث رسول،قرآن کی تفسیر اوراحکام الٰہیہ کی تفصیل وبیان کا نام ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قول رسول کو وحی اور رسول کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے تاکہ کسی کو نبی کے قول اوران کی اطاعت سے مجال انکار نہ رہے،ارشادربانی ہے 'مَا یَنطِقُ عَنِ الْھَوَیٰ اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُوحیٰ' اوروہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تونہیں مگروحی جوانھیں کی جاتی ہے۔ورارشاد ہے 'مَن یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ' جس نے رسول کا حکم مانا بیشک اس نے اللہ کا حکم مانا۔اس طرح قرآن حکیم میں متعدد مقامات پررسول کی اطاعت وفرمابرداری کا حکم دیا گیاہے،جس کاواضح مطلب ہے کہ بغیر حدیث رسول کے چارۂ کارنہیں۔

بلکہ ادنی تأمل سے مفہوم ہوتا ہے کہ بہت سے وہ احکام ہیں جن کا ذکرقرآن حکیم میں اجمالاً بھی نہیں ملتا نماز پنجگانہ کے لئے اذان کا ذکرقرآن حکیم میں موجودنہیں ہے لیکن عہد رسالت سے آج تک اذان کوشعار اسلام سمجھا جاتا ہے،نماز جنازہ کے بارے میں قرآن میں کوئی حکم نہیں جبکہ یہ بھی فرض ہے اس کی بنیاد حدیث رسول ہی ہے۔اسی طرح جمعہ وعیدین کے خطبے کا قرآن میں صراحتاً کہیں ذکرنہیں ملتا مگر یہ بھی ارشادرسول سے ہی ثابت اورواجب ہے،اسی وجہ سے عہد صحابہ سے لیکرآج تک تمام امت مسلمہ بلانکیر قرآن حکیم کی طرح احادیث نبویہ کوبھی واجب الاعتقاداورواجب العمل مانتی چلی آئی ہے اس لئے منکرین حدیث کا حدیث رسول سے انکارکرنا،قرآن حکیم سے انکارکے مرادف ہے یہی وجہ کہ امت کاایک بڑا طبقہ قرون اولیٰ ہی سے احادیث کی حفظ وضبط ،اس کی روایت ودرایت،تخریج وتدوین اورتعلیم وتبلیغ میں پورے انہماک کے ساتھ لگ گیا،انھیں حفاظ ومحدثین کی شبانہ روزمحنتوں کانتیجہ ہے کہ احادیث نبویہ کا گراں بہا خزانہ کتابی شکل میں معرض وجود میں آیا،پھران حضرات نے نہ کہ احادیث رسول ﷺ کے صرف حفظ وضبط ،جمع وتدوین اورکتب حدیث کی تالیف وتصنیف کا کام کیا ہے بلکہ احادیث رسول

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت وتقدس کی بقا کے لئے اور کذاب ووضعین کی دین میں دخل اندازی اوران کے کذب و وضع سے احادیث پاک کی حفاظت وصیانت کے لئے امت کوفن اصول حدیث اوراسماء الرجال کا ایسا عظیم الشان شاہکار دستور عطا کیا جس سے حدیث رسول کواقوال غیر سے ممتاز کرنا آسان ہوگیا اور ہر ہرراوی کا حال وقال اوران کا خدوخال آفتاب نیمروز سے زیادہ روشن ہوگیا، راویان حدیث کے احوال پر مشتمل فن اسماء الرجال کی وضع وتدوین کواور حضرات محدثین کے اس حیرت انگیز کرامت کو دیکھ کرمشہور مستشرق ڈاکٹر اسپرنگر نے کہا تھا کہ اس فن کی بدولت پانچ لاکھ مشہور علماء کا تذکرہ ہمیں مل جاتا ہے ۔

حدیث کی کتابیں تو بہت لکھی گئیں مگران میں کتب صحاح ستہ یعنی صحیح البخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی ، سنن نسائی، ابوداؤداور ابن ماجہ شریف، بہت مشہوراور مقبول ہوئیں اور پھران سب میں صحت وقوت کے اعتبار سے جوفوقیت وفضیلت اور قبول تام، مقبول انام اورشہرت دوام صحیح البخاری کوحاصل ہوئی وہ کسی کے حصے میں نہ آئی چنانچہ محدثین کے نزدیک تقریباً یہ مقولہ متفق علیہ ہے ''اَصَحُّ الْکُتُبِ بعدَ کتابِ اللّٰہ صحیح البخاری'' حدیث کی تمام کتابوں پر بخاری کی فضیلت وبرتری کی وجہ یہ ہے کہ امام بخاری اپنے اقران میں ذہانت وفطانت، تقوی وطہارت، جودت طبع، علمی جاہ وجلال، حدیث دانی میں علومقام اورمہارت تام رکھنے کی وجہ سے فائق تھے پھراس کتاب کی تصنیف وتالیف اوراحادیث کے انتخاب میں حضرت امام بخاری نے جس اعلیٰ درجہ کا حزم واحتیاط اورکمال ادب واحترام کالحاظ کیا ہے اس کی نظیر نہیں ملتی۔ان وجہوں سے یہ کتاب، کتاب اللہ کے بعدسب سے افضل اوراصح کہلائی۔

یہی وجہ ہے کہ مدارس میں اس کتاب کے آغاز واختتام کے موقع پر بڑااہتمام کیا جاتا ہے اکابر علماء اور مشائخ عظام کی زبان فیض ترجمان سے اس کوشروع اورختم کراتے ہیں، میرے مرکزی ادارہ جامع اشرف میں بھی، اس کے قیام کے وقت سے لیکر آج تک یہ سلسلہ جاری ہے کہ خانقاہ اشرفیہ سرکار کلاں کے جوسجادہ نشیں ہوتے ہیں وہی درجۂ فضیلت کے طلبہ کو بخاری شریف کی اول وآخر حدیث پڑھاتے ہیں،

جد کریم حضور مخدوم المشائخ مولانا مفتی سید شاہ محمد مختار اشرف اشرفی الجیلانی سجادہ نشیں سرکار کلاں قدس سرہ اپنی زبان فیض ترجمان سے بخاری کا آغاز واختتام کراتے رہے، آپ کے بعد پھر آپ کے جانشین، میرے والد گرامی حضرت شیخ اعظم مولانا الحاج سید شاہ محمد اظہار اشرف اشرفی الجیلانی سجادہ نشیں سرکار کلاں کی زبان مبارک سے درس بخاری کا آغاز واختتام ہوتا رہا، آپ کے وصال پر ملال کے بعد ۲۰۱۲ء سے یہ سعادت اس فقیر اشرفی گدائے جیلانی کے حصہ میں آئی اس لئے تقریبا بارہ سالوں سے میں جامع اشرف کے طلبہ کو عرس مخدومی کے پرنور موقع پر صحیح البخاری شریف کی اول وآخر حدیث، شروع اور ختم کرانے کی سعادت حاصل کررہا ہوں اور پھر اپنے مشائخ کے حکم وارشاد کے بموجب سند ودستار بھی عطا کرتا ہوں، اس کے علاوہ بہت سارے مدرسوں میں تقریب ختم بخاری شریف میں، میری شرکت ہوتی رہتی ہے، اس سے مجھے احساس ہوا اور میں سمجھتا ہوں کہ بخاری شروع اور ختم کرانے والے علماء کو بھی احساس ہوتا ہوگا کہ صحیح البخاری کی اول وآخر حدیث کی شرح، اس کی شروحات کی روشنی میں اکٹھے کردیجاتی تو بہت ساری شرحوں کے دیکھنے سے علماء اور طلبہ کو چھٹکارہ مل جاتا، اس ضرورت کو مفتی محمد معین الدین صاحب اشرفی نے شدت کے ساتھ محسوس کیا اور دونوں حدیث کی شرح، متعدد شروحات بخاری کی روشنی میں کر کے ایک بڑا شاندار کارنامہ انجام دیا ہے، میں اپنی عدیم الفرصتی کیوجہ سے مکمل کتاب تو نہ پڑھ سکا لیکن جو پڑھا بہت خوب پایا اندازہ ہوا کہ مفتی صاحب کی یہ کتاب "صحیح الاشرفی شرح الحدیث الاول والآخر من صحیح البخاری" بخاری شریف پر لکھی گئیں بہت ساری اردو عربی شرحوں کا عطر مجموعہ ہے میری دعا ہے کہ مولائے کریم ان کی اس کاوش کو شرف قبولیت عطا فرمائے، دنیا وآخرت میں اس کا انھیں اجر وثواب عطا فرمائے اور مزید دینی خدمات کی توفیق رفیق بخشے آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

دعا گو، فقیر اشرفی گدائے جیلانی **سید محمد محمود اشرف** اشرفی جیلانی

سجادہ نشیں سرکار کلاں وسربراہ اعلیٰ جامع اشرف درگاہ کچھوچھا شریف

۷۸۶/ ۹۲

کلمات دعا

از: سراج الفقہاء حضرت علامہ مولانا **مفتی محمد نظام الدین رضوی** صاحب قبلہ صدر شعبۂ افتاء وشیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڈھ یوپی۔

بِاسۡمِہٖ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالیٰ

صحیح بخاری شریف کی مقبولیت کے مظاہر سے یہ بھی ہے کہ مختلف ادوار اور مختلف زمانوں میں اس کی شرحیں لکھی گئیں، ان شروح میں امام محمد شمس الدین الکرمانی (ت ۷۸۶ھ) اور امام بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی (ت ۸۵۵ھ) اور امام احمد بن علی بن حجر العسقلانی (ت ۸۵۲ھ) رحمھم اللہ تعالیٰ کی شروح کو اہل علم وفقہ میں بڑی اہمیت حاصل ہے، یہ شرحیں بجائے خود بہت معتمد ومستند تسلیم کی جاتی ہیں۔

میں نے شروح بخاری کو مقبولیت کے مظاہر سے اس لئے شمار کیا کہ جن حضرات نے صحیح بخاری شریف کی شرحیں لکھیں وہ خود بھی مقبول روزگار ہوگئے، اسی سلسلے کی ایک شرح فیضان اشرفی بنام "**صحیح الاشرفی شرح الحدیث الاول والآخر من صحیح البخاری**" بھی ہے جو بخاری شریف کی پہلی اور آخری حدیث کی شرح اور کچھ اردو وعربی شرحوں کے مضامین کا مجموعہ ہے۔

میں یہ کتاب پوری نہ پڑھ سکا صرف درمیان سے چند صفحات دیکھے اس سے یہ اندازہ ہوگیا کہ کتاب معلومات افزا ہے، مؤلف کتاب حضرت مولانا معین الدین اشرفی مصباحی کی ذہانت، صلاحیت اور جدوجہد سے توقع ہے کہ انہوں نے قوم کو ایک بہتر تحفہ پیش کیا ہے۔

خدائے کریم یہ تالیف قبول فرمائے، زلات سے عفو ودر گذر کرے اور حسنات پر اجر وصلہ سے نوازے اور مولانا موصوف کو بہتر قلمی نگارشات کی توفیق بخشے اور ان سے زیادہ سے زیادہ سنت وسنیت کے فروغ کے کام لے اور ان کی عمر، علم، فضل، صحت میں برکتیں عطا فرمائے، آمین بجاہ حبیبک النبی الامین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین وسلم۔

محمد نظام الدین رضوی

شیخ الحدیث وصدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ مبارکپور

۲۴/ رمضان المبارک ۱۴۴۶ھ/ ۲۵ مارچ ۲۰۲۵ء

۷۸۶/۹۲

تقریظ جمیل

از:۔استاذ الاساتذہ،قمر العلماء حضرت علامہ مولانا **محمد قمر عالم قادری** صاحب قبلہ،شیخ الحدیث جامع اشرف درگاہ کچھوچھہ شریف،سابق شیخ الحدیث دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم و علیٰ آلہٖ و صحبہٖ اجمعین

زیر نظر کتاب "صحیح الاشرفی شرح الحدیث الاول والآخر من صحیح البخاری" استاذ الاساتذہ حضرت مولانا و بالفضل اولیٰنا مفتی محمد معین الدین اشرفی مصباحی بھاگلپوری کی تالیف کردہ ہے اس کتاب کے اکثر حصے کو میں نے پڑھا اور خوب سے خوب تر پایا ہے۔کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مفتی صاحب نے اس سے قبل تالیف کردہ دیگر کتب کی طرح اس کتاب کی تصنیف میں بھی کافی محنت اور وقت صرف کیا ہے۔بخاری شریف کی اردو اور عربی تمام شرحوں کا مطالعہ کر کے پہلی اور آخری حدیث کی ایک جامع شرح تالیف کر دیا ہے۔

کتاب کے شروع میں کچھ وقیع مضامین کا اضافہ بھی ہے میرے خیال میں بخاری شریف کے آغاز اور اختتام کرنے والے کو اس کتاب سے کافی مدد ملے گی بلکہ صرف اس کتاب کا مطالعہ ہی کافی ہوگا حضرت موصوف کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی خوبیوں سے نوازا ہے،عمدہ مدرس اور ماہر مفتی ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین مصنف اور اچھے خطیب بھی ہیں حسن اخلاق اور اچھے کردار کی جامعیت بھی آپ کے اندر ہے۔مولیٰ تعالیٰ مفتی صاحب کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور مزید تصنیف کی توفیق عطا فرمائے۔آمین بجاہ النبی الکریم علیہ التحیۃ والتسلیم

محمد قمر عالم قادری جامع اشرف درگاہ کچھوچھہ شریف

۲۵/جمادی الاولیٰ ۱۴۴۶ھ،مطابق ۲۸/نومبر ۲۰۲۴ء

۷۸۶/ ۹۲

کلمات تحسین

حضرت علامہ مولانا مفتی محمد شمس القمر صاحب فیضی استاذ و مفتی دار العلوم بہار شاہ فیض آباد۔

اسلام کے بنیادی اصول جن کو حضرات فقہائے کرام نے بالترتیب ذکر فرمایا ہے وہ چار ہیں، **اول** کلام الٰہی، جسے قرآن حکیم کہتے ہیں، **دوم**۔کلام رسول جسے حدیث پاک کہا جاتا ہے، **سوم**۔اجماع امت یعنی امت محمدیہ کے علماء کا کسی بات کے حکم میں اتفاق کر لینا، **چہارم**۔قیاس ہے اور وہ کسی مجتہد کا حکم منصوص علیہ کو غیر منصوص امر کی طرف علت مشترکہ کی وجہ سے پھیرنے کا نام ہے، اور ایمان وعقائد اور احکام ومسائل کی بنیادیں انھیں چاروں اصول پر مبنی ہیں، ان میں سب سے اول اور اصل الاصول کتاب اللہ ہے پھر اس کے بعد حدیث رسول اللہ کا مرتبہ ہے چنانچہ قرآن حکیم کے بعد حدیث پاک ہی کا وہ مقام ہے جن سے احکام کا استنباط ہوتا ہے، پس جس طرح قرآن پاک کے بعد حدیث رسول کا مرتبہ ہے اسی طرح تمام کتابوں میں قرآن کے بعد اصح الکتب صحیح البخاری کا مرتبہ ہے یہی وجہ ہے کہ صحیح البخاری شریف کی عربی واردو وغیرہ زبانوں میں جتنی شرحیں ہوئی ہیں، حدیث کی کسی کتاب کی اتنی شرحیں نہیں ہوئیں، یہ اس کی فضیلت وعظمت اور مقبولیت کی روشن دلیل ہے۔

زیر نظر کتاب میں صحیح البخاری کی پہلی اور آخری حدیث کی شرح اور تفسیر ہے، ماہر علوم عقلیہ ونقلیہ شیخ الحدیث والتفسیر حضرت علامہ ومولانا مفتی محمد معین الدین صاحب قبلہ اشرفی مصباحی، شیخ الحدیث دار العلوم بہار شاہ فیض آباد نے نہایت ہی تحقیق کے ساتھ بخاری کی اول وآخر دونوں حدیثوں کی شرح فرمائی ہے، بحمدہٖ تعالیٰ مطالعہ کا شرف حاصل ہوا، مفتی صاحب نے اس کتاب میں جو اپنی علمی جولانی قلم کی روانی دکھائی ہے اس سے محقق دوانی کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔یوں تو ان کی یہ پہلی تصنیف نہیں ہے اس کے پہلے بھی انھوں نے کئی گراں قدر علمی سرمایہ قوم کے علمی ذوق رکھنے والے اشخاص کی بارگاہ علم وادب میں پیش کیا ہے جو

قابل ستائش ہے آج سے تقریبا بیس سال پہلے درس نظامی کی ایک مشہور کتاب مسلم الثبوت جو اپنی ایجاز بیانی اوراغلاق پسندی میں بے مثال ہے جسے پڑھاتے ہوئے باصلاحیت درسگاہی علماء کا پتہ پانی پانی ہوجاتا ہے اس کی قدر معتد بہ پڑھائی جارہی بحثوں کی آپ نے ایک جامع شرح بنام **اشرف النعوت شرح مسلم الثبوت** تحریر فرمائی ہے جو شائع ہوکر علماء ومشائخ سے داد تحسین اور خراج حاصل کر چکی ہے اگر میں یہ کہوں کہ ہمارے اکابر جید علماء جس کی طرف توجہ نہ کرسکے وہ مفتی موصوف نے کر کے سب کا قرض ادا کردیا تو بے جا نہ ہوگا، پھر ابھی ماضی قریب میں آپ کی دوسری عظیم تصنیف سورۃ الفاتحۃ کی تفسیر تقریبا ساڑھے پانچ سوصفحات پر مشتمل بنام "**الاسرار الواضحۃ فی تفسیر سورۃ الفاتحۃ**"چھپ کر مقبول عوام وخواص ہوئی، اس کے علاوہ کئی رسالے، سیمیناروں کے فقہی مدلل مقالات اور رسائل ومجلّات میں چھپے مضامین ان کے علمی شاہکار ہیں اللّٰھم زد فزد، یہ کتاب **صحیح الاشرفی شرح الحدیث الاول والآخر من صحیح البخاری**" بھی تین سو سے زائد صفحات پر مشتمل علمی شاہکار اور شروح بخاری میں ایک نئے باب کا اضافہ ہے جو تشنگان علوم دینیہ کے لئے تسکین ذوق کا باعث ہے اللہ پاک اسے قبول عام وتام اور مقبول انام فرمائے اوران کا سایہ تادیر امت مسلمہ پر قائم رکھے۔آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

فقط دعا گو

العبد محمد شمس القمر قادری فیضی

خادم درس وافتاء دار العلوم بہار شاہ فیض آباد، یوپی

۲۲ شعبان المعظم ۱۴۴۶ھ/۲۱،۲،۲۵ء

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا وَنَبِیِّنَا الَّذِیْ لَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی، وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہِ الَّذِیْنَ ھُمْ اَئِمَّۃُ الْھُدٰی وَسَادَاتُ التُّقٰی وَالنُّقٰی۔

حدیث پاک کا تعارف

واضح رہے کہ ہر علم کی تحصیل سے پیشتر، حصول بصیرت وسہولت کے واسطے تین چیزوں کا جاننا ضروری ہوتا ہے، اس علم کی تعریف، اس کا موضوع اور اسکی غرض وغایت، چونکہ یہ مختصر رسالہ علم حدیث سے متعلق ہے اس لئے ذیل میں علم حدیث اور حدیث کی تعریف، اس کا موضوع، اور اس کی غرض وغایت کا بیان ضروری ہے تاکہ کمال بصیرت ہو اور طالبین کو اس کے حصول میں سہولت اور زیادتیٔ رغبت پیدا ہو۔

علم حدیث: اس علم کو کہتے ہیں جس سے رحمت عالم، نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال طیبہ، افعال مبارکہ اور احوال حسنہ کی معرفت حاصل ہو، چنانچہ حضرت علامہ عینی وغیرہ محدثین نے بایں الفاظ تعریف کی ہے

''**ھو علم یعرف بہ اقوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و افعالہ واحوالہ** پھر محدثین کرام نے علم حدیث کی دو قسمیں کی ہیں، ایک علم روایۃ الحدیث، دوسری علم درایۃ الحدیث۔ علم روایۃ الحدیث وہ علم ہے جس سے بسماع متصل اور ضبط وتحریر کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال وافعال کا منقول ہونا معلوم ہو، اور علم درایۃ الحدیث وہ علم ہے جس سے انواع واحکام روایت، شروط رواۃ، اصناف مرویات اور ان کے معانی کا استخراج معلوم ہو۔

موضوع: حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی، صفات رسول ہونے کی حیثیت سے۔

غرض وغایت: باعتبار اتصال وانقطاع، احادیث کی سند کے اقسام اور نقل وروایت کے احکام وآداب معلوم کرنا، مآل کے اعتبار سے سعادت دارین کا حصول ہے۔

حدیث کے لغوی معنیٰ: حدیث، قدیم کی ضد ہے جو لغت میں گفتگو، کلام، بات اور جدید کے معنی میں استعمال ہوتا ہے گفتگو، کلام، اور بات کے معنی میں حدیث کی وجہ تسمیہ بہت واضح ہے البتہ جدید اور نیا کے معنی لیں تو حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حدیث اس لئے کہتے ہیں کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب جب پڑھیں اور

سنیں ہمیشہ اور ہر بار اس میں جدت ہی معلوم ہوتی ہے کبھی اس کے سننے سے اکتاہٹ اور کہنہ پن کا احساس نہیں ہوتا کہ حدیث رسول ﷺ کبھی پرانی نہیں ہوتی۔

حدیث کے اصطلاحی معنیٰ: محدثین کی اصطلاح میں حدیث ،حضور اقدس ﷺ کے اقوال وارشادات، اعمال وافعال اور تقریرات کو کہتے ہیں، اور تقریر سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کے سامنے کوئی کام کیا گیا یا کوئی واقعہ پیش آیا وغیرہ اور آپ نے اسے دیکھ، سن کر سکوت اور خاموشی اختیار فرمائی تو یہ بھی حدیث رسول ہی ہے کہ کیوں کہ وہ امور اگر منشاء دین کے خلاف اور منافی ہوتا تو سرکار اسے ضرور منع فرمادیتے، پس محدثین کی اصطلاح میں حدیث کے تحت ہر وہ چیز داخل ہے جو حضور اکرم ﷺ کی طرف منسوب ہو، اقوال وافعال اور احوال وادا، ہوں یا تقریرات وصفات ،اس لئے ہمارے شیخ اجازت ،حضرت مخدوم العلما، شیخ اعظم مولانا سید شاہ محمد اظہار اشرف قدس سرہ، سجادہ نشین درگاہ وخانقاہ اشرفیہ کچھوچھہ شریف، جامع اشرف کے درجۂ فضیلت کے طلبہ کو صحیح البخاری شریف کی اول وآخر کی حدیث پڑھاتے وقت جب حدیث کی تعریف کرتے تو کہتے ’’خلاصہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی گویائی بھی حدیث ہے اور خاموشی بھی حدیث ہے، آپ کا تبسم فرمانا بھی حدیث ہے اور آپ کا رونا بھی حدیث ہے بلکہ آپ کی ہر ہر ادا حدیث ہے‘‘ اسی طرح حضرات صحابۂ کرام اور تابعین عظام کے اقوال وافعال اور تقریر کو بھی حدیث کہتے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مقدمۂ مشکوٰۃ میں ہے،

’’اعلم ان الحدیث فی اصطلاح جمهور المحدثین یطلق علیٰ قول النبیٔ صلی اللہ علیه وسلم وفعله وتقریرہ، و معنی التقریر انه فعل احد او قال شیئا فی حضرته صلی اللہ علیه وسلم و لم ینکرہ ولم ینهه عن ذالک بل سکت وقرر وکذالک یطلق علیٰ قول الصحابی وفعله وتقریرہ وعلیٰ قول التابعی وفعله وتقریرہ‘‘

خبر: بعض حضرات نے خبر کو بھی حدیث کے مرادف گردانا ہے مگر کچھ لوگوں نے ان دونوں کے درمیان فرق کیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ اور صحابہ وتابعین کے اقوال وافعال اور تقریر کو حدیث کہتے ہیں اور سلاطین ،امراء وحکام اور گذشتہ زمانے کے احوال کو خبر کہتے ہیں اس لئے مؤرخ اور قصہ گو کو اخباری ،اور احادیث کی خدمت کرنے والوں کو محدث کہا جاتا ہے۔ **اثر:** بھی خبر اور حدیث کی طرح ہے کہ اس کا اطلاق

بھی حدیث مرفوع اور موقوف دونوں پر ہوتا ہے جیسا کہ معانی الآثار، آثار السنن جیسی کتابوں کے اسامی اور ادعیہ ماثورہ سے ظاہر ہے لیکن فقہائے خراسان موقوف کو یعنی صحابی وتابعی کے قول کو اثر اور مرفوع کو خبر سے تعبیر کرتے ہیں۔

سنت: علمائے اصول کے نزدیک سنت بھی حدیث کے مرادف ہے لیکن حضرات فقہائے کرام کے نزدیک سنت وہ فعل ہے جس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور آپ کے بعد حضرات خلفائے راشدین نے مواظبت فرمائی ہو۔

حدیث پاک کا شرف ومنزلت: قرآن حکیم کے بعد شرف ومنزلت کے اعتبار سے حدیث رسول کا مرتبہ ہے کہ قرآن وحیٔ متلو ہے تو حدیث وحیٔ غیر متلو ہے، قرآن وحی جلی ہے تو حدیث وحیٔ خفی ہے، قرآن اجمال ہے تو حدیث اس کی تفصیل وبیان ہے پس قرآن حکیم کی طرح حدیث رسول بھی علوم ومعارف کا خزانہ اور ہدایت کا سرچشمہ ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے ''مثل ما بعثنی اللہ تعالیٰ بہ من الھدی و العلم کمثل الغیث الکثیر اصاب ارضاًفکان منھا نقیۃ قبلت الماء فانبتت الکلاَ و العشب الکثیر و کانت منھا اجادب امسکت الماء فنفع اللہ بھا الناس فشربوا وسقوا وزرعوا'' الخ (صحیح البخاری)

یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جس علم وہدایت کے ساتھ بھیجا ہے اس کی مثال زبردست بارش کی سی ہے جو زمین پر خوب برسے، پس جو زمین صاف ستھری ہوتی ہے وہ پانی کو اپنے اندر جذب کرلیتی ہے اور بہت بہت سبزہ اور گھاس اگاتی ہے، اور بعض زمین جو سخت ہوتی ہے وہ پانی کو روک لیتی ہے اس سے اللہ تعالیٰ لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے وہ اس سے سیراب ہوتے ہیں، اور سیراب کرتے ہیں اور کھیتیاں کرتے ہیں۔

اس حدیث پاک میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے علوم نبوت اور ہدایت کی مثال بارش سے دی ہے جو بہترین، قابل زراعت اور زرخیز زمین پر برسے تاکہ زمین باران رحمت سے پوری طرح سیراب ہوکر زیادہ سے زیادہ، پھل، پھول، دانے، بالیاں، گھاس پھوس، اور غلات وباغات اگائے، اور خلق خدا کو نفع پہنچائے اسی طرح اساطین امت نے مشکوۃ نبوت سے نکلے ہوئے دریائے علوم وفنون کے پانی سے اپنے

قلوب واذہان کی زمین کوایسا تروتازہ،سرسبز وشاداب اورزرخیز بنالیا کہ خودسرچشمۂ علم وہدایت بن گئے اور دوسروں کوبھی علم وہنر سے آراستہ اور ہدایت یافتہ بنادیا۔

مشکوٰۃ المصابیح کتاب العلم میں ہے،

"عن ابن مسعود قال قال رسول اللہ ﷺ نضر اللہ امرأً سمع مقالتی فحفظ ووعاھا واداھا فرب حامل فقه غیر فقیه ورب حامل فقه الیٰ من ھو افقه منه

"حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہا کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالی اس بندے کوشاد آباد رکھے جس نے میری بات سن کر یاد کر کے محفوظ کرلیا اور دوسروں تک پہنچادیا کیوں کہ بہت سے فقہ اٹھانے والے خود غیر فقیہ ہیں اور بہت لوگ اپنے سے بڑے فقیہ تک فقہ اٹھاتے ہیں

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے،

"عن ابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ اللھم ارحم خلفائی قلنا من خلفائک یا رسول اللہ ، قال الذین یروون احادیثی ویعلمونھا الناس"

یعنی حضور اقدس ﷺ نے ارشادفرمایا ہے کہ اے اللہ میرے خلفاء پر رحم فرما،ہم نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ کے خلفاء کون ہیں فرمایا وہ لوگ جو میری حدیث روایت کرتے ہیں اور لوگوں کو اس کی تعلیم کرتے ہیں

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے،

"سئل رسول اللہ ﷺ ما حد العلم الذی اذا بلغه الرجل کان فقیھاً فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من حفظ علیٰ امتی اربعین حدیثا فی امر دینھا بعثه اللہ فقیھا و کنت له یوم القیمة شافعاً و شھیداً (ایضا)

یعنی حضور اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ اس علم کی حد کیا ہے جہاں انسان پہنچے تو عالم وفقیہ ہوجائے تو حضور اقدس ﷺ نے ارشادفرمایا کہ جو میری امت پر چالیس احکام دین کی حدیثیں حفظ کرے،اسے اللہ فقیہ اٹھائے گا اور میں قیامت کے دن اس کا شفیع اور گواہ بنونگا۔

اس طرح بہت سی احادیث مبارکہ ہیں جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے فرمان وارشادات اور احادیث واقوال کے پڑھنے، پڑھانے، روایت کرنے اور دوسروں تک پہنچانے کی ترغیب فرمائی ہے اور طالبان علوم نبویہ اور مبلغان احادیث کے لئے خصوصی دعائیں فرمائی اور دنیا وآخرت میں ایسوں کو تروتازگی اور سرسبز وشادابی کی بشارت اور نوید جاودانی فرمائی۔ تاکہ نونہالان امت محمدیہ کے قلوب واذہان میں احادیث رسول کی عظمت ووقعت بیٹھ جائے اور امت کا ایک خوش نصیب طبقہ، احادیث کے حفظ وضبط، اخذ وتناول، جمع وتدوین اور روایت وتبلیغ میں مصروف رہیں چنانچہ عہد صحابہ سے لے کر ہر زمانے میں اساطین امت نے احادیث رسول کی ایسی شاندار خدمات انجام دی ہیں کہ زمانہ اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔

حدیث کی اہمیت وضرورت:۔ شارح بخاری، فقیہ النفس حضرت علامہ مولانا مفتی شریف الحق صاحب امجدی علیہ الرحمہ، اپنی شرح بخاری کے مقدمہ میں حدیث کی اہمیت بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں ''یہ بات ہر دیندار مسلمان کو معلوم ہے کہ دین کے اصول وفروع، اعتقادیات وعملیات سب کی بنیاد قرآن واحادیث ہیں، اجماع اور قیاس کی جو بھی حیثیت ہے وہ کتاب اللہ اور احادیث ہی کی بارگاہ سے سند ملنے کے بعد ہے، اور یہ دونوں واجب الاعتقاد والعمل ہونے میں مساوی درجہ رکھتے ہیں احادیث سے انکار کے بعد قرآن پر ایمان کا دعویٰ باطل محض ہے، اس لئے کہ قرآن مجید نے ایک نہیں سیکڑوں جگہ رسول کی اطاعت واتباع کا حکم دیا ہے وہ بھی اس طرح کہ رسول کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت قرار دیا ہے ارشاد ہے، مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ [النساء، آیت ۸۰] جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ رسول کی بعثت کا مقصد ہی یہی قرار دیا کہ اس کی اطاعت کی جائے۔ فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ [آیت ۶۴] ہم نے رسول کو اسی لئے بھیجا ہے کہ اللہ کے اذن سے اس کی اطاعت کی جائے۔ کہیں فرمایا، جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی وہ بڑا کامیاب ہوا، جس نے اللہ کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ ضرور گمراہ ہوا، کہیں فرمایا کہ مومن کی شان یہ ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول کسی معاملہ میں فیصلہ کے لئے بلائیں تو بلا دریغ یہ کہے ہم نے سنا اور مانا ارشاد ہے' اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ

الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ لِیَحْکُمَ بَیْنَھُمْ اَنْ یَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ؕ وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۞ [النور، آیت ۵۱] مومنوں کو جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جائے تاکہ وہ ان کے مابین فیصلہ کر دیں تو ان کو "سَمِعْنَا اور اَطَعْنَا" کہنا ہی ضروری ہے۔

جن لوگوں نے رسول کے فیصلہ کو تسلیم کرنے میں چوں چرا کیا ان کے بارے میں صاف صاف فرما دیا کہ مومن نہیں، " فَلَا وَ رَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۞ "[النساء، ایت ۶۵] تیرے پروردگار کی قسم یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ آپسی تنازعات میں تمھیں حکم نہ مان لیں اور پھر اس فیصلہ پر اپنے جی میں کوئی کھٹک نہ پائیں اور اس کو کما حقہ مان لیں۔

یہاں تک کہ رسول کے پکارنے کو اللہ نے اپنا پکارنا قرار دیا، فرمایا " یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ [الانفال ایت ۲۴] اے ایمان والو جب اللہ و رسول تمھیں پکاریں تو فوراً حاضر ہو۔ رسول کی نافرمانی تو بڑی بات ہے نافرمانی کی سرگوشی پر بھی پابندی لگا دی گئی ہے ارشاد ہے " یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَیْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ مَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ [المجادلہ، ایت ۹] اے ایمان والو! چپکے چپکے کوئی بات کرو تو گناہ و سرکشی اور رسول کی نافرمانی کی بات نہ کرو، حتی کہ رسول کی نافرمانی کو منافقین کا طریقہ بتایا، فرمایا " وَ اِذَا قِیْلَ لَھُمْ تَعَالَوْا اِلٰی مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ وَ اِلَی الرَّسُوْلِ رَاَیْتَ الْمُنٰفِقِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْکَ صُدُوْدًا ۚ[النساء، آیت ۶] اور جب ان سے کہا جائے کہ اللہ نے جو اتارا ہے اس کی طرف اور رسول کی طرف آؤ تو آپ دیکھیں گے کہ یہ منافق آپ سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ دوزخی دوزخ میں حسرت سے یہ کہیں گے یَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْھُھُمْ فِی النَّارِ یَقُوْلُوْنَ یٰلَیْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰہَ وَ اَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ۞ [الاحزاب آیت ۶۶]

جب یہ لوگ آگ میں الٹ پلٹ کر بھونے جائیں گے تو کہیں گے کاش ہم نے اللہ کی اطاعت کی ہوتی اور رسول کی اطاعت کی ہوتی۔

یہاں تک کہ رسول کے فیصلہ کے بعد ایمان والوں کا یہ اختیار اللہ عزوجل نے سلب کرلیا کہ وہ مانیں یانہ مانیں بلکہ انھیں سرتسلیم خم کرنا ہی ہے، ''وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ یَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَ مَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا ؕ [الاحزاب، آیت ۳۶]

کسی مومن مرد یا عورت کو یہ گنجائش نہیں کہ اللہ و رسول کوئی فیصلہ کردیں تو انھیں اپنے معاملہ میں کوئی اختیار باقی رہے اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم نہ مانے وہ ضرور کھلا ہوا گمراہ ہے۔ رسول کی مخالفت پر بانگ دہل عذاب کی دھمکی ارشاد ہوئی۔ وَ مَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ یَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا [النساء، آیت ۱۱۵]

اس کے بعد کہ حق کا راستہ واضح ہوچکا جو بھی رسول کی مخالفت کرے اور ایمان والوں کے راستہ کو چھوڑ کر اور کوئی راستہ چلے ہم اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے جہنم میں لے جائیں گے اور وہ برا ٹھکانہ ہے ،اور ارشاد ہے فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِیْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ یُصِیْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ [النور، آیت ۶۳] جولوگ رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو ڈرنا چاہئے کہ دنیا میں ان پر کوئی مصیبت نہ آن پڑے یا آخرت میں کوئی دردناک عذاب میں مبتلا نہ ہوں۔

قرآن مجید کے ان ارشادات پر غور کرو، قرآن مجید نے کس طرح جگہ جگہ اللہ کی اطاعت کے ساتھ رسول کی اطاعت کا حکم دیا، اور اللہ کے ساتھ ساتھ رسول کی نافرمانی پر وعید ارشاد فرمائی رسول کے بلانے کو اللہ نے اپنا بلانا قرار دیا، رسول کی نافرمانی کے لئے سرگوشی بھی منع فرمائی رسول کے فیصلہ کو واجب التسلیم قرار دیا وہ بھی اس حد تک کہ جو رسول کے فیصلے کو نہ مانے، اس میں ذرا بھی تردد کرے وہ مومن نہیں، رسول کے حکم سے روگردانی کرنے والوں کو منافق فرمایا رسول کے حکم کو اس درجہ واجب الاتباع قرار دیا کہ رسول کے حکم کے بعد نہ ماننے کا کسی مومن کو حق نہ دیا جو نہ مانے اس کے لئے جہنم کی وعید سنائی، کیا یہ سب باتیں اس کی دلیل نہیں کہ جس طرح اللہ عزوجل کا ہر ارشاد واجب التسلیم ہے اسی طرح رسول کا بھی ہر فرمان واجب

الاعتقاد والعمل ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ اور رسول کے مابین تفریق کرنے والوں کو صاف صاف سنادیا اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ يَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۙ [النساء آیت ۱۵۱]

یعنی اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول میں تفریق کردیں اور کہتے ہیں کہ کچھ کو ہم مانتے ہیں اور کچھ کو نہیں مانتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کے بیچ میں راستہ بنالیں، یہ لوگ ٹھیک کافر ہیں ہم نے کافروں کے لئے ذلت کا عذاب تیار کررکھا ہے۔تو رسول کو واجب الاتباع نہ ماننے کا مطلب ہوا ان آیتوں کا انکار اور قرآن مجید کی کسی آیت کا انکار پورے قرآن کا انکار ہے۔ ''اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ [البقرۃ، آیت ۸۵] کیا کچھ کتاب پر ایمان لاتے ہو اور کچھ کے ساتھ کفر کرتے ہو۔

غور کیجئے، بہت سے وہ احکام ہیں جو قرآن مجید میں مذکور نہیں، صرف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمائے اور وہ بھی قرآن کی طرح واجب العمل قرار پائے مثلاً

(۱) ''اذان'' قرآن پاک میں کہیں صراحتاً مذکور نہیں کہ نماز پنجگانہ کے لئے اذان دی جائے مگر اذان عہد رسالت سے لے کر آج تک شعار اسلام رہی ہے اور رہے گی۔

(۲) ''نماز جنازہ'' قرآن میں اس کے بارے میں کوئی واضح حکم نہیں، مگر یہ بھی فرض ہے اس کی بنیاد ارشاد رسول ہی ہے۔

(۳) بیت المقدس کو قبلہ بنانے کا قرآن میں کہیں حکم نہیں مگر تحویل قبلہ سے پہلے یہی نماز کا قبلہ تھا یہ بھی صرف ارشاد رسول ہی سے تھا۔

(۴) جمعہ وعیدین کے خطبے کا کہیں قرآن میں حکم نہیں مگر یہ بھی عبادت ہے اس کی بنیاد صرف ارشاد رسول ہی ہے۔۔۔۔۔اور وہ بھی اس شان سے کہ اگر اس میں کوئی کوتاہی ہوئی تو کوتاہی کرنے والوں کو تنبیہ کی گئی، مثلاً ایک بار جمعہ کا خطبہ ہو رہا تھا اسی اثنا ایک قافلہ آ گیا کچھ لوگ خطبہ چھوڑ کر چلے گئے اس پر آیت کریمہ نازل ہوئی۔

وَ اِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا ِۨانْفَضُّوْۤا اِلَيْهَا وَ تَرَكُوْكَ قَآئِمًا ؕ [الجمعہ آیت ۱۱]

انھوں نے جب کھیل یا تجارت کو دیکھا تو اس کی طرف دوڑ پڑے اور آپ کو خطبہ میں کھڑا چھوڑ گئے

تم فرماؤوہ جواللہ کے پاس ہے کھیل اور تجارت سے بہتر ہے اور اللہ کا رزق سب سے اچھا، یہ صرف اسی بناء پر ہے کہ قرآن کی طرح ارشاد رسول بھی واجب الاعتقاد والعمل ہے اس میں بھی کوتاہی کی وہی سزا ہے جو قرآن کے فرمودات میں کوتاہی کی ہے۔

علاوہ ازیں قرآن خدا کی کتاب ہے واجب القبول ہے یہ کیسے معلوم ہوا؟ اللہ عزوجل نے آسمان سے لکھی لکھائی جلد بندھی ہوئی کتاب تو نازل نہیں کی اور اگر لکھی ،لکھائی ،جلد بندھی بندھائی کتاب اتارتا تو کیسے معلوم ہوتا کہ یہ خدا کی کتاب ہے، کہیں سے بھی اڑکر آسکتی ہے کوئی فریب کار کسی خفیہ طریقے سے کہیں پہنچا سکتا ہے، اگر جبرئیل یا کوئی فرشتہ لے کر آتا تو کیسے پہچانتے کہ یہ جبرئیل یا فرشتہ ہے۔کوئی جن کوئی شیطان، کوئی شعبدہ باز یہ کہہ سکتا ہے کہ میں جبرئیل ہوں، میں فرشتہ ہوں یہ خدا کی کتاب لایا ہوں، غرض کہ رسول کے مطاع ماننے سے انکار کے بعد، قرآن کے کتاب اللہ ہونے پر کوئی یقینی قطعی دلیل نہیں رہ جاتی ساری دلیلوں کا منتہا یہ ہے کہ رسول نے فرمایا یہ خدا کی کتاب ہے، یہ جبرئیل ہیں، یہ آیت لے کے آئے ہیں ،کتاب اللہ کی معرفت اور کتاب اللہ لے کر آنے والے ملک مقرب جبرئیل کی معرفت ،قول رسول ہی پر موقوف ہے، اگر رسول کا قول ہی نا قابل قبول ہوجائے تو کتاب اللہ کا کوئی وزن نہیں رہ جائے گا۔غور کیجئے رسول نے لاکھوں باتیں ارشادفرمائیں انھیں میں یہ فرمایا مجھ پر یہ قرآن نازل ہوا، مجھ پر یہ آیت نازل ہوئی ، مجھ پر یہ سورت نازل ہوئی سننے والے صحابۂ کرام نے ان کو کتاب اللہ جانا اور مانا اور جن ارشادات کے بارے میں یہ نہیں فرمایا احادیث ہوئیں اب کوئی بتائے ایک منھ سے دوقسم کی باتیں نکلیں ایک قسم مقبول، اور دوسری مردود، یہ کس منطق سے درست ہوگا ایک قسم کو مردود قرار دینے کا مطلب ہوگا دوسری قسم کو بھی مردود قرار دینا غرضیکہ حدیث کے نا قابل قبول ماننے کے بعد قرآن کا بھی نا قابل قبول ہونا لازم ہے۔

علاوہ ازیں اگر چہ قرآن کریم میں تمام چیزوں کا بیان ہے مگر ان میں کتنی چیزیں ایسی ہیں جو ہمارے لئے مجمل اور مبہم ہیں مثلاً عبادات اربعہ نماز روزہ زکوٰۃ حج کو لے لیجئے قرآن مجید میں ان سب کا حکم ہے مگر کیا قرآن مجید سے ان عبادات کی پوری تفصیل کوئی بتا سکتا ہے اگر احادیث کو نا قابل اعتبار ٹھہرادیا جائے تو پھر ان عبادات پر عمل کیسے ہوگا کیوں کہ ان سب کی ہیئت ،ان سب کی تفصیل احادیث ہی سے معلوم ہوئی ہے خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا صلوا کما رایتمونی اصلی، متفق علیہ ،اس طرح

نماز پڑھو جیسے مجھے نماز پڑھتے دیکھو عبادت سے قطع نظر قرآن مجید کی سیکڑوں آیات وہ ہیں کہ اگر ان کی توضیح احادیث میں مذکور نہ ہوتی تو وہ لاینحل رہ جاتیں مثلا ارشاد ہے، اِلَّا تَنۡصُرُوۡهُ فَقَدۡ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذۡ اَخۡرَجَهُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ثَانِىَ اثۡنَيۡنِ اِذۡ هُمَا فِى الۡغَارِ اِذۡ يَقُوۡلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ[التوبہ آیت ۴۰]اگر تم رسول کی مدد نہ کرو گے تو رسول کا کچھ نہ بگڑے گا اللہ نے ان کی اس وقت مدد کی جب کافروں کی شرارت سے انھیں باہر جانا ہوا صرف دو جان سے جب کہ دونوں غار میں تھے جب رسول اپنے ساتھی سے فرماتے تھے غم نہ کھا اللہ ضرور خود ہمارے ساتھ ہے۔

احادیث سے قطع نظر کر کے کوئی بتا سکتا ہے کہ کافروں نے کیا شرارت کی تھی، رسول کو کہاں سے باہر تشریف لے جانا پڑا، یہ ساتھی کون تھے اور کیوں ساتھی کو تسلی وتشفی دینے کی حاجت پیش آئی۔ دوسری جگہ فرمایا، لَقَدۡ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِىۡ مَوَاطِنَ كَثِيۡرَةٍ ۙ [التوبہ/ ۲۵]اللہ نے بہت سی جگہوں میں تمہاری مدد فرمائی یہ جگہیں کون کون ہیں صرف قرآن سے کوئی بتا سکتا ہے۔۔۔۔اور فرمایا وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيۡنَ خُلِّفُوۡا ؕ [التوبہ/آیت ۱۱۸]ان تینوں پر اللہ کی مہربانی ہوئی جن کے معاملہ کو ملتوی کر دیا گیا تھا۔ یہ تینوں کون تھے ان کا معاملہ کیا تھا، کیوں ان کا معاملہ ملتوی کیا گیا؟ کیا بغیر احادیث کے ان سوالوں کا جوابات دینا ممکن ہے؟ اور ارشاد ہے۔

لَمَسۡجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقۡوٰى مِنۡ اَوَّلِ يَوۡمٍ اَحَقُّ اَنۡ تَقُوۡمَ فِيۡهِ ؕ فِيۡهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوۡنَ اَنۡ يَّتَطَهَّرُوۡا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الۡمُطَّهِّرِيۡنَ [التوبہ،آیت/ ۱۰۸]۔

یعنی جس مسجد کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہ پہلے ہی دن سے اس لائق ہے کہ آپ اس میں نماز پڑھیں اس میں ایسے لوگ ہیں جو اچھی طرح پا کی پسند کرتے ہیں۔

یہ مسجد کون ہے، یہ لوگ کون ہیں؟ احادیث سے قطع نظر کر کے کوئی بتائے تو! یہ چند مثالیں ہیں ورنہ قرآن میں اس کی صدہا مثالیں موجود ہیں کہ اگر احادیث میں اس کی توضیح نہ ہوتی تو ان کا ابہام کسی طرح دور ہی نہیں ہو سکتا تھا۔

میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ایمان کے بعد قول رسول کو حق نہ تسلیم کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں، اسی وجہ سے عہد صحابہ سے لے کر آج تک تمام امت بلانکیر منکر، قرآن کی طرح احادیث کو واجب الاعتقاد وواجب العمل مانتی چلی آئی ہے، البتہ اس زمانہ میں بعض کلمہ گوئی کا دعویٰ کرنے والے ایسے پیدا

ہو گئے ہیں جو احادیث کو نا قابل قبول مانتے ہیں مگر دیگر بد مذہبوں کی طرح دامن بچا کر، یوں کہ قول رسول ضرور حجت ہے مگر آج جو احادیث کا ذخیرہ ہے وہ رسول کے اقوال وافعال کا مجموعہ نہیں یہ عجمی نومسلموں نے سازش کر کے اپنی من مانی باتوں کو رسول کی طرف منسوب کر دیا ہے یہ قطعا لائق اعتبار نہیں، اپنے اس دعویٰ پر یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ آج احادیث کے جو دفتر ملتے ہیں ان میں کوئی بھی نہ عہد نبوی میں مرتب ہوا، نہ عہد صحابہ میں حتیٰ کہ عہد تابعین میں بھی مرتب نہ ہوا یہ سب دفاتر دوسری تیسری صدی اوراس کے بعد مدون کئے گئے ہیں، اتنی لمبی مدت تک لاکھوں لاکھ احادیث یاد رکھنا انسان کے بس کی بات نہیں، اور عجیب بات ہے کہ اکثر محدثین عجمی النسل ہیں، امام بخاری بخارا کے، امام مسلم نیشاپور کے، امام ترمذی ترمذ کے، ابوداؤد سجستان کے، ابن ماجہ قزوین کے باشندے تھے، اور یہ وہ مسلم الثبوت محدثین ہیں کہ فن احادیث میں ان کی ہر بات حرف آخر سمجھی جاتی ہے، منکرین حدیث کے اس دعوے کی بنیاد اس پر ہے کہ دوسری صدی سے پہلے احادیث لکھی نہیں گئیں، صرف زبانی یادداشت پر اعتماد رہا اب اگر یہ ثابت ہو جائے کہ احادیث کی کتابت کا کام عہد رسالت ہی سے شروع ہو چکا ہے اور ہر دور میں تسلسل کے ساتھ باقی رہا تو ان کے دعوے کا کوئی وزن نہیں رہ جائے گا اس لئے ہم پہلے ناظرین کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ کتابت حدیث کا کام عہد رسالت ہی سے شروع ہو چکا تھا اور ہر عہد میں تسلسل کے ساتھ باقی رہا۔

عہد رسالت میں کتابت حدیث:۔ (۱) حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے سیکڑوں احادیث لکھیں ان کے مجموعے کا نام 'صادقہ' تھا (بخاری ،اصابہ،طبقات ابن سعد) (۲) احادیث کا ایک مجموعہ حضرت انس نے لکھا تھا۔ (بخاری، تدریب الراوی) قتادہ روایت کرتے ہیں ،"کان یملی الحدیث حتی اذا کثر علیه الناس جاء بمحال من کتب القاھا ثم قال ھذہٖ احادیث سمعتھا و کتبتھا عن رسول اللہ و عرضتھا علیه" [تفسیر العلم،ص ۹۵/۹۶]

یعنی حضرت انس حدیث لکھوایا کرتے تھے جب لوگوں کی تعداد زیادہ ہو گئی تو وہ کتابوں کا صحیفہ لے کر آئے اور لوگوں کے سامنے رکھ کر فرمایا یہ وہ احادیث ہیں جنھیں میں نے رسول اللہ سے سن کر لکھی ہیں اور آپ کو پڑھ کر سنا بھی دی ہیں۔ (۳) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی احادیث لکھوائی تھیں یہ ذخیرہ ان کے صاحبزادے کے پاس تھا۔ [جامع بیان العلم] (۴) حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے

ایک کتاب میں احادیث کو جمع فرمایا تھا جس کا نام ہی کتاب سعد بن عبادہ تھا یہ کئی پشتوں تک ان کے خاندان میں رہا۔[مسند امام احمد](۵) سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ نے بھی ایک مجموعہ مرتب فرمایا تھا۔(۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی دفتر کے دفتر احادیث لکھی یا لکھوائی تھی [فتح الباری] ہمام ابن منبہ کا صحیفہ جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے انھیں دفتروں سے نقل ہوا تھا اب چھپ بھی گیا ہے جس کی اکثر احادیث، بخاری ومسلم اور مسند امام احمد میں بعینہ بلفظہ موجود ہیں۔(۷) سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے بھی ایک مجموعہ تیار کیا تھا [تہذیب] اور ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے ”بینما نحن حول رسول اللہ نکتتب“ [دارمی] اس وقت کہ ہم لوگ حضور کے اردگرد بیٹھے لکھ رہے تھے۔

اس سے ظاہر ہوا کہ عام طور پر کچھ صحابہ حضور اقدس ﷺ کے ارشاد لکھا کرتے تھے (اس کے علاوہ) ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کے صحائف کا ذکر ملتا ہے، الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع،ص ۱۰۰ پر ہے،”یروی عن عبد اللہ بن عمر کان اذا خرج الی السوق نظر فی کتبہ وقد اکد الراوی ان کتبہ کانت فی الحدیث“عبد اللہ بن عمر کے بارے میں یہ روایت ہے کہ وہ جب بازار جاتے تو اپنی کتابوں پر ایک نظر ڈال لیا کرتے راوی نے بتاکید یہ بات کہی ہے کہ یہ کتابیں حدیث کی تھیں۔

حضرت ابن عباس کے چند صحیفے تھے، طائف کے کچھ لوگ حضرت ابن عباس کی خدمت میں ان کے چند صحیفے لے کر حاضر ہوئے تاکہ وہ ان لوگوں کو ان میں تحریر کردہ احادیث سنادیں اس وقت حضرت ابن عباس کی بینائی کمزور ہو چکی تھی وہ پڑھ نہ سکے فرمایا تم لوگ مجھے پڑھ کر سناؤ تمھارا سنانا اور میرا پڑھنا برابر ہے [طحاوی،ص ۳۸۴/ج ۲،ترمذی،ص ۲۳۸/ج ۲]

ظاہر یہ ہے کہ یہ وہی صحیفے تھے جو انھوں نے عہد نبوی میں لکھا تھا اور اگر مان لیا جائے کہ وصال کے بعد کے لکھے ہوئے ہیں تو یہ اس کی دلیل ہوگا کہ عہد صحابہ میں احادیث لکھی گئیں اور منکرین تو مطلقا عہد صحابہ میں بھی کتابت حدیث کے منکر ہیں،’نحن نکتتب‘ سے اشارہ ملتا ہے کہ اس خدمت کو ایک جماعت انجام دیتی تھی اور اس کی تائید دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے۔

”کان عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناس من اصحابہ وانا معھم وانا اصغر القوم فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من کذب علیّ متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من

النار فلما خرج القوم قلت کیف تحدثون عن رسول اللہ ﷺ و قد سمعتم ما قال و انتم تنھکمون فی الحدیث عن رسول اللہ ﷺ فضحکوا و قالوا یا ابن اخینا ان کل ما سمعنا منہ عندنا فی کتاب" [مجمع الزوائد/ ج ۱]

خدمت اقدس میں کچھ صحابہ حاضر تھے، میں بھی تھا میں سب سے کم عمر تھا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا جو مجھ پر قصداً جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے، پھر جب لوگ باہر آئے تو میں نے ان سے کہا حضور نے جو فرمایا وہ آپ لوگوں نے سنا اس کے باوجود اتنی کثرت سے آپ لوگ کیسے حدیثیں بیان کرتے ہیں وہ لوگ ہنسے اور کہا اے بھتیجے! جو کچھ میں نے حضور سے سنا ہے وہ سب ہمارے پاس لکھا ہوا ہے۔

اس کے علاوہ جستہ جستہ بہت سے احکام و مسائل کے بارے میں یہ ثبوت موجود ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے لکھوائے۔

(۱) ۸ھ میں جب مکہ فتح ہوا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انسانی حقوق اور مکہ کی حرمت کے مسائل بیان فرمائے اس پر ایک یمن کے باشندے نے خواہش ظاہر کی کہ یہ احکام لکھوا کر عنایت فرمائیں آپ نے فرمایا "اکتبوہ لابی شاہ" یہ احکام ابوشاہ کے لئے لکھ دو [بخاری، ابوداؤد]

(۲) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دیت (خونبہا) کے مسائل لکھوا کر بھجوائے [مسلم شریف، ص ۴۹۵] (۳) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قبیلۂ جہینہ کے پاس مردہ جانوروں کے احکام لکھوا کر بھجوائے [مشکوٰۃ، ابوداؤد]

(۴) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے زکوٰۃ کے متعلق مسائل کو ایک جگہ لکھوایا تھا جس کا نام کتاب الصدقہ تھا مگر عمال و حکام تک اسے روانہ نہ فرما سکے اور وصال ہوگیا حضرت ابوبکر صدیق نے اپنے عہد میں اسی کے مطابق زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم جاری کیا اور اسی کے مطابق وصول ہوتی تھی (۵) اسی کتاب الصدقہ کا مضمون وہ ہے جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت انس کو دیا تھا جس وقت انھیں بحرین کا عامل بنا کر بھیجا تھا اس میں اونٹوں، بکریوں اور سونے چاندی کی زکوٰۃ کے نصاب کی تفصیل تھی

[بخاری ص ۱۹۴ / ج ۱]

(۶) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حیات مبارکہ کے اخیر ایام میں کثیر احادیث کا ایک صحیفہ لکھوا کر عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بدست یمن بھجوایا تھا، موطا مالک صفحہ ۲۳۱ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اہل یمن کے

پاس ایک مکتوب عمرو بن حزم کے ہاتھ بھیجا تھا جس میں فرائض، سنن اور دیات لکھے تھے۔

(۷) زکوٰۃ کے احکام پر مشتمل ایک صحیفہ ابوبکر بن حزم والیٔ بحرین کو لکھوایا تھا یہ صحیفہ دیگر امراء کو بھی بھیجا گیا تھا، یہ مکتوب حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ابن حزم سے لے لیا تھا [دار قطنی، مسند امام احمد]

(۸) زکوٰۃ وصول کرنے والے عاملین کے پاس کتاب الصدقہ کے علاوہ اور بھی تحریریں تھیں [دار قطنی]

(۹) عمرو بن حزم کو یمن کا حاکم بناتے وقت فرائض، صدقات، دیات، طلاق، عتاق، نماز، مصحف شریف چھونے سے متعلق احکام پر مشتمل ایک تحریر لکھائی تھی [مسند احمد، مستدرک، کنز العمال]

(۱۰) مختلف فرامین و احکام جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبائل کو بھیجے۔

(۱۱) معاہدات کی تحریریں مثلاً صلح حدیبیہ وغیرہ [طبقات ابن سعد]

(۱۲) وہ والا نامے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلاطین و امراء کے پاس بھیجے۔

(۱۳) عبد اللہ بن حکم صحابی کے پاس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک تحریر تھی جس میں مردہ جانوروں کے احکام مذکور تھے۔ [معجم صغیر، طبرانی]

(۱۴) نماز، روزہ، سود، شراب وغیرہ کے مسائل، وائل بن حجر کو آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لکھوائے تھے۔

(۱۵) اُشیم نامی مقتول کی بیوی کو اپنے مقتول شوہر کی دیت دلانے کا فرمان آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لکھوایا تھا یہ فرمان ضحاک بن سفیان صحابی کے پاس تھا [ابوداؤد، دار قطنی]

(۱۶) ترکاریوں، سبزیوں، پر زکوٰۃ نہیں، یہ حکم نامہ لکھوا کر حضرت معاذ بن جبل کے پاس یمن بھجوایا تھا [دار قطنی]

(۱۷) رافع بن خدیج صحابی کے پاس ایک مکتوب گرامی تھا جس میں یہ مندرج تھا کہ مدینہ بھی مثل مکہ حرم ہے [مسند امام احمد]

(۱۸) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کچھ احکام لکھوا کر دیئے تھے جو ان کے پاس تھا۔ [بخاری ص ۲۱]

(۱۹) حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا، تم نے جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے وہ لکھ کر بھیج دو، چنانچہ انھوں نے کچھ احادیث لکھوا کر بھیجیں [بخاری، ص ۱۰۸۳ / ۲] (مقدمہ نزہۃ القاری / ج ۱)

مولانا شبلی نعمانی نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ نہ یہ کہ صرف دور صحابہ بلکہ زمانۂ جاہلیت سے ہی عربوں میں خط وکتابت کا رواج تھا بلکہ خط وکتابت کے بانی اول حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجداد کرام کے قبیلہ سے تھے چنانچہ وہ لکھتے ہیں،''ان تمام روایتوں میں جو قرین قیاس ہے، وہ روایت ہے جو ابن الندیم نے عمرو بن شعبہ کی کتاب مکہ سے نقل کی ہے، یعنی سب سے پہلے عربی خط ایک شخص نے ایجاد کیا جو بنو مخلد بن نضر بن کنانہ کے خاندان سے تھا اور غالبا یہ وہ زمانہ ہے جب قریش نے عروج حاصل کر لیا تھا اور تجارت کے ذریعے سے بیرونی ممالک میں آمد ورفت رکھتے تھے۔ ابن الندیم نے لکھا ہے کہ میں نے مامون الرشید کے کتب خانہ میں ایک دستاویز دیکھی تھی جو عبد المطلب بن ہاشم (آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد امجد) کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی اس کے الفاظ یہ تھے،''**حق عبد المطلب بن هاشم من اهل مكه علیٰ فلان بن فلان الحميری من اهل وزل صنعاء عليه الف درهم فضة كيلا بالحديدة و متیٰ دعاه بها اجابه شهد الله والملكان**' یہ عبد المطلب بن ہاشم جو مکہ کا باشندہ ہے کا قرضہ فلاں شخص پر ہے جو صنعاء کا رہنے والا ہے، یہ چاندی کے ہزار درہم ہیں، جب طلب کیا جائے گا وہ ادا کریگا، خدا اور دو فرشتے اس کے گواہ ہیں، (سیرۃ النبی ،ص ۳۸/ ج ۱)

اسی میں ہے،''علامہ بلاذری نے تصریح کی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جب بعثت ہوئی تو قریش میں ۱۷ شخص لکھنا پڑھنا جانتے تھے یعنی حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عثمان، حضرت ابو عبیدہ، طلحہ، یزید بن ابی سفیان، ابو حذیفہ بن عتبہ، ابو سفیان، شفا بنت عبد اللہ رضی اللہ عنہم وغیرہ''

''بدر کی لڑائی جو ۲ھ میں ہوئی اس میں قریش کے جو لوگ گرفتار ہوئے ان سے فدیہ لیا گیا لیکن بعض ایسے بھی تھے جو ناداری کی وجہ سے فدیہ نہیں ادا کر سکتے تھے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ ہر شخص دس دس بچوں کو اپنے ذمہ لے کر ان کو لکھنا سکھا دے، چنانچہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جو کاتب وحی ہیں اسی طرح لکھنا سیکھا تھا،،

ان واقعات سے معلوم ہو گیا کہ عرب اور خصوصا مکہ ومدینہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ ہی سے لکھنے پڑھنے کا کافی رواج ہو چکا تھا،، [ایضا ص ۳۹]

اس کے بعد مولانا شبلی نے بہت سی روایتیں جمع کی ہے جن کو میں حضرت شارح بخاری صاحب نزہۃ القاری

کے حوالے سے گذشتہ صفحات میں نقل کر چکا ہوں اعادہ کی حاجت نہیں بلاوجہ تکرار ہوگی، البتہ یہ روایت قابل ذکر ہے کہ ایک دفعہ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ جولوگ اس وقت تک اسلام لا چکے ہیں ان کے نام قلمبند کئے جائیں، چنانچہ پندرہ سوصحابہ رضی اللہ عنہم کے نام دفتر میں درج کئے گئے۔[بخاری، کتاب الجہاد ،باب کتابۃ الامام الناس الجہاد]

غرض اس طرح آں حضرت ﷺ کی وفات تک حسب ذیل تحریری سرمایہ مہیا ہوگیا تھا۔

(۱) جوحدیثیں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، یا حضرت علی وحضرت انس رضی اللہ عنہم نے قلمبند کیں۔

(۲) تحریری احکام ومعاہدات (حدیبیہ وغیرہ) اورفرامین جوآں حضرت ﷺ نے قبائل کے نام (ارسال فرمایا تھا) آنحضرت ﷺ کے بعد اس تحریری ذخیرہ کواس قدر ترقی ہوتی گئی کہ (بنوالعباس سے پہلے)ولید بن یزید کے قتل کے بعد جب احادیث وروایت کا دفتر ولید کے کتب خانہ سے منتقل ہواتوصرف امام زہری کی مرویات اورتالیفات گھوڑوں اورگدھوں پرلادکرلائی گئیں۔[ایضاً ۴۰/۱]

ایک شبہے کا ازالہ:۔ کچھ لوگوں کوحضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث سے شبہ ہوتا ہے کہ حضور نے ارشادفرمایا ’’لا تکتبوا عنی، من کتب عنی غیر القرآن فلیمحہ [مسلم ص ۴۱۴/ج ۲]

یعنی قرآن کے علاوہ میری کوئی حدیث نہ لکھو، اگر لکھا ہوتو اسے مٹادو! اس شبہ کا حضرات محدثین کرام نے مختلف جواب ارقام فرمائے ہیں، **اولا:۔** علماء کواس حدیث کی صحت میں کلام ہے، امام بخاری وغیرہ نے فرمایا یہ درحقیقت حضرت ابوسعید پرموقوف ہے یعنی ارشادرسول نہیں اونھیں کا قول ہے۔**ثانیا:۔** برتقدیر صحت علامہ ابن حجر وغیرہ نے اس کے مختلف جوابات دیئے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔(۱) یہ ممانعت نزول قرآن کے ساتھ خاص ہے یعنی جب قرآن نازل ہورہاہو، یاجب میں قرآن لکھوارہاہوں تواس وقت صرف قرآن ہی لکھو۔

(۲) حدیث وقرآن کوایک ہی چیز پرمت لکھو، ان دونوں صورتوں میں قرآن کا حدیث کے ساتھ اختلاط کا اندیشہ قوی تھا۔

(۳) ممانعت کا حکم مقدم ہے یعنی بالکل ابتدائی دور میں تھا، بعد میں جب قرآن کے ساتھ احادیث کے التباس کا خطرہ نہ رہا احادیث لکھنے کی اجازت دیدی۔

(۴) اس کے بارے میں یہ اندیشہ تھا کہ اگر یہ لکھ لیں گے تو زبانی یاد نہ رکھیں گے، صرف کتاب کے بھروسہ پر رہ جائیں گے، انھیں احادیث لکھنے سے منع فرمایا اور جن کے بارے میں یہ اندیشہ نہ تھا بلکہ اطمینان تھا کہ وہ لکھیں گے تو بھی زبانی یاد رکھیں گے انھیں لکھنے کی اجازت دی۔

عہد صحابہ میں کتابت حدیث:۔ اس عنوان پر پہلے بہت کچھ لکھا گیا وہی کافی ووافی ہے، مگر عہد تابعین و تبع تابعین میں کتابت حدیث کے عنوان سے ربط کے لئے، عہد صحابہ میں کتابت حدیث کا عنوان قائم کرنا ضروری تھا اس لئے ذیل میں مزید عہد صحابہ کے کچھ تحریری دستاویز مذکور ہیں۔

''حضرت فاروق اعظم نے فرمایا کہ علم لکھ کر مقید کرلو، [دارمی، ص ۶۸، مستدرک، ص ۱۰۶/ ج ۱]

انھیں دونوں کتابوں میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہی ارشاد منقول ہے ا اور دارمی میں حضرت ابن عمر کا بھی، چنانچہ ان ارشادات پر عمل ہوا۔

۱:۔ مسلم، ص ۴۶/ ج ۱، میں ہے کہ خود حضرت انس نے محمود بن ربیع سے حضرت عتبان کی ایک طویل حدیث سنی تو اپنے صاحبزادے کو حکم دیا کہ اسے لکھ لو، صاحبزادے نے لکھا۔

طحاوی، ص ۳۸۴/ ج ۲، میں بھی مذکور ہے کہ حضرت انس نے اپنے لڑکے سے حدیث لکھوائی۔

۲:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی احادیث لکھوا کر یا خود لکھ کر محفوظ کر دیا تھا حسن بن عمرو کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور احادیث کی متعدد کتابیں دکھائیں اور کہا دیکھو یہ سب میرے یہاں لکھی ہوئی ہیں۔ [فتح الباری، ص ۱۸۴/ ج ۱]

۳:۔ بشر بن نہیک، حضرت ابو ہریرہ کی کتابیں عاریۃ لے کر نقل کرتے نقل کے بعد ان کو سناتے، سنانے کے بعد پوچھتے میں نے آپ کو جو سنایا ہے وہ سب آپ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہاں۔ [طحاوی، ص ۳۸۵/ ج ۲]

۴:۔ ابان مشہور تابعی، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں ساگوان کی تختیوں پر حدیثیں لکھا کرتے تھے۔ [دارمی، ص ۶۸]

۵:۔ عبداللہ بن محمد بن عقیل کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت جابر کی خدمت میں بیٹھ کر احادیث نبوی پوچھ کر لکھ لیتے تھے۔

۶:۔ حضرت سعید بن جبیر نے فرمایا کہ میں ابن عمر سے جو احادیث سنتا ان کو لکھ لیتا [دارمی]

۷:۔ یہی حضرت سعید بن جبیر اور دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت ابن عباس کی خدمت میں حاضر ہو کر حدیثیں لکھا کرتے تھے، کاغذ بھر جاتا تو کسی اور چیز پر لکھتے۔

[دارمی، ص ۱۶۹، طحاوی، ص ۳۸۴ / ج ۲]

۸:۔ حضرت ابن عمر کی مرویات کو خاص طور سے نافع نے جمع کیں، [طبقات ابن سعد وغیرہ]

۹:۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی احادیث کو عروہ بن زبیر نے لکھ لیا تھا [الکفایہ، ص ۱۲۹]

۱۰:۔ حضرت جابر کی احادیث کو قتادہ بن دعامہ سروسی نے لکھ کر جمع کرلیا تھا [طبقات ابن سعد ص ۲۷ / ج ۷]

۱۱:۔ حضرت ابن عباس کی مرویات کو ان کے تلمیذ کریب نے لکھ کر محفوظ کرلیا تھا۔ [طبقات، ص ۲۱۶ / ج ۵]

عهد تابعین میں کتابت حدیث:۔ عہد تابعین میں احادیث نبویہ ﷺ کے جمع وتدوین کے لئے باضابطہ کام شروع ہوا، حضرت شارح بخاری رقمطراز ہیں، ''یہاں تک کہ اس اہم بنیادی کام پر سب سے پہلے خلیفۂ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز کو توجہ ہوئی اور انھوں نے باقاعدہ تدوین احادیث کے لئے وقت کے ممتاز افراد کو مقرر فرمایا، مثلاً ابوبکر بن عمرو بن حزم قاضیٔ مدینہ، قاسم بن محمد بن ابی بکر، ابوبکر محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب زہری، سعد بن ابراہیم وغیرہ، نیز اسی دور میں ربیع بن صبیح اور سعد بن عروبہ اور شعبی نے بھی احادیث کی تدوین شروع کردی تھی، دارمی میں ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے قاضی مدینہ ابوبکر ابن حزم کو لکھا کہ احادیث رسول واحادیث عمر، اور مؤطا میں اتنا زائد ہے اور انکے مثل دیگر صحابہ کے آثار جمع کر کے لکھو کیوں کہ مجھے علم کے ضائع ہونے اور علماء کے چلے جانے کا اندیشہ ہے، بخاری کتاب العلم میں یہ زائد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی احادیث کے علاوہ اور کچھ نہ قبول کیا جائے، اور علم کو خوب پھیلاؤ، اور بیٹھو تا کہ جو نہیں جانتا ہے وہ سیکھے اس لئے کہ علم اس وقت تک ضائع نہ ہوگا جب تک اسے راز نہ بنالیا جائے۔ [بخاری، ص ۲۰ / ج ۱]

اس خادم کا خیال ہے کہ اتنا حصہ ''رسول اللہ کی احادیث کے علاوہ اور کچھ نہ قبول کیا جائے'' حضرت امام بخاری یا کسی راوی کا اضافہ ہے، امام بخاری نے تعلیقاً ذکر کیا ہے اور دارمی اور موطا میں مسنداً ہے اس لئے خود امام بخاری کے طور پر دارمی اور موطا کی روایت مقدم ہوگی خود امامؒ بخاری نے سند کے ساتھ جو ذکر کیا ہے وہ صرف ذہاب العلماء تک ہے، جب یہ فرمان ابوبکر ابن حزم کے پاس پہنچا تو انھوں نے احادیث کے کئی مجموعے تیار کرائے ان کا ارادہ تھا کہ وہ انھیں بارگاہ خلافت میں بھیجیں لیکن ابھی بھیجے نہیں پائے تھے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا ۱۰۱ھ میں وصال ہوگیا یہ اپنے وقت کے بہت بڑے محدث اور امام زہری کے استاد تھے، احادیث میں ام المومنین حضرت عائشہ کی مرویات کو بہت بڑی اہمیت ہے، اس لئے کہ ان سے فقہ وعقائد کے بنیادی مسائل ماثور ہیں اس لئے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ان کی احادیث جمع کرنے کا زیادہ اہتمام کیا، عمرہ بنت عبدالرحمٰن کو حضرت عائشہ نے خاص اپنی آغوش کرم میں پالا تھا، یہ بہت ذہین عالمہ فاضلہ تھیں، تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ احادیث عائشہ کی سب سے بڑی حافظہ تھیں، حضرت عمر بن عبد العزیز نے قاضی ابوبکر بن عمر ابن حزم کو خاص ہدایت کی کہ عمرہ کے مسائل اور روایات کو قلم بند کر کے بھیجا جائے۔

ابوبکر محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب زہری المتوفیٰ ۱۲۴ھ جو امام زہری کے نام سے متعارف ہیں اور ان کو ابن شہاب بھی کہا جاتا تھا، ان کی عادت یہ تھی کہ محدثین کی حدیثیں سننے جاتے تو اپنے ساتھ تختیاں اور کاغذ لئے رہتے، جتنا سنتے لکھتے جاتے' [تذکرۃ الحفاظ، ص۱۰۶ / ج۱] صالح بن کیسان کہتے ہیں کہ میرا اور زہری کا زمانۂ طالبعلمی میں ساتھ تھا، زہری نے مجھ سے کہا آؤ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیثیں لکھیں، چنانچہ ہم دونوں نے حدیثیں لکھیں [کنز العمال، ص ۲۳۸ / ج ۵] حضرت عمر بن عبد العزیز نے مختلف دیار اور امصار سے احادیث کے لکھے ہوئے دفتر کے دفتر جمع کئے اور انھیں امام زہری کے حوالہ کیا کہ انھیں سلیقے سے مرتب کریں، [تدریب الراوی] معمر کا کہنا ہے کہ امام زہری کی لکھی ہوئی احادیث کے ذخیرے کئی اونٹوں پر لادے گئے، امام زہری اس وقت کے اعلم علماء تھے، حدیث وفقہ میں ان کا کوئی مثل نہ تھا، تمام اجلۂ محدثین اصحاب ستہ حتیٰ کہ امام بخاری کے بھی شیخ الشیوخ ہیں، انھوں نے

احادیث اس لگن ومحنت سے جمع کیں کہ مدینہ طیبہ کے ایک ایک انصاری کے گھر جا جا کر مرد،عورت، بچے ،بوڑھے جومل جا تا اس سے،حتی کہ پردہ نشیں عورتوں سے بھی پوچھ پوچھ کر حضور اقدس ﷺ کے احوال واقوال سنتے اور لکھتے ،ان کی تصنیفات کا اتنا بڑا ذخیرہ تھا کہ جب ولید بن یزید کے قتل کے بعد روایات و احادیث کے صحائف ولید کے کتب خانے سے منتقل کئے گئے تو صرف امام زہری کی مرویات وتصانیف گھوڑوں گدھوں پر لاد کر لائی گئیں۔

امام زہری نے احادیث کے جمع کرنے کے ساتھ ان کو سند کے ساتھ بیان کرنے کا طریقہ ایجاد کیا ،اسی واسطے ان کوعلم اسناد کا واضع کہا جا تا ہے۔

ابن شہاب زہری نے احادیث کی جمع وترتیب وتہذیب کا جو کام شروع کیا اسے ان کے لائق تلامذہ ہمیشہ ترقی دیتے گئے یہاں تک کہ انھیں کے مشہور تلمیذ جلیل امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے مؤطا لکھی جن میں احادیث کوفقہی ابواب کے مطابق ترتیب وار جمع کیا۔سعد بن ابراہیم بھی بہت بڑے عالم اور محدث تھے، یہ مدینہ منورہ کے قاضی تھے،عمر بن عبدالعزیز نے ان سے بھی احادیث کے دفتر لکھوائے اور تمام بلاد اسلامیہ میں بھجوائے۔ ہشام بن الفار کا بیان ہے کہ عطا بن رباح تابعی (متوفی ۱۱۴ھ) سے لوگ حدیث پوچھ پوچھ کر انھیں کے سامنے لکھتے جاتے تھے [دارمی ص۶۹] سلمان بن موسی کہتے ہیں میں نے نافع (متوفی ۱۱۷ھ) کو دیکھا کہ وہ حدیثیں بیان کرتے اور ان کے تلامذہ ان کے سامنے لکھتے جاتے ۔ [دارمی]

ایک شخص حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (متوفی ۱۱۰ھ) کی خدمت میں حاضر ہوااور عرض کیا میرے پاس آپ کی بیان فرمودہ کچھ حدیثیں لکھی ہوئی ہیں۔کیا میں ان کی آپ سے روایت کرسکتا ہوں،انھوں نے اجازت دے دی۔[ترمذی،ص۲۳۹/ج۲]

حمید الطویل نے بھی حضرت حسن بصری کی کتابیں نقل کی تھیں [تہذیب التہذیب ۳۹/ج ۳] ابو قلابہ (متوفی ۱۰۴ھ) نے وفات کے وقت اپنی کتابیں ایوب سختیانی کو دینے کی وصیت کی تھی اس وصیت کے مطابق یہ کتابیں شام سے اونٹ پر لاد کر لائی گئیں،ایوب نے بتایا کہ اس کا کرایہ بارہ چودہ درہم دیئے تھے [تذکرۃ الحفاظ،ص۸۸/ج۱]

ابراہیم نخعی کہتے ہیں سالم بن ابی الجوزاء (متوفی ۱۰۱ھ) حدیثیں لکھا کرتے تھے، سالم نے بعض صحابہ کرام سے بھی حدیثیں سنی ہیں [ترمذی ص ۲۳۸ / ج ۲، دارمی ص ۶۶]

تبع تابعین کے دور میں کتابت حدیث: حضرات تابعین کے زمانہ میں لکھے گئے صحائف حدیث کے چند نمونے پیش کئے گئے اب اس کے بعد دور تبع تابعین کی سیر کیجئے اس عہد میں اتنی کثرت سے احادیث کے صحائف لکھے گئے کہ ان سب کا استقصاء بہت دشوار ہے۔

چند کے نام سنئے۔ محمد بن بشر کا بیان ہے کہ مسعر (متوفی ۱۵۵ھ) کے پاس ایک ہزار احادیث لکھی ہوئی تھیں، دس کے سوا سب میں نے لکھ لیا، [تذکرۃ الحفاظ ص ۱۷۷ / ج ۱] عبدالرزاق کہتے ہیں کہ میں نے معمر (متوفی ۱۵۲ھ) سے سن کر دس ہزار حدیثیں لکھی ہیں۔ [تذکرۃ الحفاظ ص ۱۷۵ / ج ۱]

حماد بن سلمہ کے پاس، قیس بن سعد کی کتاب تھی [تذکرہ ص ۱۹۸ / ج ۱]

سفیان ثوری یمن گئے تو ایک تیز لکھنے والے کاتب کی تلاش ہوئی لوگوں نے ہشام بن یونس کو پیش کیا یہ امام ثوری کی حدیثیں لکھا کرتے تھے۔ [تذکرہ، ص ۳۱۶ / ج ۱]

ابونعیم کہتے ہیں میں نے آٹھ سو مشائخ سے حدیثیں لکھی ہیں۔

شعیب بن حمزہ (متوفی ۱۶۳ھ) نے بہت زیادہ احادیث لکھیں امام زہری بولتے جاتے اور شعیب لکھتے جاتے امام احمد نے شعیب کی کتابیں دیکھ کر فرمایا کہ شعیب کی کتابیں بہت صحیح اور درست ہیں۔ [تذکرہ ص ۳۱۰ / ج ۱]

ابوعوانہ (متوفی ۱۶۳ھ) پڑھنا تو جانتے تھے لیکن لکھنا نہیں جانتے تھے مگر جب کسی سے حدیث سنتے تو لکھوا لیتے۔ [تذکرہ ص ۲۰۹ / ج ۱]

ابن لہیعہ نے حدیث کی بہت سی کتابیں لکھی تھیں، صالح بن کیسان کہتے ہیں میں نے عمارہ بن غُزیہ کی حدیثیں، ابن لہیعہ ہی کی اصل کتاب سے نقل کی تھی۔ [تذکرہ ص ۲۲۰ / ۱] سلیمان بن ہلال (متوفی ۱۷۴ھ) کی بھی کئی کتابیں تھیں جن میں انھوں نے اپنی سنی ہوئی احادیث کو جمع کیا تھا، مرتے وقت وصیت کر گئے کہ عبدالعزیز بن حازم کو دی جائیں [ایضاص ۱۴۹] حضرت عبداللہ ابن مبارک (متوفی ۱۸۱ھ) تلمیذ امام اعظم ابوحنیفہ نے اپنی لکھی ہوئی بیس ہزار احادیث لوگوں کو سنائیں۔ [ایضاص ۲۵۴]

امام غندر (متوفی ۱۶۳ھ) کے پاس بھی اپنی مسموع احادیث کی کئی کتابیں تھیں، یحییٰ بن معین نے کہاان کی کتابیں سب سے زیادہ صحیح ہیں، ابن مہدی نے کہا ہم حضرت شعبہ کی زندگی ہی میں غندر کی کتابوں سے فائدہ اٹھاتے تھے۔[ایضاص ۱۷۷]

ان شواہد سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ محدثین کی عام عادت تھی کہ جو سنتے تھے اسے لکھ لیتے تھے اسی دور میں باقاعدہ کتب احادیث کا سلسلہ بھی قائم ہوگیا چنانچہ مکہ معظّمہ میں ابن جریج (متوفی ۱۵۰ھ) نے، بصرہ میں سعید بن ابی عروبہ (متوفی ۱۵۲ھ) نے، اور ربیع بن صبیح (متوفی ۱۶۱ھ) نے یمن میں معمر بن راشد (متوفی ۱۵۳ھ) نے کتابیں لکھیں اسی عہد میں موسیٰ بن عقبہ (متوفی ۱۴۱ھ) اور محمد بن اسحٰق (متوفی ۱۵۱ھ) نے غزوات وسیر پر کتابیں لکھیں۔

ان کے بعد امام اوزاعی (متوفی ۱۵۴ھ) نے شام میں امام ابن مبارک (متوفی ۱۸۱ھ) نے خراسان میں، حماد بن سلمہ (متوفی ۱۶۷ھ) نے بصرہ میں، سفیان ثوری (متوفی ۱۶۱ھ) نے کوفہ میں جریر بن عبد الحمید (متوفی ۱۸۸ھ) نے رے میں، ہیثم (متوفی ۱۸۳ھ) نے واسط میں کتابیں لکھیں۔قریب قریب اسی دور میں امام مالک نے اپنی مشہور کتاب مؤطا لکھی۔زرقانی نے لکھا ہے کہ امام مالک نے اپنے ہاتھ سے ایک لاکھ حدیثیں لکھیں وصال کے بعد آپ کے گھر سے بہت سے صندوق برآمد ہوئے جن میں سے سات صرف ابن شہاب کی احادیث کے تھے۔ابومعشر سندی (متوفی ۱۷۰ھ) نے مغازی پر ایک کتاب لکھی امام شافعی کے استاد، ابراہیم بن محمد اسلمی (متوفی ۱۸۴ھ) نے مؤطا امام مالک کے طرز پر ایک مؤطا لکھی تھی ، ابن عدی نے کہا کہ یہ مؤطا امام مالک سے دوگنی تھی[تذکرہ]

امام اعظم کے تلمیذ یحییٰ بن زائدہ کوفی (متوفی ۱۸۲ھ) نے بھی احادیث کا مجموعہ تیار کیا تھا [تذکرہ، ص ۲۴۶/ج۱]

عبدالرحیم بن سلمانی کنانی نے بھی کئی ایک کتابیں لکھیں[تہذیب ص ۳۰۶/ج ۶]

معانی بن عمران موصلی (متوفی ۱۸۵ھ) نے کتاب السنن، کتاب الزہد، کتاب الادب، کتاب الفتن وغیرہ لکھیں۔[تذکرہ، ص ۲۶۵/ج۱]

امام ابو یوسف (متوفی ۱۸۲ھ) نے کتاب الآثار، کتاب الخراج وغیرہ تصنیف کیں اور امام محمد نے مؤطا

،کتاب الآثار، کتاب الحج وغیرہ تصنیف کیں۔ ولید بن مسلمہ (متوفی ۱۹۵ھ) نے مختلف ابواب پر ستر سے زائد کتابیں لکھیں [تذکرہ ۲۸۴/۱]

ابن وہب (متوفی ۱۹۷ھ) نے اہوال قیامت اور جامع وغیرہ لکھیں، ایک ضخیم موطا بھی انھوں نے تصنیف کی۔

* حفظ حدیث کا شوق اور اہتمام*

اس سلسلے میں سب سے پہلے یہ بات دیکھنی ہے کہ رواۃ حدیث، ارشادات رسول اچھی طرح سننے اور کما حقہ یاد کرنے کی کتنی کوشش کیا کرتے تھے۔

عھد نبوی میں حفظ حدیث: ۔خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا احساس رہتا کہ سامعین میری بات اچھی طرح سنیں اور سمجھیں اس لئے ٹھہر ٹھہر کر کلام فرماتے اور اہم باتوں کو تین بار دہراتے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا، "انه كان اذا تكلم بكلمة اعادها ثلثا حتىٰ تفهم عنه" [بخاری، ص۲۰ / ج۱] یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ فرماتے تو تین بار تکرار فرماتے تا کہ اسے بخوبی سمجھ لیا جائے۔

دوسری طرف صحابۂ کرام کا حال یہ تھا کہ جب مجلس اقدس میں حاضر ہوتے تو ہمہ تن گوش ہو کر اس طرح بیٹھتے کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے ارشادات سنانے اور سننے والوں کے ذہن اور حافظے میں بٹھانے پر اتنی توجہ تھی، اور صحابۂ کرام بھی پوری توجہ سے سنتے اور سمجھتے اور یاد رکھتے تو پھر یہ خطرہ کہ صحابۂ کرام نے ارشادات رسول کو کما حقہ نہیں سنا، یا بخوبی نہیں سمجھا یا ان کے حافظے میں نہیں آیا ساقط ہو گیا۔

صحابۂ کرام نے احادیث کو اس طرح یاد رکھا تھا کہ جس ترتیب سے مختلف اشیاء کا ذکر حضور نے فرمایا ہوتا اسی ترتیب سے اپنے تلامذہ کو بھی یاد کرانے اور یاد رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ کسی لفظ کا رہجانا تو بڑی بات ہے اگر کسی سے تقدیم وتاخیر ہو جاتی اور ترتیب بگڑ جاتی تو اس پر تنبیہ فرماتے تھے، مسلم میں ہے کہ ابن عمر کے سامنے کسی نے ان کی روایت کردہ حدیث "بنی الاسلام علیٰ خمس "کو یوں پڑھ دیا "الحج و

صیام رمضان "یعنی حج کوصوم پر مقدم کر کے پڑھا،حضرت ابن عمر نے ٹوک دیا، لا صیام رمضان والحج 'یوں نہیں صیام رمضان پہلے اور حج بعد میں۔اس سے ثابت ہوا کہ ارشادات رسول کس اہتمام سے یاد رکھتے تھے کہ الفاظ کی تقدیم وتاخیر بھی حافظے میں محفوظ رہتی اور دوسروں کو اسی ترتیب سے یاد رکھنے کی ترغیب دیتے۔حالانکہ اس واقعے میں الفاظ کی تقدیم وتاخیر سے معنی پر کوئی اثر نہیں پڑتا مگر ارشادات رسول کی ترتیب بدل جاتی یہ بھی حضرت ابن عمر کو گوارا نہ ہوا،تو پھر اس کی کہاں گنجائش کہ وہ رسول پر جھوٹ باندھیں،اگر بالفرض کہیں شبہ ہوجاتا کہ زبان وحیٔ ترجمان سے کونسا لفظ نکلا تھا تو اس کو ظاہر کردیتے کہ یہ فرمایا تھا، یا یہ۔جس کی نظیر احادیث میں ہزاروں ہیں۔

اہل عرب کا حافظہ:۔ اس سلسلے میں صحابۂ کرام کی بات تو جانے دیجئے عام اہل عرب کو قدرت نے حافظے کی قوت اتنی دی تھی کہ حیرت ہوتی ہے،اس عہد اور اس سے پہلے عہد میں لغات عرب کی کوئی ڈکشنری لکھی ہوئی نہیں تھی،زبان کا سارا سرمایہ بدوؤں کے حافظے میں محفوظ تھا،زبان عرب کتنی وسیع ہے اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ عربی زبان میں،شہد کے اسی،سانپ کے دوسو،شیر کے پانچ سو،اور تلوار کے ہزار نام موجود تھے وغیرہ وغیرہ۔اسی طرح اس کے برعکس متعدد معانی رکھنے والے مشترک الفاظ کے ذخائر بھی ان کے یہاں کم نہیں،سنئے عَیْنٌ کے اڑتالیس معانی لکھنے کے بعد بھی اہل لغت نے وغیرہ وغیرہ تحریر کیا ہے اسی طرح 'عجوز' کے ستر، اکہتر معانی معلوم ہیں علیٰ ھذا القیاس۔

اب غور کیجئے جس قوم کے حافظے کا یہ حال ہو وہ اگر اپنے سب سے بڑے محسن،پیشوا،مقتدا رسول رب العلمین کی ہزار ہا ہزار حدیثیں لفظ بلفظ یاد رکھیں تو اس میں کیا استبعاد ہے۔پھر یہ لاکھوں لاکھ حدیثیں یاد کرنے والے صرف ایک شخص نہیں،انھیں متفرق طور پر یاد رکھنے والے بھی ہزاروں ہزار ہیں،کسی نے سو روایت کی،کسی نے ہزار دوہزار روایت کی کسی نے پانچ ہزار روایت کی،مثلاً سب سے زیادہ کثیر الروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں ان کی مرویات کی تعداد صرف پانچ ہزار تین سو چوہتر ہیں [عمدۃ القاری ،ص ۱۲۴/ج ۱]

ان کے بعد حضرت انس رضی اللہ عنہ کا درجہ ہے،ان سے دوہزار دوسو چھیاسی حدیثیں مروی ہیں [ایضا،ص ۱۴۰/ج ۱]

ان کے بعدام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں،ان سے دو ہزار دو سو دس حدیثیں مروی ہیں۔[ایضا،ص ۳۸/ج۱]

ایسے قوی الحافظہ افراد کا ہزار دو ہزار احادیث کا یاد رکھ لینا کون سی بڑی بات ہے،کیا ایسے شعراء نہیں گذرے ہیں کہ جنھیں زبانی ہزار ہا ہزار اشعار یاد ہوتے تھے،پھر یہ بھی نہیں کہ ایک دفعہ سن لیا پھر اسے یاد رکھنے کی کوشش نہیں کی یا اس پر کوئی توجہ نہیں کی بلکہ صحابۂ کرام کی عادت کریمہ تھی کہ ارشادات رسول سننے کے بعد اس کی کوشش میں لگے رہتے تھے کہ سننے کے بعد بھولنے نہ پائیں،سننے کے بعد اسے اچھی طرح حفظ کرتے ،پھر بار بار اس کا دور کرتے ،حضرت انس کا بیان ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات سنتے تھے جب حضور مجلس سے تشریف لے جاتے تو ہم لوگ آپس میں اس کا دور کرتے ،ایک دفعہ ایک شخص کل حدیثیں بیان کر جاتا سب سنتے ،پھر دوسرا پھر تیسرا،کبھی کبھی ساٹھ ساٹھ آدمی مجلس میں ہوتے اور یہ سب باری باری سناتے جب ہم اٹھتے تو ہمیں حدیثیں اس طرح یاد ہوتیں گویا ہمارے دلوں میں بودی گئی ہیں ۔ [مجمع الزوائد،ص ۱۶۱/ج۱]

حضرت معاویہ اپنا چشم دید حال بیان کرتے ہیں کہ فرض نمازوں کے بعد صحابۂ کرام مسجد نبوی میں بیٹھ کر قرآن وحدیث کا مذاکرہ کرتے۔[مستدرک،ص ۹۴/ج۱]

حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں صحابۂ کرام کہیں بیٹھتے تو ان کی مجلس کا موضوع یا تو احادیث ہوتیں یا قرآن کا پڑھنا اور سننا ہوتا۔اس کے باوجود کسی صاحب کا حافظہ اس بوجھ کو برداشت نہ کرتا تو خدمت اقدس میں حاضر ہو کر شکایت کرتے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے حافظے کو اتنا قوی بنادیتے کہ پھر وہ کوئی بات بھول نہ پاتے جیسا کہ حضرت ابوہریرہ اور حضرت انس کا واقعہ مشہور ومعروف ہے۔

ظاہر ہے کہ جب انسان میں مذہبی جذبہ پیدا ہوجاتا ہے تو وہ بڑے سے بڑے حیرت انگیز محیر العقول کارنامے انجام دے لیتا ہے،صحابۂ کرام کی مذہبی زندگی ،حضور کے ساتھ ان کی وارفتگی اور دین کی نشر و اشاعت کے ساتھ ان کی شیفتگی ،رضاء الٰہی کی طلب ،اور آخرت کی سرخروئی کی تڑپ کتنی تھی اس کا اندازہ آج نہیں کیا جاسکتا ،اگر انھوں نے اس جذبہ سے متأثر ہو کر اپنے موروثی قوی حافظے میں ہزار ہا ہزار ارشادات رسول کو جمع کرلیا تو تعجب انگیز بات نہیں۔

عہد صحابہ میں حفظ حدیث کا منظر:۔ عہد صحابہ میں احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طلب وحصول اور حفظ وضبط کا نورانی منظر سطور بالا میں حضرات صحابۂ کرام کی زبانی ملاحظہ فرمالیا کہ ان حضرات نے بڑے شوق وذوق اور محنت ولگن سے احادیث کو سنا، یاد کیا اور محفوظ رکھا، پھر یہ کہ ان حضرات نے نہ یہ کہ صرف اپنے ہی تک حفظ وضبط احادیث کا سلسلہ قائم رکھا بلکہ''اسی ولولہ وجوش کے ساتھ پھیلایا، اور وہی ولولہ، ذوق وشوق اپنے تلامذہ میں بھی پیدا فرمایا حضرت ابن عباس نے فرمایا''حدیثوں کا آپس میں مذاکرہ کرتے رہنا ، دور کرتے رہنا، بار بار دہراتے رہنا اور (ذہن) میں حاضر رکھنا اگر ایسا نہ کروگے تو جاتی رہیں گی [دارمی] وہ یہ بھی تاکید کیا کرتے تھے کہ ہر روز کچھ حدیثیں بیان کرتے رہو۔

حضرت علی اپنے اصحاب سے فرماتے'احادیث ایک دوسرے سے بیان کرتے رہو اگر ایسا نہ کروگے تو چلی جائیں گی [مستدرک، ص ۹۵ / ج۱] نیز فرماتے آپس میں ملتے رہو احادیث کا دور کرو اسے چھوڑ نہ دو۔ [کنز العمال، ص ۲۴۲ / ج ۵]

حضرت عبد اللہ بن مسعود بھی اس کی تاکید اکید کرتے رہتے کہ حدیثیں ایک دوسرے سے سنتے اور ایک دوسرے کو سناتے رہو اسی طرح وہ باقی رہ سکتی ہیں۔ [مستدرک ۹۵ / ج۱]

ایک دفعہ انھوں نے اپنے تلامذہ سے پوچھا کہ تم لوگ آپس میں اکٹھے بیٹھ کر احادیث سنتے سناتے ہو بھی یا نہیں، تلامذہ نے جواب دیا جی ہاں ہم لوگ ایسا کرتے ہیں اگر ہمارا کوئی ساتھی حاضر نہ ہو تو اگر کوفے کے آخری سرے پہ ہوتا تو وہیں جا کر اس سے ملتے۔ [دارمی، ص ۷۹]

مشہور تابعی حضرت عطا کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت جابر کی خدمت میں حدیثیں سننے کے بعد اٹھتے پھر ان کو بار بار سنتے اور سناتے، انھوں نے کہا کہ ہمارے ساتھیوں میں ابو زبیر کا حافظہ سب سے اچھا تھا اس لئے ان کو ہم سب سے زیادہ حدیثیں یاد تھیں، [مستدرک ۹۴ / ج۱]

حضرت ابو سعید خزامی بھی آپس میں دور احادیث کیا کرتے تھے بلکہ ان کی تاکید یہ بھی تھی کہ احادیث بلفظہ یاد کی جائیں [دارمی، مستدرک ص ۹۴ / ج۱]

عہد تابعین کا حال:۔ حضرات تابعین کرام نے احادیث یاد کرنے، یاد رکھنے اور اسے زیادہ سے زیادہ پھیلانے کا جو جذبہ صحابۂ کرام سے حاصل کیا تھا اسے انھوں نے اپنے تلامذہ میں پیدا کرنے کی ہمیشہ

کوشش کرتے رہے، تابعین ہمیشہ اپنے تلامذہ تبع تابعین کو (حدیث کے) دور کی تاکید کرتے رہتے اوران کے تلامذہ اس پر جی جان سے عمل کرتے، امام زہری، علقمہ، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، سے منقول ہے کہ وہ ہمیشہ دورحدیث کی تاکید کرتے رہتے [دارمی] اس کا اثر یہ تھا کہ مشہور محدثین کے یہاں دورحدیث کی مجلس رات بھر رہتی، عشاء بعد شروع ہوتی اور نماز صبح پر ختم ہوتی [دارمی، ص ۱۸، تہذیب، ص ۲۷۰ / ج ۱]

یونس کہتے ہیں کہ ہم حضرت حسن بصری کے پاس سے حدیثیں سننے کے بعد آپس میں ان کا دور کرتے یہاں تک کہ اسماعیل بن رجاء کا یہ دستور تھا کہ دور کے لئے اگر کوئی نہیں ملتا تو مکتب کے بچوں کو جمع کر کے ان کے آگے حدیثیں پڑھتے تاکہ احادیث کی ضبط کی کوشش میں ناغہ نہ ہو۔

[دارمی ص ۸۷، تہذیب، ص ۲۹۶ / ج ۱]

ان شواہد سے یہ بات واضح ہوگئی کہ راویان حدیث، احادیث کے محفوظ رکھنے، ان کی زیادہ سے زیادہ نشرواشاعت کے لئے کتنا اہتمام کرتے تھے، دنیا میں کسی فن کے حفظ وضبط، نشرواشاعت کی ایسی عظیم الشان تاریخ نہیں ملتی جو احادیث کے حفظ وضبط کے ساتھ وابستہ ہے۔

روایت میں احتیاط:۔ ان سب کے باوجود ایک اور اہم بات بھی یہاں ذہن نشیں کر لینی ضروری ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاں ایک طرف اپنی احادیث سننے یاد رکھنے اور انھیں کما حقہ دوسرے تک پہنچانے کی زیادہ سے زیادہ ترغیب دی تھی، مثلاً فرمایا تھا، ”اللهم ارحم خلفائی قلنا یا رسول الله من خلفاءک، قال الذین یاتوا من بعدی یروون احادیثی، ویعلمونها الناس، نضر الله امرءًا سمع منا حدیثا فحفظه حتیٰ یبلغه غیره“

[ترغیب وترہیب، ص ۸۷ / ج ۱، ابوداؤد کتاب العلم ص ۱۲۶ / ج ۲]

یعنی اے اللہ میرے جانشینوں پر رحمت نازل فرما لوگوں نے پوچھا، یا رسول اللہ آپ کے جانشین کون لوگ ہیں فرمایا وہ لوگ جو میرے بعد آئیں گے میری حدیثوں کو روایت کرینگے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیں گے، اس شخص کو اللہ تروتازہ رکھے جس نے میری حدیث سنی پھر اسے یاد کیا تاکہ دوسرے تک اسے پہنچائے، اور ارشاد ہے ”بلغوا عنی ولو آیة ومن کذب علیَّ متعمدا فلیتبوأ مقعده من النار“ [بخاری، ص ۴۹۱ / ج ۱]

یعنی میری ہر بات دوسروں تک پہنچاؤ اگرچہ وہ چھوٹی سی ہی کیوں نہ ہو اور جو مجھ پر بالقصد جھوٹ باندھے گا اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے گا۔

اور طبرانی میں بایں الفاظ مروی ہے "حدثوا عنی بما تسمعون و لا تقولوا الا حقا و من کذب علیَّ بنی له بیتا فی جهنم یوقع فیه" مجھ سے جو کچھ سنو اسے بیان کرو مگر ہمیشہ سچ کہنا، جو مجھ پر جھوٹ باندھے گا اس کے لئے جہنم میں ایک گھر بنایا جائے گا جس میں وہ ڈالا جائے گا۔

ان کے ارشاد (ارشادات رسول) کا یہ اثر تھا کہ صحابۂ کرام میں حدیثیں سننے اور جمع کرنے کا ایسا والہانہ جذبہ پیدا ہوگیا تھا کہ وہ جی جان سے احادیث سننے اور انھیں یاد رکھنے اور ان کی اشاعت میں لگے رہتے، یہ جذبہ اتنا شدید تھا کہ اگر انھیں معلوم ہوتا کوئی حدیث فلاں کے پاس ہے تو سب کام چھوڑ کر سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے اور وہ حدیث سنتے۔

اسی بخاری کتاب العلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ مذکور ہے کہ صرف ایک حدیث سننے کے لئے ایک مہینہ کی مسافت طے کر کے گئے یہ حال حضرت جابر کا تھا جو خود احادیث کے خزانہ تھے ان سے ایک ہزار پانچ سو چالیس احادیث مروی ہیں اس کے باوجود ان کا یہ حال تھا وہیں دوسری طرف یہ فرمایا میری طرف کوئی جھوٹی بات منسوب مت کرنا، مجھ پر جھوٹ مت باندھنا، جو مجھ پر جھوٹ باندھے گا جہنمی ہے، اس کا اثر یہ تھا کہ اجلۂ صحابۂ کرام اس اندیشہ کی وجہ سے احادیث بیان کرنے سے بچتے تھے کہ کہیں کوئی غلطی نہ ہو جائے۔

حواری رسول اللہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد اسی بخاری کتاب العلم میں مذکور ہے کہ ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ نے عرض کیا جیسے اور لوگ احادیث بیان کرتے ہیں آپ کیوں نہیں بیان کرتے تو فرمایا بیٹے میں ہمیشہ آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہا سفر میں بھی حضر میں بھی، مگر چونکہ حضور نے فرمایا ہے، "من کذب علیَّ متعمدا فلیتبوأ مقعده من النار" جو مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنائے [بخاری، ص۲۱ / ج۱]

مطلب یہ ہوا کہ مجھے اس کا اندیشہ ہے کہ سہوا کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ حضور نے جو بات نہ کہی ہو وہ حضور کی طرف منسوب کر دوں، اس لئے احتیاط کرتا ہوں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، ”انه ليمنعني ان احد ثكم حديثا كثيرا ان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال من تعمد عليَّ كذباً فليتبوأ مقعده من النار “[ایضا]

بہت زیادہ حدیث بیان کرنے سے مجھے یہ بات روکتی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ جو مجھ پر قصدا جھوٹ باندھے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔حالانکہ یہ مکثرین حدیث میں سے ہیں، ان سے دو ہزار دو سو چھیاسی احادیث مروی ہیں پھر بھی یہ فرمارہے ہیں، ان کا طریقہ یہ تھا جس حدیث کے بارے میں ذرا بھی شبہ ہوتا کہ اچھی طرح یاد نہیں، اسے بیان نہیں کرتے،[دارمی ص ۴۲]

حضرت امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، حضرت ابن عمر کو اس کا بہت اہتمام رہتا کہ حدیث میں ذرا بھی کوئی کمی بیشی نہ ہو،[تذکرہ،ص ۲۷]

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ حال تھا،”كان ممن يتحرىٰ في الاداء و يشدد في الرواية ويزجر تلامذه عن التهاون في ضبط الالفاظ“[تذکرہ، ص ۱۳/ج ۱]

یہ ان لوگوں میں سے تھے جو حدیث بیان کرنے میں بہت احتیاط کرتے تھے اور روایت میں بہت سختی برتتے تھے اور اپنے شاگردوں کو الفاظ یاد کرنے میں سستی کرنے پر ڈانٹتے تھے ”كان ممن يتحرىٰ“ (کے الفاظ) سے ظاہر ہے کہ یہ عادت صرف حضرت ابن مسعود کی نہیں تھی بلکہ دوسرے حضرات کی بھی تھی۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب بوڑھے ہو گئے تو حدیث بیان کرنا بند کر دیا اگر کوئی شخص ان سے حدیث پوچھتا تو فرماتے اب ہم بوڑھے ہو گئے اور حضور اقدس ﷺ کی حدیث بیان کرنا بڑا مشکل کام ہے۔[ابن ماجہ،ص ۴]

حضرت ابن عمر اپنے تلامذہ کو تاکید کرتے رہتے کہ جب تم حدیث بیان کرو تو پہلے تین دفعہ اسے دہرالو۔

[دارمی،ص ۷۸]

حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بتاکید یہ حکم نافذ فرمایا تھا کہ حضور اقدس ﷺ سے وہی حدیثیں بیان کی جائیں جن پر کامل یقین ہو۔

احادیث کے حفظ وضبط کے اس اہتمام اور روایت میں اس اعلیٰ درجہ کے احتیاط کے باوجود ایسا بھی

ہوتا کہ اگر کوئی صحابی ایسی حدیث بیان کرتا جو مشہور ومعروف نہ ہوتی تو اس کی تائید کے لئے دوسرے حضرات کو تلاش کیا جاتا اگر کوئی مل جاتا تو اسے تسلیم کیا جاتا، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد میں یہ مسئلہ درپیش ہوا کہ دادی کو پوتے کی میراث سے حصہ ملے گا یا نہیں؟ ملے گا تو کتنا، حضرت صدیق اکبر نے صحابۂ کرام سے دریافت فرمایا کہ کسی کو اس بارے میں کوئی حدیث یاد ہو تو بیان کرے، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے دادی کو پوتے کی میراث سے چھٹا حصہ دلایا ہے ،حضرت صدیق اکبر نے فرمایا کہ اس بات کو تمھارے سوا اور بھی کوئی جانتا ہے انھوں نے بتایا محمد بن مسلم بھی جانتے ہیں جب محمد بن مسلم نے آکر شہادت دی تو اس کے مطابق حضرت صدیق اکبر نے فیصلہ فرمایا ۔[مشکوۃ المصابیح، باب المیراث، ص ۲۶۴]

ایک بار حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ایک حدیث بیان کی تو حضرت فاروق اعظم نے فرمایا کہ تائید میں کوئی شاہد پیش کرو، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصار کے مجمع میں گئے انصار میں بہت سے حضرات کو یہ حدیث یاد تھی ان میں سے ایک صاحب کو یہ ہمراہ لائے اور حضرت عمر کے سامنے شہادت دلوائی، [تذکرۃ الحفاظ]

ایک دفعہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک حدیث بیان فرمانا شروع کیا تو فرمایا کہ ڈر لگتا ہے کوئی زیادتی یا کمی نہ ہو جائے، مگر اس حدیث کو عمار نے بھی سنا ہے اس لئے بیان کرتا ہوں عمار کو بلوا کر ان سے پوچھ لو، حضرت عمار کو بلوا کر ان سے دریافت کیا گیا انھوں نے اس کی تصدیق کی۔[ابوداؤد طیالسی]

مگر چونکہ احادیث دین کی بنیاد تھیں اس لئے ان کا بیان کرنا بھی ضروری تھا اس لئے جس حدیث پر پختہ یقین ہوتا اسے بیان کرتے۔

حضرت ابوہریرہ نے فرمایا کہ قرآن میں دو آیتیں نہ ہوتیں تو کوئی حدیث بیان نہ کرتا۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْھُدٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰہُ لِلنَّاسِ فِی الْکِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِکَ یَلْعَنُھُمُ اللّٰہُ وَ یَلْعَنُھُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا وَ بَیَّنُوْا فَاُولٰٓئِکَ اَتُوْبُ

عَلَيْهِمْ ۚ وَ اَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۰﴾ [سورۃ البقرۃ۱۵۹، ۱۶۰] جو لوگ ہماری اتاری ہوئی روشن باتوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں اس کے بعد کہ ہم نے اسے لوگوں کے لئے کتاب میں واضح فرمادی ان پر اللہ لعنت فرماتا ہے اور لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں مگر جو توبہ کریں اور سنواریں اور بیان کریں ان کی توبہ قبول فرماؤنگا اور میں ہی بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہوں۔

اب ان سب باتوں کو ذہن میں رکھ کر ہر عاقل فیصلہ کرے کہ جن بزرگوں میں یہ خوف سمایا ہو کہ کوئی غلط بات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا جہنم میں ٹھکانہ بنانے کے مرادف ہے وہ کبھی بھی اس کی جرأت نہیں کر سکتے کہ جو بات حضور اقدس ﷺ نے نہ فرمائی ہو اور یہ لوگ حضور پر جھوٹ باندھ کر یہ کہدیں کہ حضور نے یہ فرمایا، مگر چونکہ دین کی بنیاد احادیث پہ قائم ہے، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا، ”ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما کتاب الله وسنة رسوله“ [مشکوٰۃ ،ص۲۱] میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں اگر ان دونوں کو پکڑے رہوگے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ۔

اس لئے دین کی بقا کے لئے احادیث کی نشر و اشاعت ضروری تھی اسی بنا پر اچھی طرح یاد ہوتے ہوئے ان کو چھپانا حرام بلکہ موجب لعنت ہے اس لئے جن صحابہ کو جو احادیث بخوبی یاد تھیں ان کو انھوں نے بیان فرمایا، بخوبی اچھی طرح یاد کرنے، یاد رکھنے اور دوسروں تک پہنچانے کے ساتھ ساتھ عہد تابعین میں ،راویوں کی جرح وتعدیل، جانچ پرکھ پر محدثین کی بہت کڑی نظر تھی، صحابہ چونکہ باجماع امت سب کے سب عادل ثقہ ہیں اس لئے ان کی ذات جرح سے بالاتر ہے قرآن حکیم میں ان کے لئے فرمایا، وَ اَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَ كَانُوْۤا اَحَقَّ بِهَا وَ اَهْلَهَا ؕ [فتح/آیت۲۶] اور پرہیز گاری کا کلمہ ان پر لازم فرمایا اور وہ اس کے زیادہ سزاوار اور اہل تھے۔ اور فرمایا، رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ [التوبہ/آیت ۱۰۰] اللہ ان سے راضی ہوا اور یہ لوگ اس سے راضی ہوئے۔

البتہ تابعین میں عادل، غیر عادل سبھی ہیں اس دور میں رافضی، خارجی بلکہ معتزلی بدمذہب پیدا ہو

چکے تھے اس لئے ضرورت ہوئی کہ راویوں پر کڑی نظر رکھی جائے چنانچہ محدثین نے اس طرف توجہ کی تو راویان حدیث کے احوال پر مشتمل 'اسماء الرجال' کا عظیم الشان شاہکار فن عالم وجود میں آ گیا، جس کے ذریعہ ہر راوی کے خدوخال آئینے کی طرح سامنے آجاتے ہیں۔ مشہور مستشرق ڈاکٹر اسپرنگر کے بقول اس فن کی بدولت پانچ لاکھ مشہور علماء کا تذکرہ ہمیں مل جاتا ہے، راوی بدعقیدہ ہے تو اس کی روایت نامقبول، راوی فاسق ہے تو اس کی روایت نامقبول، راوی، حدیث کے علاوہ کسی اور معاملہ میں ایک بار بھی جھوٹ بولا ہے تو اس کی روایت نامقبول، اور اگر اس نے کوئی حدیث گڑھ لی ہے تو پھر اس کی روایت اتنی نامقبول کہ وہ 'موضوع، راوی خلاف وقار وخلاف مروت افعال کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کی روایت نامقبول، اگر کسی کی تلقین قبول کر لیتا ہے مثلاً اس نے بیان کیا کہ یہ حدیث یوں ہے کسی نے کہا یوں نہیں یوں ہے اس نے مان لیا تو اس کی روایت نامقبول، راوی تمام خوبیوں کا جامع ہے مگر جو روایت کرتا ہے وہ ثقہ راویوں کے خلاف ہے تو اس کی روایت نامقبول، سب کچھ درست ہے مگر اس نے اپنی کتاب کی کما حقہ حفاظت نہیں کی تو اس کی روایت نامقبول، سب کچھ صحیح ہے مگر سند میں ایک راوی کا نام چھوٹ گیا تو روایت نامقبول۔

دنیا میں اگر انصاف ہے تو انصاف ہی پوچھو کہ ان تمام پابندیوں کے بعد اور ان تمام احتیاط کے باوجود کیا اس کی گنجائش رہ سکتی ہے کہ کوئی غلط بات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب منسوب ہوجائے اور وہ گرفت میں نہ آئے، یہی وجہ ہے کہ ناخدا ترسوں نے اپنے اغراض فاسدہ کے پیش نظر حدیثیں گڑھی ہیں مگر محدثین نے پکڑ لیا اور بتادیا کہ یہ موضوع ہے، محدثین کو اس میں اتنا ملکۂ راسخہ حاصل تھا کہ جیسے ایک ماہر صراف کھوٹے کھرے سونے چاندی پرکھ لیتا ہے اسی طرح یہ حضرات صحیح حدیث کو مخدوش سے الگ کر لیتے تھے، ایک شخص نے بڑے فخر سے کہا کہ میں نے سینکڑوں حدیثیں گڑھ کر پھیلا دی ہیں تو جواب دینے والے نے کہا کوئی حرج نہیں، یحیٰی بن معین اور احمد بن حنبل موجود ہیں وہ چھان پھٹک کر تمھاری گڑھی ہوئی حدیث ،صحیح حدیث سے الگ کرلیں گے۔ اس لئے جہاں تک عقل وانصاف اور دیانت کا تقاضہ ہے یہ ماننا پڑیگا کہ

آج احادیث کے جو ذخائر موجود ہیں ان میں مندرجہ جن احادیث کے بارے میں فیصلہ ہو چکا ہے کہ یہ قابل اعتبار ہیں تو وہ از روئے عقل ونقل قابل اعتماد اور لائق تسلیم ہیں۔

خلاصۂ کلام :۔ گذشتہ اوراق میں احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعلق سے حفظ وضبط، درس وتدریس اور اس کی حفاظت وتبلیغ کی تفصیل گذری، ان سب کا حاصل یہ ہے کہ۔

•:۔ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابۂ کرام کو احادیث کما حقہ یاد کرنے اور دوسرے تک پہنچانے کا حکم دیا اور ترغیب بھی دی۔

•:۔ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح ارشاد فرماتے کہ حضور کی ہر بات سننے والے کے ذہن میں اچھی طرح بیٹھ جائے، حتیٰ کہ اہم باتوں کو تین تین بار ارشاد فرماتے۔

•:۔ حضرات صحابۂ کرام جو سنتے انھیں بلفظہ یاد رکھنے کی بھر پور کوشش کرتے اور یہی حال بعد کے راویوں کا بھی تھا۔

•:۔ صحابۂ کرام نے عہد رسالت ہی سے احادیث کو قلمبند کرنا شروع کر دیا تھا اور ہر دور میں احادیث لکھ کر محفوظ رکھنے کا کام مسلسل جاری رہا۔

•:۔ حضرات صحابہ، احادیث بیان کرنے میں حد درجہ احتیاط کرتے تھے وہی بیان کرتے جن کے بارے میں اچھی طرح صحیح صحیح یاد ہونے پر اطمینان رہتا، ذرا بھی شبہ ہوتا تو ہرگز بیان نہ کرتے۔

•:۔ راوی میں کوئی ایسا نقص ہوتا جس کی وجہ سے اس کی روایت مخدوش ہوتی تو اس کو برملا ظاہر کر دیتے تھے اس بارے میں وہ کسی کی رورعایت نہیں کرتے۔

•:۔ صرف انھیں راویوں کی روایت قابل تسلیم ہوتیں جن میں ایسا عیب نہ ہو جس سے روایت مجروح ہو۔ ان سب پابندیوں اور احتیاط کے باوجود اگر احادیث کا ذخیرہ غیر معتبر ہے تو پھر دنیا میں کیا معتبر ہے؟ اس پر بھی غور کرنا پڑیگا۔

رہ گیا یہ شبہ کہ یہ تمام بڑے بڑے محدثین عجمی ہی کیوں ہوئے، عربیوں میں ایسے کیوں نہ ہوئے تو میرے خیال میں اس سے زیادہ لچر پوچ بات دنیا میں کسی نے نہیں کہی ہوگی کسی بات کا صدق وکذب، لائق اعتماد ہونا نہ ہونا، عجمی اور عربی ہونے پر موقوف نہیں، ایک عربی جھوٹا کذاب، جعل ساز ہوسکتا ہے اور ایک عجمی پکا سچا، راست باز، دیانت دار اور خداترس ہوسکتا ہے، غالبا ان لوگوں کو حضرت بلال، حضرت سلمان، حضرت صہیب، اور حضرت نجاشی رضی اللہ عنہم پر بھی اعتراض ہوگا کہ یہ لوگ کیوں مسلمان ہوئے اور غالبا ان کی مرویات پر بھی شبہ ہوگا۔

اگر اسلام صرف اہل عرب کے لئے خاص ہوتا تو سوال اپنی جگہ کچھ وزن رکھتا مگر اسلام عربی، عجمی، اسود واحمر، ابیض واسمر سب کے لئے عام ہے تو پھر محدثین کے گروہ میں عجمیوں کو دیکھ کر اچنبھا کیوں ہوتا ہے۔

یہ محدثین عجمی ہیں مگر ان تمام روایات کی بنیاد عربیوں ہی پر ہے پھر آپ کو کیا اعتراض ہے اگر اعتراض ہے تو پھر اعلان کر دیجئے کہ غیر عرب کا اسلام میں کوئی حق نہیں، اس کے بعد پھر آپ اپنا شجرۂ نسب بیان کریں کہ آپ کون ہیں جب عربی نہیں تو آپ کو احادیث پر کلام کرنے کا حق کہاں سے ملا بلکہ آپ مسلمان کیسے ہیں؟ یہ تو بقول آپ بحق عرب محفوظ ہے۔

مصطلحات حدیث:۔ صحیح البخاری شریف کی اول وآخر حدیث کا درس دیتے وقت کچھ مصلطحات حدیث کی طرف طلبہ کی توجہ مبذول کرانے کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے ہم ذیل میں صاحب نزھۃ القاری شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق صاحب امجدی کے مقدمہ سے کچھ ضروری مصطحات حدیث پیش کرتے ہیں حدیث کی لغوی واصطلاحی تعریف اور حدیث وخبر اور سنت واثر کے درمیان فرق کا بیان شروع ورق میں گذر چکا ہے حاجت اعادہ نہیں، اس لئے اقسام حدیث کے ذکر سے آغاز کرتے ہیں۔

اقسام حدیث:۔ اولا حدیث کی تین قسمیں ہیں، مرفوع، موقوف، مقطوع

مرفوع : ۔حضور اقدس ﷺ کے قول فعل حال اور تقریر کو حدیث مرفوع کہتے ہیں ۔ بلفظ دیگر یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جس حدیث کی سند کی انتہا حضور پاک سید عالم ﷺ تک ہوتی ہو مرفوع ہے جیسا کہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے تعریف کی ہے۔

موقوف : ۔صحابی کے قول فعل کو حدیث موقوف کہتے ہیں یا جس کی سند صحابی تک منتہی ہو۔

مقطوع : ۔تابعی کے قول وفعل کو مقطوع کہتے ہیں یا جس کی سند تابعی تک منتہی ہو۔حدیث کا مرفوع ہونا کبھی صراحتاً ہوتا ہے اور کبھی حکماً ہوتا ہے۔

مرفوع صریحی: یہ ہے کہ صحابی کا صراحتا کہنا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا یا ایسا کرتے دیکھا، یا کسی کا یہ کہنا کہ حضور کے سامنے فلاں نے یہ کہا، یا کیا اور حضور نے انکار نہیں فرمایا یا کسی راوی نے یہ کہا کہ فلاں نے اس کو حضور تک پہنچایا، یا مرفوع کیا۔

مرفوع حکمی : ۔یہ ہے کہ کوئی صحابی جو کتب سابقہ سے خبر نہ دے رہا ہو ایسی خبر جس میں عقل کو دخل نہ ہو جسے بغیر حضور سے سنے نہ جانا جاسکتا ہو مثلا گذشتہ واقعات کی خبر دینی یا آئندہ کے حالات بتانا مثلا قیامت کے اہوال، ملاحم فتن وغیرہ یا کسی فعل پر مخصوص ثواب یا عقاب کی خبر یا صحابی کا یہ کہنا کہ لوگ حضور کے زمانے میں ایسا کرتے تھے یا یہ کہنا کہ یہ سنت ہے۔

تقسیم دوم : ۔حدیث کی یہ دوسری تقسیم راویوں کی کثرت وقلت کے اعتبار سے ہے اس اعتبار سے حدیث کی چار قسمیں ہیں، متواتر، مشہور، عزیز، خبر واحد۔

حدیث متواتر : ۔وہ حدیث ہے جس کے راوی ہر دور میں اتنے زیادہ ہوں کہ ان سب کا جھوٹ پر متفق ہونا محال عادی ہو۔

حدیث مشہور: ۔ وہ حدیث ہے جس کے راوی ہر قرن میں دو سے زائد ہوں۔

عزیز: ۔ وہ حدیث ہے جس کے راوی ہر طبقے میں دو ہوں۔

غریب: ۔ وہ حدیث ہے جس کے راوی کسی دور میں یا ہر دور میں صرف ایک ہوں، عزیز اور غریب کو خبر واحد بھی کہتے ہیں۔

پھر راویوں کے احوال کے اعتبار سے حدیث کی چار قسمیں ہیں۔

صحیح لذاتہ: ۔ وہ حدیث ہے جس کے تمام راوی عادل، تام الضبط ہوں، اور اس کی سند متصل ہو شذوذ ونکارت اور جملہ عیوب سے خالی ہو۔

صحیح لغیرہ: ۔ جس کے اندر صحت کے شرائط میں کچھ کمی ہو، اور کثرت طرق سے اس کی تلافی ہوگئی ہو۔

حسن لذاتہ: ۔ جس کے ضبط میں کچھ کمی ہو، بقیہ صحت کے تمام شرائط پائے جاتے ہوں اور اس کی تلافی نہ ہوئی ہو۔

حسن لغیرہ: ۔ وہ حدیث ضعیف ہے جس کی کثرت طرق سے تلافی ہوگئی ہو۔

حدیث ضعیف: ۔ وہ حدیث ہے جس میں صحت کے تمام شرائط یا بعض نہ پائے جاتے ہوں اور اس کی تلافی بھی نہ ہوئی ہو۔ اس کی چار قسمیں ہیں،

اول: ۔ ضعیف بضعف قریب یعنی ضعف اتنا کم ہے کہ اعتبار کے لائق ہے مثلا یہ ضعف اختلاط راوی، سوئے حفظ یا تدلیس کی وجہ سے ہے، یہ متابعات وشواہد کے کام آتی ہے اور جابر سے قوت پا کر حسن لغیرہ بلکہ صحیح لغیرہ ہو جاتی ہے۔

دوم: ۔ ضعیف بضعف قوی و وہن شدید، جیسے وہ حدیث جو راوی کے فسق وغیرہ قوادح قویہ کے سبب

متروک ہو بشرطیکہ ہنوز سرحد کذب سے جدائی ہو، یہ احکام میں لائق احتجاج نہیں البتہ مذہب راجح پر فضائل میں مقبول، ہاں تعدد مخارج وتنوع طرق سے انجبار کے بعد بالاتفاق مقبول۔

سوم:۔ وہ جس کا راوی وضاع، کذاب، یا متہم بالکذب ہو، یہ حدیث کی بدترین قسم ہے بلکہ بعض محاورات کی بنا پر مطلقا اور ایک اصطلاح پر اگر اس کا مدار کذاب پر ہو تو اسے بھی موضوع کہتے ہیں بنظر دقیق ان اصطلاحات پر یہ قسم موضوع حکمی میں داخل۔

چہارم:۔ موضوع، یہ بالاجماع نہ قابل انجبار، نہ کہیں لائق اعتبار حتیٰ کہ فضائل میں بھی، بلکہ اسے حدیث کہنا بطور مجاز ہے حقیقت میں یہ حدیث ہی نہیں۔

ثبوت موضوع کے طرق: کسی حدیث کے موضوع ہونے کا ثبوت پندرہ طریقوں سے ہوتا ہے۔

ا تا ۶:۔ اس کا مضمون قرآن عظیم (۱) یا سنت متواترہ (۲) یا اجماع قطعی (۳) قطعی الدلالۃ یا عقل صریح (۴) یا حس صریح (۵) یا تاریخ یقینی (۶) کے ایسا مخالف ہو کہ تاویل وتطبیق کا کوئی احتمال نہ رہے۔

۷:۔ مضمون کلام کا معنی ایسا شنیع وقبیح ہو جس کا صدور حضور پرنور صلوات اللہ تعالیٰ علیہ سے معقول نہ ہو یا بیوقوفی، یا مدح باطل یا ذم حق پر مشتمل ہو۔

۸:۔ یا اتنی بڑی جماعت جس کا عدد حد تواتر تک پہنچا ہو اور ان میں جھوٹ کا یا ایک دوسرے کی تقلید کا احتمال نہ رہے، اس کے کذب وبطلان کی گواہی مستندا الی الحس دے۔

۹:۔ یا خبر کسی ایسی چیز کی ہو کہ اگر وہ واقع ہوتی تو اس کی نقل وروایت مشہور ومستفیض ہو جاتی مگر اس روایت سے سوا کہیں اس کا پتہ نہیں۔

۱۰:۔ یا کسی حقیر فعل کی مدحت اور اس پر وعدہ وبشارت، یا صغیر امر کی مذمت اور اس پر وعید وتہدید میں

ایسے لمبے چوڑے مبالغے ہوں جنھیں کلام معجز نظام نبوت سے مشابہت نہ رہے۔

۱۱:۔ یا اس کے الفاظ رکیک وسخیف ہوں جنھیں سمع دفع اور طبع منع کرے اور ناقل اس کا مدعی ہو کہ یہ الفاظ بعینہا حضور افصح العرب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہیں یا وہ محل ہی نقل بالمعنی کا نہ ہو۔

۱۲:۔ یا ناقل رافضی، حضرات اہل بیت کرام علیٰ سیدہم وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے فضائل میں وہ باتیں روایت کرے جو ان کے غیر سے ثابت نہ ہو جیسے "لحمک لحمی و دمک دمی" یونہی امیر معاویہ وعمرو بن العاص رضی اللہ تعالی عنہما کے وہ مناقب جو صرف نواصب کی روایت سے آئیں، روافض نے مناقب امیر المومنین حضرت علی واہل بیت طاہرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں تین لاکھ کے قریب حدیثیں وضع کی ہیں ،اسی طرح نواصب نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب میں حدیثیں گڑھی ہیں۔

۱۳:۔ یا قرائن حالیہ گواہی دے رہے ہیں کہ یہ روایت اس شخص نے کسی طمع یا غضب وغیرہما کے باعث ابھی گڑھ کر پیش کر دی ہے۔

۱۴:۔ یا تمام کتب وتصانیف اسلامیہ میں استقراء تام کیا جائے اور اس کا کہیں پتہ نہ چلے، یہ کام صرف اجلۂ حفاظ اور ائمۂ ذیشان کا تھا جس کی لیاقت صدہا سال سے معدوم۔

۱۵:۔ یا راوی خود اقرار وضع کر دے، خواہ صراحتا، خواہ ایسی بات کہے جو بمنزلۂ اقرار ہو، مثلا ایک شیخ سے بلا واسطہ بدعوائے سمع روایت کرے پھر اس کی تاریخ وفات وہ بتائے کہ اس کا اس سے سننا معقول نہ ہو۔

افادہ:۔ جو حدیث، مندرجہ بالا پندرہ اسباب وضع سے خالی ہو اس پر حکم وضع کی رخصت کس حال میں ہے اس باب میں کلمات علماء تین طرز پر ہیں۔

اول:۔ انکار محض یعنی بے امور مذکورہ کہ اصلا حکم وضع کی راہ نہیں اگرچہ راوی وضاع، کذاب ہی پر مدار

ہوامام سخاوی نے فتح المغیث میں اسی پر جزم فرمایا ہے لکھتے ہیں، ”مجرد تفرد الکذاب بل الوضاع ولو کان بعد الاستقصاء فی التفتیش من حافظ متبحر تام الاستقراء غیر مستلزم لذالک، بل لابد معه من انضمام شئ مما سیاتی“ یعنی اگر کوئی حافظ جلیل القدر کہ علم حدیث میں دریا اوراس کی تلاش کامل ومحیط ہو تفتیش حدیث میں استقصاء تام کرے اور بایں ہمہ حدیث کا پتہ ایک کذاب بلکہ وضاع کی روایت کے علاوہ کہیں نہ ملے تاہم اس سے حدیث کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا جب تک امور مذکورہ سے کوئی امر اس میں موجود نہ ہو۔

دوم:۔ وضاع کذاب پر تفرد ہوا ایسا وضاع کذاب جس سے عمدا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر معاذ اللہ بہتان وافتراء کرنا ثابت ہو وہ بھی بطریق ظن، نہ بروجہ یقین، اس لئے کہ پکا جھوٹا بھی کبھی سچ بولتا ہے اور قصدا افتراء اس سے ثابت نہیں تو اس کی حدیث موضوع نہیں اگرچہ متہم بالکذب ہو، یہ علامہ ابن حجر وغیرہ علماء کا مسلک ہے ،نخبہ ونزہہ میں ہے۔ ”الطعن اما ان یکون بکذب الراوی بان یروی عنه مالم یقله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متعمدا لذالک او تهمته بذالک الاول هو الموضوع والحکم علیه بالوضع بطریق الظن الغالب، لا بالقطع اذ قد یصدق الکذوب والثانی هو المتروک“ یعنی حدیث میں طعن کبھی راوی کے کذب کے ساتھ ہوتا ہے اس طرح کہ اس سے وہ بات مروی ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ کہی ہو اور کبھی تہمت کذب کی وجہ سے ہوتا ہے، پہلی قسم موضوع ہے کسی حدیث کے موضوع ہونے کا حکم بطریق ظن ہوتا ہے نہ بروجہ یقین، اس لئے کہ پکا جھوٹا بھی کبھی سچ بولتا ہے، اور دوسری قسم کو متروک کہتے ہیں۔

سوم:۔ بہت سے علماء جب حدیث پر سے حکم وضع اٹھاتے ہیں اس کی وجہ میں فرماتے ہیں یہ کیوں کر موضوع ہوسکتی ہے حالانکہ اس کا کوئی راوی نہ کذاب ہے نہ متہم بالکذب ہے۔کبھی فرماتے ہیں موضوع تو

جب ہوتی کہ اس کا راوی متہم بالکذب ہوتا یہاں ایسا نہیں تو موضوع نہیں ۔اس سے متبادر ہوتا ہے کہ اگر راوی متہم بالکذب ہوتو موضوع ہونے کا حکم لگایا جاسکتا ہے، جو حدیث ان اٹھارہ عیوب سے پاک ہو اس کے بارے میں اجماع ہے کہ وہ موضوع نہیں۔

شرائط راوی:۔ عادل ہونا، عادل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو تقویٰ کی پابندی اور خلاف مروت حرکات سے بچنے کا ملکہ ہو، تقویٰ سے مراد یہ ہے کہ شرک، کفر، فسق، بدعت سے بچتا رہے، گناہ صغیرہ سے بچنا عدالت کی شرط نہیں البتہ صغیرہ پر اصرار سے بچنا ضروری ہے اس لئے کہ صغیرہ پر اصرار کبیرہ ہے، مروت سے مراد ایسے خسیس ورذیل کاموں سے بچے جو اگر چہ مباح ہیں مگر وہ وقار کے خلاف سمجھے جاتے ہیں جیسے بازاروں میں کھانا، صرف تہبند باندھ کر گھومنا۔

ضبط حدیث ،یعنی حدیث کو محفوظ رکھنا اس میں کمی بیشی اور کوئی خلل نہ ہونے دینا اس طرح کہ بوقت ضرورت بلاتردد بیان کرسکے، اس کی دو قسمیں ہیں، ضبط صدر، ضبط کتاب۔

ضبط صدر:۔ یہ ہے کہ حدیث کو اس طرح یادرکھے کہ جب چاہے اس کو بعینہ بیان کرسکے۔

ضبط کتاب:۔ یہ ہے کہ جس کتاب میں حدیث لکھی ہے اس کو پورے طور سے محفوظ رکھے کہ اس میں کوئی تغیر وتبدل نہ ہونے پائے۔

سند واسناد:۔ طریق حدیث کو کہتے ہیں یعنی وہ راوی جنھوں نے یہ حدیث روایت کی ہے اور سند کے ذکر کو اسناد کہتے ہیں۔

مسند:۔ اس حدیث کو کہتے ہیں جو مرفوع ہو اور جس کی سند متصل ہو یہی عام اصطلاح ہے، بعض محدثین ہر حدیث مرفوع کو مسند کہتے ہیں اگر چہ وہ مرسل یا منقطع یا معضل ہو۔

متن:۔ جہاں سند ختم ہوتی ہے اسے متن کہتے ہیں یعنی وہ قول یا فعل یا واقعہ جو روایت کیا گیا۔

متصل و اتصال:۔ متصل وہ حدیث ہے جس کی روایت میں کوئی راوی چھوٹا نہ ہو اور یہ عمل اتصال ہے۔

تعلیق و معلق:۔ ابتدائے سند سے اگر راوی ساقط ہو تو اس حدیث کو معلق کہتے ہیں خواہ تمام راوی ساقط ہو یا ایک دو، اور اس فعل کو تعلیق کہتے ہیں۔امام بخاری کے ابواب میں تعلیقات بکثرت ہیں، یہ سب حدیث متصل کے حکم میں ہیں۔

مرسل و ارسال:۔ اگر سند میں راوی کا سقوط آخر سند سے ہو تو اسے حدیث مرسل کہتے ہیں اور اس فعل کو ارسال جیسے کوئی تابعی کہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ جمہور و امام اعظم اور امام مالک کے نزدیک ثقہ کی حدیث مرسل حجت ہے، اس لئے کہ راوی کو اپنے شیخ کے ثقہ ہونے پر اعتماد کلی نہ ہوتا تو ارسال نہ کرتا۔

منقطع و انقطاع:۔ وہ حدیث ہے جس کے درمیان سند میں کچھ راوی چھوٹ گئے ہوں خواہ ایک، خواہ متعدد، مگر متعدد مسلسل نہ چھوٹے ہوں، متفرق جگہوں سے چھوٹے ہوں تو اس حدیث کو منقطع کہتے ہیں اور یہ فعل انقطاع ہے۔

معضل:۔ اگر درمیان سند میں مسلسل دو راوی چھوٹے ہوں تو وہ حدیث معضل کہلاتی ہے۔

فائدہ:۔ کبھی منقطع بول کر محدثین، غیر متصل مراد لیتے ہیں اس معنی کے اعتبار سے منقطع مذکورہ بالا غیر متصل کے تمام اقسام کو شامل ہوگی جس میں مرسل بھی داخل ہے۔

مدلس و تدلیس:۔ تدلیس کے لغوی معنی، بیچتے وقت سامان کے عیب کو چھپانا ہے اس کا مادہ دلس ہے جس کا معنی فریب اور دھوکہ دینے کے ہیں، محدثین کی اصطلاح میں تدلیس اسے کہتے ہیں کہ راوی نے جس سے حدیث سنی ہے اس کا نام نہ لے بلکہ اس سے اوپر کے راوی کا نام لے اور لفظ ایسا استعمال کرے جس سے سماع سمجھا جا سکتا ہو اور یہ یقین نہ ہو کہ یہ راوی جھوٹ بول رہا ہے، جیسے یوں کہے فلاں سے روایت ہے یا فلاں نے کہا ایسی حدیث کو مدلس اور ایسے راوی کو مدلِّس کہتے ہیں اور اس کے اس فعل کو تدلیس کہتے ہیں۔

حدیث مدلس کے مقبول و نامقبول ہونے کے سلسلے میں جمہور کا مذہب یہ ہے کہ جس محدث کی یہ عادت ہو کہ وہ صرف ثقات سے ہی تدلیس کرتا ہے اس کی حدیث مقبول ہے جیسے سفیان بن عیینہ، اور اگر اس کی عادت یہ

ہے کہ ثقہ وغیر ثقہ سب سے تدلیس کرتا ہے تو اس کی روایت نامقبول، جب تک کہ اس کی روایت ایسے لفظ سے نہ کرے جو سماع پر قطعی دلالت کرے۔

مضطرب واضطراب:۔ اگر حدیث کے متن یا اسناد میں راویوں کا باہم کمی یا زیادتی، تقدم وتاخر، تبدیل وتغیر یا تصحیف واختصار، حذف وغیرہ کی وجہ سے اختلاف ہوجائے تو یہ حدیث مضطرب کہلاتی ہے اور یہ فعل اضطراب کہلاتا ہے، حدیث مضطرب کے اختلاف میں تطبیق ممکن ہو تو مقبول ہے ورنہ اس کے بارے میں توقف کیا جائے گا۔

مدرج:۔ اگر راوی متن میں اپنا یا کسی اور کا مثلاً صحابی یا تابعی کا کوئی کلام کسی فائدہ کے لئے ذکر کردے مثلاً لفظ کا معنی بیان کرنے یا تفسیر کرنے یا مطلق کو مقید کرنے کے لئے ہو تو یہ حدیث مدرج ہے اور یہ فعل ادراج۔

معنعن:۔ وہ حدیث ہے جس کی سند لفظ عن فلان عن فلان، سے ذکر کی جائے اور فعل کو عنعنہ کہتے ہیں، مدلس کی حدیث معنعن مقبول نہیں مگر جب کہ یہ معلوم ہو کہ یہ صرف ثقات ہی سے تدلیس کرتا ہے۔

حدیث معنعن کے مقبول ہونے کے لئے امام بخاری نے یہ شرط رکھی ہے کہ تلمیذ وشیخ دونوں کی ملاقات کا ثبوت کسی اور طریقے سے ہو، کچھ لوگوں نے ملاقات کے علاوہ یہ بھی شرط رکھی ہے کہ یہ بھی ثابت ہو کہ راوی نے اس شیخ سے حدیث اخذ کی ہے۔ مگر امام مسلم نے ان دونوں سے اختلاف کیا اور مقدمۂ مسلم میں دلائل سے ثابت کیا کہ نہ اخذ کے ثبوت کی ضرورت ہے نہ لقاء کی، صرف معاصرت کافی ہے اس لئے کہ جب معاصرت ثابت ہے اور راوی ثقہ غیر مدلس ہے اور یہ کہہ دیا کہ فلاں سے روایت ہے تو یہ لقاء اور اخذ دونوں کا ثبوت ہے۔

شاذ ومحفوظ:۔ کوئی ثقہ راوی، ثقات کے خلاف روایت کرے، اگر ان میں سے کسی کو ترجیح دی گئی ہو تو راجح کو محفوظ اور مرجوح کو شاذ کہتے ہیں۔

منکر ومعروف:۔ اگر کوئی ضعیف راوی اپنے سے بھی اضعف کے خلاف روایت کرے تو اضعف کی روایت، منکر اور ضعیف کی روایت کو معروف کہتے ہیں۔ بعض محدثین نے شاذ ومنکر میں دوسرے راوی کی

مخالفت کی قید نہیں لگائی بلکہ یہ کہا کہ شاذ وہ حدیث ہے جس کو تنہا کوئی ثقہ روایت کرے اور اس کے مخالف یا معاضد کوئی روایت نہ ہو، بعض نے ثقہ کی بھی قید نہیں لگائی مطلقا تفرد کی بناء پر شاذ کا حکم لگایا، اسی طرح منکر میں بھی مخالفت کی قید بعض حضرات کے یہاں معتبر نہیں، حدیث میں اگر فسق یا فرط غفلت وکثرت غلط کی وجہ سے طعن ہو تو اسے بھی منکر کہتے ہیں۔

معلل :۔ جس کی اسناد میں کچھ خفی دقیق ایسے عیوب ہوں جو اس کی صحت میں خلل انداز ہوں جن پر کوئی بہت ہی متبحر، ماہر حاذق، ناقد محدث ہی مطلع ہوتا ہے، جیسے سند متصل بیان ہوئی مگر حقیقت میں وہ منقطع ہے ،حدیث کو مرفوع بتایا گیا مگر وہ حقیقت میں موقوف ہے۔

متابعت :۔ دو یا چند راویوں کا کسی حدیث کو ایک دوسرے کے موافق ذکر کرنا، ان میں اصل کو متابَع اور دوسری کو متابِع کہتے ہیں، اصل سے مراد یہ ہے کہ مثلا کسی محدث نے کوئی حدیث ذکر کی پھر کہا اس کی متابعت فلاں نے کی تو اول کو متابَع اور ثانی کو متابِع کہتے ہیں یہ ہوسکتا ہے کہ کوئی محدث اس کے برعکس ذکر کرے مثلا بعد والی کو پہلے ذکر کرکے ثانی کے بارے میں کہے 'تابعه فلاں' اب متابِع متابَع اور متابَع متابِع کہلائے گی۔ متابعت کی دو قسم ہے۔ تام، ناقص۔ متابعت تام :۔ یہ ہے کہ راوی کے شیخ ہی سے متابعت ہو یعنی اول سند سے۔ متابعت ناقص :۔ یہ ہے کہ اپنے شیخ سے اوپر کسی سے ہو۔

مثلہ ونحوہ :۔ اگر متابعت لفظ اور معنی دونوں میں ہو تو اس کو مثلہ سے تعبیر کرتے ہیں اور اگر صرف معنی میں ہو تو نحوہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

شاہد :۔ اگر اتفاق روایت صرف ایک صحابی پر ہو تو متابعت، اور اگر دو یا زیادہ پر ہو تو اسے شاہد کہتے ہیں ،بعض حضرات نے کہا ہے کہ اگر صرف معنی میں موافقت ہو تو شاہد ہے اور لفظ ومعنی دونوں میں ہو تو متابعت ہے خواہ ایک صحابی سے ہو، خواہ متعدد صحابی سے۔۔۔۔ کبھی شاہد اور متابع کو ایک دوسرے کے معنی میں بھی استعمال کردیتے ہیں۔

اعتبار :۔ متابع اور شاہد کی معرفت کے لئے حدیث کی مختلف سندوں کے تتبع اور تلاش کو اعتبار کہتے ہیں۔

الفاظ روایت :۔ سندوں کے ذکر میں مختلف الفاظ ذکر کئے جاتے ہیں مثلاً قال ، اخبر ، انبا ، حدَّثَ روی، رُویَ ، سمعتُ وغیرہ ، امام بخاری کا مسلک یہ ہے کہ قال ، سمع، اخبر، حدَّثَ، انبأ، روی سب ہم معنی ہیں۔ اور یہی مذہب امام زہری ، امام مالک ، اور امام ابن عیینہ و یحیی القطان اور اکثر اہل حجاز واہل کوفہ اور حضرت امام اعظم کا ہے۔ ابن حاجب نے اپنی مختصر میں اس کو ترجیح دی ، امام حاکم نے فرمایا کہ یہی ائمۂ اربعہ کا مذہب ہے مگر امام مسلم و ترمذی وغیرہ کے یہاں تفریق ہے یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر شیخ قرأت کرے اور تلمیذ سنے تو اسے "حدَّثَ" سے بیان کیا جاتا ہے اور اگر تلمیذ قرأت کرے اور شیخ سنے تو اسے "اخبر و انبأ" سے بیان کیا جاتا ہے، اور یہی امام جریج اور امام اوزاعی اور امام شافعی اور ابن وہب اور جمہور اہل مشرق کا مسلک ہے، امام بخاری نے اس سلسلے میں کتاب العلم میں مستقل ابواب باندھے ہیں۔ اس کی تفصیل اس کی شرح میں ملاحظہ کریں۔

اسباب طعن :۔ اسباب طعن دس ہیں ، پانچ راوی کی عدالت سے متعلق ہیں اور پانچ ضبط سے متعلق ہے عدالت سے متعلق پانچ طعن یہ ہیں کذب، اتہام کذب ، فسق ، جہالت یعنی گمنام ہونا ، بدعت ۔

کذب :۔ یہ ہے کہ اس راوی کے بارے میں یہ ثابت ہو جائے کہ اس نے بالقصد حضور اقدس ﷺ پر بہتان وافتراء کیا ہے، اگر کسی شخص کے بارے میں یہ ثابت ہو جائے کہ اس نے ایک بار بھی قصدا حدیث گڑھی ہے تو مدۃ العمر اس کی حدیث مقبول نہ ہوگی اگر چہ توبہ کرے ، بر بنائے مذہب مشہور ایسے راوی کی حدیث کو موضوع کہتے ہیں۔

اتہام کذب :۔ یہ ہے کہ اگر چہ حدیث میں اس کا جھوٹ ثابت نہیں مگر وہ اور باتوں میں جھوٹا مشہور ومعروف ہو ایسے راوی کی حدیث کو متروک کہتے ہیں ، ایسا شخص اگر جھوٹ بولنے سے توبہ کرے اور سچے ہونے کی عادت ڈال لے اور یہ ثابت ہو جائے کہ اب جھوٹ نہیں بولتا تو اس وقت اس کی روایت مقبول ہے۔

فسق :۔ فسق سے فسق عملی مراد ہے یعنی گناہوں سے بچے ، جھوٹ بھی گناہ ہی ہے ،مگر حدیث کے معاملے میں یہ طعن، دیگر مطاعن سے سخت ہے اس لئے اس کو عام گناہوں سے علیحدہ مستقل طعن کی قسم بنایا گیا۔

جہالت :۔ یہ کہ کسی راوی کا نام نہ مذکور ہو جیسے کوئی یوں کہے مجھ سے ایک شخص نے حدیث بیان کی ،اس سے طعن کیوجہ یہ ہے کہ جب راوی کا نام ہی معلوم نہیں تو یہ پتہ بھی نہ چل سکے گا کہ یہ عادل ہے یا غیر عادل ،اس کی روایت قابل قبول ہے یا نہیں ۔ایسی حدیث کو مبہم کہتے ہیں، حدیث مبہم کے مقبول وغیر مقبول ہونے میں تفصیل ہے اگر یہ ابہام صحابی میں ہے مثلا تابعی نے کہا مجھ سے ایک صحابی نے حدیث بیان کی تو یہ بالاتفاق مقبول ہے، غیر صحابی میں اگر ہے اور راوی کی عدالت وثقہ ہونے کی صراحت نہیں تو غیر مقبول، جیسے کسی نے کہا ایک شخص یا شیخ نے حدیث بیان کی اور اگر صفت تعدیل وتوثیق کے ساتھ ہے تو بھی عندالتحقیق نامقبول، ہاں اگر یہ ابہام کسی مسلم الثبوت امام حاذق کا ہے تو مقبول ہے۔

بدعت :۔ بدعت سے مراد یہ ہے کہ جو بات دین میں مشہور ومعروف ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابۂ کرام سے ثابت ہو اس کے خلاف اعتقاد رکھنا جبکہ کسی شبہ اور تاویل کی بناء پر نہ ہو اور اگر یہ اعتقاد ضروریات دین کے خلاف از راہ عناد ہو تو کفر ہے۔ مبتدع ، بدعتی کی روایت مقبول ومردود ہونے میں تفصیل ہے اگر اس کی بد مذہبی حد کفر تک پہنچی ہو تو بالاتفاق مردود، اور اگر حد کفر تک نہیں پہونچی ہے تو اگر اس کی یہ روایت بدعت کی داعی یا اسکی مروج یا مؤید ہے تو قطعا مردود اور اگر ایسی نہیں تو بھی محتاطین کا یہی طریقہ ہے کہ مبتدعین کی حدیث نہیں قبول کرتے ،کبھی کبھی اس غامض طریقے سے بد مذہبی داخل کر دیتے ہیں کہ اس کی تہہ تک پہنچنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔

ضبط سے متعلق پانچ طعن مندرجہ ذیل ہیں۔

کثرت غلط، فرط غفلت، مخالفت ثقات، وہم، سوئے حفظ۔

فرط غفلت :۔ کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے کی تلقین قبول کرے یعنی دوسرا جو بتادے کہ تونے یہ سنا ہوگا وہی مان لے۔

مخالفت ثقات :۔ حدیث کی سند یا متن ثقہ رواۃ کے خلاف ہو ایسی حدیث کو شاذ کہتے ہیں ۔

وہم :۔ حدیث کے یاد ہونے کا ظن غالب نہیں پھر بھی بیان کر دیا اگر راوی کی اس حرکت پر قرائن سے اطلاع ہوجائے تو وہ حدیث **معلل** ہے، یہ صنف بہت دقیق اور مشکل ہے یہاں تک کہ علما نے فرمایا کہ دار قطنی کے بعد کوئی ان جیسا نہیں پیدا ہوا جو حدیث کے علل قادحہ کے پہچاننے کا ان جیسا ماہر ہو۔

سوء حفظ :۔ سے یہاں مراد یہ ہے کہ راوی کو نسیان کا عارضہ ہو اور اس حد تک کہ اس کی غلطی صواب پر زائد یا برابر ہو اور اگر اس کا صواب ،خطا سے زائد ہے تو اس کی روایت مقبول ہے اس لئے کہ خطا ونسیان سے بالکلیہ کون منزہ رہا حتی کہ امام بخاری وامام مسلم بھی ۔سوء حفظ کا عارضہ اگر مدۃ العمر رہا تو اس کی روایت معتبر نہیں، بعض محدثین نے اسے بھی شاذ مانا اور اگر اخیر عمر میں اس کا یہ عارضہ کسی وجہ سے مثلا بیماری یا کبرسنی یا ضعف بصارت یا زوال بصارت یا کتابوں کے ضائع ہونے کی وجہ سے عارض ہوگیا تو ایسی حدیث کو مختلط کہتے ہیں ایسے راوی کی ایسی حدیث جو سوء حفظ عارض ہونے سے پہلے روایت کی ہیں اور یہ معلوم ہو تو مقبول ہیں اور زمانۂ نسیان کی معتبر نہیں، ہاں تعدد طرق ومتابعات وشواہد سے تقویت کے بعد مقبول ہیں یہ کل دس وجوہ طعن ہوئے ان کی قوت وشدت کے اعتبار سے یہ ترتیب ہے، کذب ،تہمت کذب ، کثرت غلط ،فرط غفلت، فسق ، وہم ،مخالفت ثقات ، جہالت ، بدعت ،سوء حفظ۔

حدیث کے صحیح ہونے کا مطلب :۔ محدثین کی اصطلاح میں کسی حدیث کے صحیح ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ غلط کے مقابل، صحیح ہے یا کسی حدیث کے صحیح نہ ہونے کا معنی قطعا یہ نہیں ہے کہ وہ غلط ہے جیسا کہ آج کل کے گمراہ فرقے، بالخصوص غیر مقلدین، ناواقف عوام کو فریب دینے کے لئے یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے یعنی غلط ہے، موضوع ہے یا باطل ہے یا بے اصل ہے وغیرہ۔

ناظرین! محدثین کی اصطلاح میں ایک نظر ڈال لیں تو انھیں معلوم ہو جائے گا کہ حضرات محدثین کی زبان میں صحیح غلط کا مقابل نہیں، بلکہ یہ ان کی ایک خاص اصطلاح ہے اور وہ یہ ہے کہ صحیح اس حدیث کو کہتے ہیں جو اپنے تمام اوصاف کمال میں اعلیٰ درجے پر فائز ہو، اس کے مقابل سات اقسام اور ہیں۔ اس لئے محدثین کے یہ فرمانے کا کہ ''یہ حدیث صحیح نہیں ہے'' کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ موضوع یا باطل یا بے اصل ہے، بلکہ ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ حدیث کی سب سے اعلیٰ قسم صحیح لذاتہ نہیں، پس ہوسکتا ہے کہ وہ صحیح لغیرہ ہو، حسن لذاتہ ہو، جس کی صدہا نظیریں موجود ہیں، اس کی پوری تفصیل اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے رسالہ ''منیر العین'' میں موجود ہے جو فتاویٰ رضویہ جلد دوم قدیم میں شائع ہو چکا ہے۔

محدثین کہیں فرماتے ہیں صحیح نہیں اور وہ حسن لذاتہ ہوتی ہے، کبھی فرماتے ہیں صحیح نہیں اور وہ حدیث صحیح لغیرہ ہوتی ہے، کبھی فرماتے ہیں صحیح نہیں اور وہ حدیث حسن لغیرہ ہوتی ہے، اس لئے کسی حدیث کے بارے میں محدثین کے اس فرمانے سے کہ صحیح نہیں اس کے باطل وموضوع ہونے پر دلیل لانا جہالت ہے۔

یہاں ایک اور نکتہ قابل لحاظ ہے کہ محدثین کا کسی حدیث پر جرح صرف اس سند کے ساتھ خاص ہوتی ہے جس پر جرح کی گئی ہے، ایسا بہت ہے کہ کسی حدیث پر اس کی ایک سند کے لحاظ سے ضعیف بلکہ موضوع تک ہونے کا حکم لگا دیا گیا مگر دوسری سند سے وہ ثابت ہے جیسے میزان الاعتدال میں ہے کہ امام احمد بن حنبل نے حدیث ''طلب العلم فریضۃ'' کو کہا یہ کذب ہے مگر علامہ ذہبی نے فرمایا یہ حکم اس مخصوص سند کے اعتبار

سے ہے، جس میں ابراہیم بن موسیٰ المروزی ہے، ورنہ یہ حدیث دوسرے طرق سے ثابت ہے اگر چہ وہ سب ضعیف ہیں۔ حدیث "الصلوٰۃ بالسواک خیر من سبعین صلوٰۃ "کوعلامہ ابن عبدالبر نے تمہید میں باطل کہا ہے، علامہ سخاوی نے فرمایا یہ حکم اس سند کے لحاظ سے ہے، علامہ نووی فرماتے ہیں۔

"ان روایات الضعیف یکون فیہ الصحیح و الضعیف و الباطل فیکتبونھا ثم تمیز اھل الحفظ و الاتقان بعض ذالک من بعض و ذالک سھل علیھم معروف عندھم و لھذا احتج السفیان الثوری حین نھیٰ عن الروایۃ عن الکلبی فقیل لہ انت تروی عنہ فقال انا اعرف صدقہ عن کذبہ "(شرح مسلم، ص ۲۱/۱)

یعنی ضعیف راوی کی روایتوں میں صحیح بھی ہوتی ہیں اور ضعیف اور باطل بھی، محدثین ان سب کو لکھتے ہیں پھر اہل حفظ واتقان ان کو ایک دوسرے سے الگ کردیتے ہیں، یہ ان کے لئے آسان ہے اور ان کے نزدیک روزمرہ کا کام ہے اسی دلیل سے سفیان ثوری نے اس وقت استدلال کیا جب انھیں کلبی کی روایت قبول کرنے سے منع کیا گیا اور کہا گیا آپ اس سے روایت کرتے ہیں، فرمایا میں اس کے سچ کو جھوٹ سے امتیاز کرتا ہوں۔

احادیث سے استدلال کی کیفیت :۔ جن چیزوں کا اثبات مقصود ہوتا ہے وہ چار قسم کی ہیں۔

(۱) عقائد قطعیہ :۔ جیسے توحید ورسالت، قرآن کا کتاب اللہ ہونا، ان کا اثبات صرف حدیث متواتر سے ہوگا خواہ اس کا تواتر لفظی ہو خواہ معنوی۔

(۲) عقائد ظنیہ :۔ جیسے قبر کے احوال، میزان اعمال وغیرہ ان کا اثبات خبر واحد سے ہوتا ہے۔

(۳) احکام :۔ ان کے اثبات کے لئے حدیث صحیح یا کم از کم حسن لغیرہ ہونی لازم ہے، احادیث ضعاف ان تینوں اقسام میں ناکافی ہیں۔

(۴) فضائل ومناقب :۔ خواہ فضائل اعمال ہوں خواہ فضائل اشخاص ان سب میں علماء ضعیف حدیث کو بالاتفاق معتبر مانتے ہیں۔

امام شیخ الاسلام ابو زکریا نفعنا اللہ تعالیٰ ببرکاتہ "کتاب الاذکار المنتخب من کلام سید الابرار" صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں فرماتے ہیں۔

”قال العلماء من المحدثین و الفقهاء وغیرهم یجوز و یستحب العمل فی الفضائل و الترغیب بالحدیث الضعیف مالم یکن موضوعاً۔ یعنی علماے محدثین وفقہاء وغیرہم نے فرمایا کہ فضائل اعمال میں اور ترغیب وترہیب میں حدیث ضعیف پرعمل کرنا مستحب ہے اگروہ موضوع نہ ہو۔

لیکن کبھی مقام احتیاط میں احادیث ضعاف، احکام میں بھی بطور سند کام آتی ہیں، یہی امام نووی اذکار میں بعد عبارت مذکورہ کے ارشاد فرماتے ہیں،” و اما الاحکام کالحلال و البیع و النکاح و الطلاق و غیر ذالک فلایعمل فیها الا بالحدیث الصحیح او الحسن الا ان یکون فی احتیاط فی شئ من ذالک کما اذاورد حدیث ضعیف بکراهیة بعض البیوع او الانکحة فان المستحب ان یتنزہ عنه ولکن لا یجب“ [الاذکار،ص ۷]

یعنی حلال وحرام بیع، نکاح، طلاق وغیرہا احکام کے بارے میں صرف حدیث صحیح یا حسن ہی پرعمل کیا جائے گا ،مگر یہ کہ ان مواقع میں کسی احتیاطی بات میں ہو جیسے کسی بیع یا نکاح کی کراہت میں حدیث ضعیف آئے تو مستحب ہے کہ ان سے بچیں ہاں واجب نہیں۔

احادیث ضعاف کی تقویت کے طرق

سطور بالا میں مذکور ہوا کہ حدیث ضعیف کبھی حسن لغیرہ بلکہ صحیح لغیرہ بھی ہوجاتی ہے تو ضروری معلوم ہوا کہ ایک مختصر سا خاکہ اس کا بھی پیش کردیا جائے تاکہ حدیث ضعیف کو موضوع یا باطل سمجھنے والوں کی گوشمالی ہوجائے اور حدیث ضعیف سے استدلال کرنے والوں کی راہنمائی ہوجائے۔

(۱) تعدد طرق:۔ جب کوئی حدیث ضعیف اگر متعدد سندوں سے مروی ہوتو وہ کبھی حسن لغیرہ اور کبھی صحیح لغیرہ ہوجاتی ہے، اگرچہ وہ طرق ضعاف ہوں۔

حضرت امام عبد الوہاب شعرانی قدس سرہ النورانی اپنی معرکۃ الآراء تصنیف 'میزان الشریعۃ الکبریٰ' میں فرماتے ہیں،

”قد احتج جمهور المحدثین بالحدیث الضعیف اذا کثرت طرقه و الحقوہ بالصحیح تارۃ و بالحسن اخریٰ“

یعنی حدیث ضعیف جب متعدد طریقوں سے مروی ہوتو جمہور محدثین اسے لائق استدلال جانتے ہیں اور اسے کبھی صحیح کے ساتھ اور کبھی حسن کے ساتھ لاحق کر دیتے ہیں حصول قوت کے لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ طرق بہت کثیر ہوں، صرف دو بھی مل کر قوی ہو جاتے ہیں، تیسیر میں ہے،

"ضعیف بضعف عمرو بن الواقد لکنہ یقوی بورودہ بطریقین"

عمرو بن واقد کی وجہ سے ضعیف ہے لیکن دو طریقوں سے آنے کی وجہ سے باقوت ہوگئی۔

(۲) عمل علماء :۔ کسی حدیث ضعیف پر اہل علم کے عمل کرنے کی وجہ سے بھی وہ حدیث قوی ہو جاتی ہے، امام ترمذی نے جگہ جگہ حدیث پر کلام کرنے کے بعد فرمایا، **"والعمل علیٰ هذا عند اهل العلم"** ایک جگہ اس کے تحت ملا علی قاری نے لکھا۔

"قال النووی و اسنادہ ضعیف نقلہ میرک فکان الترمذی یرید تقویة الحدیث عمل اهل العلم" [مرقاة، ص ۱۰۲ / ج ۲]

یعنی علامہ نووی نے فرمایا اس کی سند ضعیف ہے اس کو میرک نے نقل کیا، اس قول سے امام ترمذی کی مراد یہ ہے کہ اہل علم کے عمل سے حدیث ضعیف قوی ہو جاتی ہے۔

(۳) استدلال مجتہد :۔ مجتہد کے استدلال سے بھی حدیث قوی ہو جاتی ہے، علامہ محمد امین بن عابدین شامی نے لکھا۔ **"ان المجتهد اذا استدل بحدیث کان تصحیحا له کما فی التحریر وغیرہ"** یعنی کسی حدیث سے مجتہد کا استدلال کرنا اس کے صحت کی دلیل ہے جیسا کہ تحریر وغیرہ میں ہے۔

(۴) عمل صلحاء :۔ صالحین کے عمل سے بھی حدیث کو قوت مل جاتی ہے، صلوٰۃ التسبیح جس روایت سے ثابت ہے وہ ضعیف ہے امام حاکم اور بیہقی نے اس کے قوی ہونے کی علت حضرت عبد اللہ ابن مبارک تلمیذ امام اعظم کے عمل کو بتایا، مولانا عبد الحئ لکھنوی لکھتے ہیں۔ **"قال البیهقی کان عبد الله ابن مبارک یصلیها و تداولها الصالحون بعضهم عن بعض و فی ذالک تقویة للحدیث المرفوع"**

[الآثار المرفوعة، ص ۴۳]

یعنی امام بیہقی نے کہا عبداللہ ابن مبارک صلوٰۃ التسبیح پڑھا کرتے تھے اور بعد کے صلحاء اس کو ایک دوسرے سے اخذ کر کے پڑھتے تھے اس وجہ سے اس حدیث مرفوع کو قوت مل گئی۔

(۵) کشف وتجربہ :۔ کبھی کشف وتجربہ سے بھی حدیث کو قوت مل جاتی ہے، حضرت ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اور شرح شفا میں تحریر فرماتے ہیں، کہ سید المکاشفین، حضرت شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ نے فرمایا کہ مجھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث پہنچی کہ جو''لا الہ الا اللہ ''ستر ہزار بار کہے اس کی مغفرت ہو جائے گی، میں نے یہ کلمہ ستر ہزار بار پڑھا تھا، مگر کسی خاص شخص کی نیت نہیں تھی، ایک دعوت میں گیا اس میں ایک جوان بھی تھا جو کشف میں مشہور تھا یہ جوان کھانا کھاتے کھاتے رونے لگا، میں نے سبب پوچھا تو بتایا کہ میں اپنے والدین کو عذاب میں دیکھ رہا ہوں، میں نے اپنے دل میں اس کلمے کا ثواب اس کے والدین کو بخش دیا فورا وہ جوان ہنسنے لگا اور کہا اب میں اپنی ماں کو اچھی حالت میں دیکھ رہا ہوں، امام محی الدین ابن عربی نے فرمایا، **فعرفت صحة الحديث بصحة كشفه و صحة كشفه بصحة الحديث** یعنی میں نے اس حدیث کی صحت کو اس جوان کے کشف سے اور اس کے کشف کی صحت کو اس حدیث سے جانی۔ اسی طرح، علامہ شہاب الدین خفاجی ''نسیم الریاض شرح شفا'' میں اور علامہ سید احمد طحطاوی ''حاشیۂ درمختار'' میں نقل فرماتے ہیں کہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ بدھ کے دن ناخن ترشوانے سے برص ہو جاتی ہے، علامہ ابن الحاج صاحب مدخل نے اس خیال سے کہ یہ حدیث صحیح نہیں، بدھ کے دن ناخن ترشوالیا، انھیں برص ہو گئی خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور ابن الحاج سے فرمایا کیا تم نے نہیں سنا تھا کہ میں نے اس سے منع فرمایا ہے، عرض کیا یا رسول اللہ وہ حدیث میرے نزدیک ثابت نہیں، فرمایا اتنا کافی تھا کہ وہ حدیث میرے نام سے تمھارے کان تک پہنچی پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دست مبارک ان کے بدن پر پھیرا فورا اچھے ہو گئے، اسی وقت توبہ کی کہ اب کبھی حدیث سن کر مخالفت نہ کرونگا۔ اسی قسم کا واقعہ بدھ کے دن پچھنا لگوانے کے بارے میں بھی پیش آیا ہے۔

البتہ اگر روایت موضوع ہے کتنے ہی طرق سے مروی ہو اگر سب پر موضوع ہی ہو تو وہ جوں کی توں نا قابل اعتبار رہیگی، اس لئے کہ جھوٹ سے جھوٹ کی تقویت نہیں ہو سکتی، علاوہ ازیں حدیث موضوع معدوم ہے اور معدوم نیست محض کو کوئی بھی قوی نہیں کر سکتا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

کتب حدیث کے طبقات

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے کتب حدیث کے چار طبقات قائم کئے ہیں

طبقۂ اولیٰ:۔ وہ کتابیں جو سب سے زیادہ صحیح ومشہور ومقبول ہوں، جیسے صحیح بخاری، صحیح مسلم، مؤطا امام مالک۔

طبقۂ ثانیہ:۔ وہ کتابیں جو قریب قریب پہلے طبقے کے صحیح ومشہور ومقبول ہوں، مگر ان میں ضعیف احادیث کا تناسب پہلے طبقے سے زیادہ ہو جیسے جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، سنن نسائی۔

طبقۂ ثالثہ:۔ امام بخاری وامام مسلم کے پہلے کے یا ان کے معاصر یا قریب قریب معاصر، ایسے محدثین کی کتابیں جو مسلم الثبوت ماہر ہیں مگر ان کی کتابوں میں طبقۂ ثانیہ کے اعتبار سے بھی ضعیف احادیث زیادہ ہوں بلکہ ان میں ایسی احادیث بھی ہیں جنھیں موضوع تک کہا گیا ہے جیسے مسند امام شافعی، سنن ابن ماجہ، مصنف عبد الرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ، سنن دارمی، سنن دارقطنی، سنن بیہقی، طبرانی، وابوداؤد طیالسی کی مصنفات۔

طبقۂ رابعہ:۔ امام بخاری سے متاخر محدثین کی کتابیں جنمیں مذکورہ احادیث کا قرون سابقہ میں ہمیں ثبوت نہیں ملتا جیسے دیلمی ابونعیم اور ابن عساکر وحاکم کی تصانیف، ان احادیث کا قرون سابقہ میں ثبوت نہ ملنے کا سبب دو ہی ہے یا تو قدماء کو یہ احادیث نہیں ملیں یا انھوں نے کسی علت قادحہ کی وجہ سے ان احادیث کو لیا ہی نہیں۔

کتب احادیث کے ان طبقات کا یہ مطلب نہیں کہ بعد کے طبقات کی خصوصا طبقۂ رابعہ کی احادیث باطل اور نا مقبول ہیں بلکہ ان کا ماحصل صرف کتب احادیث کا ایک اجمالی تعارف ہے ورنہ طبقۂ رابعہ تک کی کتابوں میں حسن بلکہ صحیح احادیث بھی بکثرت موجود ہیں، خود شاہ ولی اللہ نے امام حاکم کی مستدرک کو طبقۂ رابعہ میں داخل مانا ہے حالانکہ اس کی اکثر احادیث اعلیٰ درجے کی صحیح وحسن ہیں بلکہ اس میں صدہا احادیث شیخین امام بخاری ومسلم کی شرط پر ہیں، خود انھیں شاہ ولی اللہ نے بستان المحدثین میں امام ذہبی سے نقل کیا ہے۔ مستدرک میں بہت کافی احادیث ان دونوں بزرگوں یعنی بخاری ومسلم دونوں کی یا ان میں سے کسی ایک کی شرط پر ہیں بلکہ آدھی کے قریب ایسی احادیث ہیں، اور چوتھائی احادیث ایسی ہیں کہ بظاہر صحیح الاسناد

ہیں لیکن ان دونوں کی شرط پر نہیں، باقی چوتھائی واہیات ومناکیر بلکہ کچھ موضوعات بھی ہیں۔
شاہ صاحب نے بستان میں ربع کتاب کے بارے میں بظاہر صحیح الاسناد لکھا، مگر علامہ سیوطی نے تدریب میں ذہبی کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔

" فيه جملة وافرة علىٰ شرطها وجملة كثيرة علىٰ شرط احدهما لعل مجموع ذالک نحو نصف الكتاب وفيه نحو الربع مما صح سنده وفيه بعض الشئ او له علة وما بقى وهو نحو الربع فهو مناكير وواهيات لا يصح وفى بعض ذالک موضوعات"

یعنی حاکم کی مستدرک کی احادیث بہت زیادہ شیخین کی شرط پر اور بہت سی ان دونوں میں سے کسی ایک کی شرط پر ہیں، چوتھائی کے قریب وہ ہیں جن کی سند صحیح ہے ان میں کچھ قدح یا علت ہے اور باقی چوتھائی مناکیر وواہیات ہیں، ان میں موضوع بھی ہیں۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ حاکم کی مستدرک میں تین چوتھائی کے قریب صحیح احادیث ہیں اس لئے ان طبقات کی تقسیم کا مطلب یہ لینا کہ بعد کے طبقات کی کل احادیث نا قابل قبول ہیں، کسی طرح صحیح نہیں، یہ بات ضرور اپنی جگہ درست ہے کہ طبقۂ رابعہ وثالثہ بلکہ عند التحقیق طبقۂ ثانیہ تک میں ہر قسم کی احادیث کا اختلاط ہے ہر شخص صحیح حسن کو ضعیف سے پرکھ نہیں سکتا، اس لئے ان کتابوں کے بارے میں ماہر ناقدین کی رائے معلوم ہونے کے بعد ہی اعتماد چاہئے، یہ حکم صرف طبقۂ رابعہ ہی کا نہیں بلکہ طبقۂ ثالثہ بلکہ طبقۂ ثانیہ کے لئے بھی ہے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اس موضوع پر ایک بہت مفید وجامع وکامل رسالہ لکھا ہے جس کا نام مدارج طبقات الحدیث ہے، اس میں ثابت فرمایا ہے کہ شاہ ولی اللہ کی یہ طبقات اربعہ کی تحدید نہ جامع ہے نہ مانع، نہ ناقد کو مفید نہ مقلد کو۔

فائدہ:۔ یہ بات ہر ذی علم کو معلوم ہے کہ احادیث صحاح کا انحصار صرف صحاح ستہ میں نہیں، اور نہ احادیث کا حصر کتب مصنفہ میں، صحاح ستہ کے علاوہ دیگر کتب احادیث میں بھی صحیح احادیث ہیں، اس کا بھی

امکان ہے کہ بہت سی صحیح احادیث تدوین سے رہ گئی ہوں، امام بخاری کو چھ لاکھ احادیث یاد تھیں مگر ان کی جامع صحیح میں بمشکل چار ہزار ہونگی اور احادیث کیا ہوئیں؟ اسپر دوسرے محدثین کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے ،کسی محدث نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا ہے کہ میں نے تمام احادیث کو کسی کتاب میں جمع کر دی ہیں اور نہ کسی نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اسے تمام احادیث بالاستیعاب یاد ہیں اس لئے بہر حال اس کا امکان قوی ہے کہ حضرات محدثین کی ہزار کوششوں کے باوجود لاکھوں احادیث تدوین سے رہ گئی ہوں۔

اقسام کتب

کتب حدیث :۔کتب حدیث کی تدوین کی نوعیت کے اعتبار سے تیرہ قسمیں ہیں ۔

جامع ،سنن ،مسند،معجم ،جزء،مفرد،غریبہ،مستدرک ،مستخرج ،رسالہ،اربعین ،امالی،اطراف۔

جامع :۔جامع وہ کتاب ہے جسمیں یہ آٹھ مضامین ہوں،عقائد،احکام ،تفسیر،سیر ومغازی،آداب،مناقب ،فتن،اشراط علامات قیامت ،جیسے بخاری ،ترمذی اور مسلم شریف میں،اگرچہ یہ آٹھوں باتیں ہیں مگر تفسیر برائے نام ہے اس لئے یہ جامع نہیں سنن میں داخل ہے۔

سنن :۔جن میں ابواب فقہ کی ترتیب کے مطابق احکام سے متعلق احادیث ہوں جیسے سنن ابو داؤد ،نسائی،ابن ماجہ

مسند :۔جس کی ترتیب صحابۂ کرام کے مراتب کے اعتبار سے ہو جیسے مسند امام احمد ابن حنبل۔

معجم :۔جس کی ترتیب میں اساتذہ کے مراتب کا لحاظ ہو۔

جزء:۔ جس میں کسی ایک مسئلہ سے متعلق احادیث مذکور ہوں جیسے جزء قرأت۔

مفرد:۔ جس میں صرف ایک شیخ کی مرویات جمع ہوں۔

غریبہ:۔ جس میں صرف ایک تلمیذ کے مفردات مذکور ہوں۔

مستدرک:۔ وہ کتاب کہلاتی ہے جس میں ان احادیث کو درج کیا جائے جو کسی مصنف سے رہ گئی ہوں جیسے حاکم کی مستدرک علی الشیخین۔

مستخرج:۔ وہ کتاب جس میں کسی اور کتاب کی احادیث کے ثبوت کے لئے اس کتاب کے مصنف کے شیخ یا شیخ الشیخ کی دوسری سندوں کو ذکر کیا جائے جیسے مستخرج لابی نعیم علی البخاری۔

رسالہ:۔ جس میں جامع کے آٹھوں عنوانوں میں سے مخصوص عنوانوں سے متعلق احادیث مذکور ہوں جیسے امام احمد کی کتاب الزہدوالادب۔

اربعین:۔ جس کتاب میں چالیس احادیث ہوں جیسے اربعین نووی وغیرہ۔

امالی:۔ جس میں کسی شیخ کی لکھائی ہوئی احادیث یا فوائد حدیث ہوں جیسے امالی امام محمد۔

اطراف:۔ وہ کتاب جس میں حدیث کا کوئی ایسا جزء ذکر کیا جائے جو بقیہ حدیث پر دلالت کرتا ہو، پھر اس حدیث کے تمام سندوں کو ذکر کر دیا جائے یا اس میں کچھ مخصوص کتابوں کی سندیں ذکر کی جائیں جیسے اطراف الکتب الخمسہ لابی العباس اور اطراف المزی۔

کتب احادیث

حضرات محدثین کرام نے فن حدیث میں سینکڑوں کتابیں لکھیں، ان میں کچھ ناپید ہوگئیں اور کچھ گمنامی میں رہیں، حضرت علامہ سیوطی نے جمع الجوامع میں پچاس سے زائد کتب احادیث کی نشاندہی کی ہے ان میں

سب سے زیادہ شہرت اور مقبولیت ان چھ کتابوں کو حاصل ہوئی، جامع صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی ،سنن ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، یہ چھ کتابیں صحاح ستہ کے نام سے مشہور ومعروف ہے۔ان پر صحاح ستہ کا اطلاق عام عرف کی بناء پر ہے، بعض محدثین نے ابن ماجہ کے بجائے مؤطا امام مالک کو صحاح ستہ میں داخل مانا ہے صاحب جامع الاصول نے اسی کو اختیار کیا، بعض محدثین نے فرمایا کہ زیادہ لائق اور مناسب یہ ہے کہ دارمی کو صحاح ستہ میں داخل کیا جائے، اس لئے کہ اس کے رواۃ کم ضعیف ہیں اور اس میں احادیث منکرہ اور شاذ بہت کم ہیں اس کی سند عالی ہے، اس کی ثلاثیات بخاری سے زائد ہیں، صحاح ستہ کا یہ مطلب نہیں کہ ان کی تمام احادیث صحیح ہیں ان میں ضعیف بلکہ موضوع بھی ہیں، ان کو صحاح اس لئے کہتے ہیں کہ ان میں بہ نسبت دیگر کتابوں کے ضعیف احادیث کم ہیں ان کی اکثر غالب صحیح ہیں۔

صحیح البخاری کی فوقیت:۔ احادیث کی کتابوں میں جس کتاب کو سب پر صحت وقوت کے اعتبار سے فوقیت حاصل ہے وہ جامع صحیح بخاری ہے، یہی اکثر محدثین کی رائے ہے حتیٰ کہ یہ مقولہ تقریبا متفق علیہ ہے "اصح الکتب بعد کتاب اللہ الصحیح البخاری" البتہ بعض مغاربہ صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر فوقیت دیتے ہیں، حافظ ابوعلی نیشاپوری نے کہا کہ صحیح مسلم سے بڑھ کر آسمان کے نیچے کوئی کتاب نہیں اور بعض ان دونوں کو ایک درجے میں رکھتے ہیں مگر صحیح یہی ہے کہ بخاری کو تمام کتب حدیث پر صحت وقوت میں ترجیح ہے، رہ گئی صحیح مسلم تو اس کی فوقیت، حسن بیان، جودت وضع، خوبی ترتیب اور اسناد میں دقیق اشارات اور بہترین نکات کی رعایت میں ہے۔

موازنہ:۔ باعتبار صحت کے بخاری، صحیح مسلم پر بدرجہا فائق ہے اس لئے کہ حدیث کے صحیح ہونے کا مدار اتصال سند، اتقان رواۃ، عدم شذوذ ونکارت ودیگر علل وسقم سے خالی ہونے پر ہے اور اس بناء پر صحیح بخاری

،صحیح مسلم سے بہت آگے ہے۔اتصال سند کی قوت دونوں کی شرائط سے ظاہر ہے،امام بخاری معاصرت کے ساتھ لقاء کی بھی شرط لگاتے ہیں،اورامام مسلم صرف معاصرت کی،اگر چہ صرف معاصرت اتصال کے لئے کافی ہے مگر لقاء سے جوقوت زائد ہوگی وہ کسی پر مخفی نہیں،اتقان رجال کی بات یہ ہے کہ **اولا** امام بخاری طبقۂ ثانیہ یعنی ان تلامذہ سے جوشیخ کی خدمت میں کم رہے بہت کم روایت کرتے ہیں وہ بھی چن چن کر،اور امام مسلم طبقۂ ثانیہ کی روایت بلا جھجک لاتے ہیں،**ثانیا** وہ رواۃ جن سے صرف امام بخاری روایت کرتے ہیں وہ چھ سوتیس ہیں ان میں صرف اسّی ضعیف ہیں اور جن سے صرف امام مسلم روایت کرتے ہیں وہ چھ سو بیس ہیں جن میں ایک سوساٹھ ضعیف ہیں،**ثالثا** امام بخاری کے جوراوی ضعیف ہیں وہ ان کے براہ راست استاد ہیں جن کے حالات کووہ خود جانتے ہیں ان کو اچھی طرح پرکھ سکتے ہیں برخلاف امام مسلم کے،کہ ان کے جن راویوں پرحکم ضعف ہے وہ بالواسطہ ان کے شیخ ہیں اس لئے یہ خودان کو اچھی طرح پرکھ نہیں سکتے تھے،**رابعاً** مجروح راویوں سے امام بخاری نے بہت کم روایت کی ہے جبکہ امام مسلم نے بہت زیادہ کی ہے عدم شذوذ وعدم علل قادحہ کی جہاں تک بات ہےتو اس سلسلے میں جو اعداد وشمار ہیں وہ یہ ہیں کہ بخاری کی صرف اسی احادیث میں یہ نقص نکالا گیاہے اور جبکہ امام مسلم کی ایک سوتیس میں،اس لحاظ سے بھی صحیح بخاری ،صحیح مسلم پرفوقیت رکھتی ہے یہ بات صرف موازنہ کی حدتک ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ شیخین کی صحیحین اپنی نظیر آپ ہیں۔

حضرت امام بخاری کاتعارف

ولادت:۔ حضرت امام بخاری کی ولادت ماوراء النہر کے مشہور شہر بخارا میں ۱۳/شوال المکرم ۱۹۴ھ کو بروز جمعہ مبارکہ بعد عصر ہوئی،اس وقت سلاطین عباسیہ کی سطوت وشوکت کا سکہ چاردانگ عالم میں بیٹھا ہوا

تھا، پورا ماوراء النہر بشمول بخارا انھیں کے زیر نگیں تھا، بخارا میں ان کی طرف سے والی رہتا تھا یہ عہد ہارون رشید کے بیٹے امین کا تھا۔

نام ونسب:۔ امام بخاری کا نام 'محمد' تھا اور کنیت ابوعبداللہ تھی، امیر المومنین فی الحدیث، ناصر الاحادیث النبویہ، ناشر المواریث المحمدیہ القاب ہیں مگر ان سب پر بخاری ایسا غالب آیا کہ سب القاب پیچھے رہ گئے۔ان کا سلسلہ نسب ''محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن بَردِزْبَہ، ہے، بردزبہ کے معنی کاشتکار کے ہیں یہ مجوسی تھا اور مجوسیت ہی پر مرا، امام بخاری کے پردادا مغیرہ اس وقت کے والیٔ بخارا یمان جعفی کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے اور ان کے ساتھ عقد موالات کرلیا جو احناف کے مذہب میں موجب توریث ہے جیسا کہ حدیث میں ہے 'الولاء لحمة کلحمة النسب حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے میں نے پوچھا اگر کوئی مشرک کسی مسلمان کے ہاتھ پر ایمان لائے تو سنت کیا ہے؟ فرمایا 'ھو اولی الناس بمحیاہ و مماتہ' وہ اس کی موت اور زندگی کا سب سے زیادہ حقدار ہے۔اسی وجہ سے امام بخاری کو جعفی بھی کہا جاتا ہے اور یمان امام بخاری کے شیخ مسندی کے پردادا ہیں۔ بردزبہ کے نام میں اختلاف ہے کسی نے بذذبہ، کسی نے احنف کہا کسی نے کچھ اور نام بتایا۔

والد ماجد:۔ امام بخاری کے والد محترم بڑے ممتاز بزرگ اور متبحر عالم تھے امام بخاری کے شیخ الشیخ حضرت امام عبداللہ ابن مبارک تلمیذ امام ابوحنیفہ کی صحبت میں رہتے تھے صاحب روایت محدث تھے، عبد اللہ ابن مبارک، امام مالک اور ان کے اصحاب و معاصرین سے روایت کرتے تھے بڑے ہی مستجاب الدعوات بزرگ تھے ایسے کہ بارگاہ خداوندی میں عرض کرتے کہ میری سب دعائیں دنیا ہی میں نہ قبول کرلے کچھ آخرت کے لئے رہنے دے، اکل حلال کے ایسے پابند تھے کہ حرام تو حرام مشتبہات سے بھی بچتے تھے وصال کے وقت فرمایا میرا مال حرام تو حرام شبہات سے بھی پاک ہے اکل حلال استجابت دعا کے لئے اکسیر ہے۔

یتیمی وتربیت :۔ امام بخاری ابھی صغیر السن ہی تھے کہ ان کے والد ماجد انھیں داغ یتیمی دے گئے ان کی پرورش والدہ ماجدہ نے کی عہد طفلی ہی میں امام بخاری کی بینائی جاتی رہی بہت علاج کیا مگر فائدہ نہ ہوا ان کی والدہ ماجدہ ان کی بینائی کے لئے ہمیشہ گریہ وزاری کے ساتھ دعائیں کرتی رہتیں ایک رات خواب دیکھا کہ ابوالانبیاء سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے تیری دعا قبول فرمائی تیرے بچے کی بینائی واپس فرمادی صبح کو امام بخاری بینا ہوکر اٹھے پھر آنکھوں میں وہ روشنی آئی کہ چاندی میں لکھا پڑھا کرتے تھے، خراسان میں بھی ایک دفعہ یہی حادثہ پیش آیا تو کسی نے بتایا سر مونڈوا کر خطمی کا لیپ سر پر کریں بینائی واپس آجائیگی ،امام بخاری نے یہی کیا اور پوری بینائی واپس آگئی اور ایسی کہ پھر کبھی نہ گئی۔

حفظ حدیث کی ابتداء :۔ حسب دستور امام بخاری مکتب میں ابتدائی تعلیم حاصل کررہے تھے ،جب قریب قریب دس سال کے ہوئے تو بالہام ربانی تحصیل حدیث کا شوق پیدا ہوا اور امام بخاری وہاں کے مشہور محدثین کی خدمت میں اخذ حدیث کے لئے حاضر ہونے لگے مثلاً سلام بن محمد بیکندی ،محمد بن یوسف بیکندی ،عبداللہ بن محمد مسندی اور ابراہیم بن اشعث وغیرہ۔حضرت امام بخاری کو چند مہینوں میں اتنا عبور ہوگیا کہ محدثین کوٹو کنے لگے، بخارا میں ایک مشہور محدث داخلی تھے امام بخاری ان کے پاس بھی حدیث حاصل کرنے جاتے تھے ایک دن انھوں نے ایک حدیث کی سند کتاب میں دیکھ کر اس طرح پڑھی ”سفیان عن ابی الزبیر عن ابراھیم“ امام بخاری نے بلا تاخیر ان سے کہا ابوالزبیر ،ابراہیم کے راوی نہیں ،پھر آپ نے ”عن ابی الزبیر عن ابراھیم ' کیسے پڑھا ،داخلی نے نوعمر بچہ دیکھ کر جھڑک دیا امام بخاری نے پھر کہا کہ اصل میں دیکھ لیں کیا ہے؟ اس پر امام داخلی مکان میں تشریف لے گئے اور کتاب کا اصل نسخہ لے کر آئے اور امام بخاری سے دریافت کیا تم یہ بتاؤ صحیح نام کیا ہے امام بخاری نے فرمایا یہ ابوالزبیر

نہیں بلکہ زبیر بن عدی ہیں یہی ابراہیم کے تلمیذ ہیں داخلی نے اس کے مطابق اپنی کتاب درست کر لی، اس وقت امام بخاری کی عمر صرف گیارہ سال تھی، اسی قوت حافظہ کا نتیجہ تھا کہ سولہ سال کی عمر میں امام عبداللہ ابن مبارک اور امام وکیع کی کتابیں اور اصحاب امام اعظم کی کتابیں حفظ کر لیں۔

تحصیل علم: ۔ ۲۱۰ھ میں امام بخاری کی عمر جب سولہ سال کی تھی اپنے بڑے بھائی احمد بن اسمٰعیل اور والدہ کے ہمراہ حج کو گئے والدہ اور بھائی تو حج سے فارغ ہو کر وطن واپس ہو گئے مگر امام بخاری مکہ معظّمہ ہی میں رہ گئے وہاں تحصیل علم، تصنیف و تالیف اور علم دین کی نشر و اشاعت میں مصروف رہے، اٹھارہ سال کی عمر میں ''قضایا الصحابه و التابعین'' لکھی اور اسی عمر میں اپنی مشہور کتاب، کتاب التاریخ، مزار اقدس حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھ کر چاندنی میں لکھی اور ابھی داڑھی مونچھ بھی نہیں نکلی تھی کہ محدثین نے ان سے احادیث اخذ کرنا شروع کر دیا تھا، علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ اگر امام بخاری نے جب تحصیل حدیث شروع کی تھی اسی وقت مکہ آجاتے تو ان اونچے طبقے کے محدثین سے انھیں بھی بلا واسطہ تلمذ حاصل ہو جاتا جن سے ان کے معاصرین کو ہے مگر تاخیر سے مکہ حاضری کی وجہ سے ان اونچے طبقے والوں سے تلمذ نہ ہو سکا، مگر ان کے قریب العہد بزرگوں سے حاصل ہوا مثلاً یزید بن ہارون، ابوداؤد طیالسی۔

علامہ ابن حجر کا بیان ''هدية السارى مقدمه فتح البارى'' میں مختلف ہے ص ۴۷۹ پر مبدء طلب حدیث کے باب میں یہی ہے کہ ۲۱۰ھ میں حج کیا اس حساب سے امام بخاری کی عمر اس وقت سولہ سال ہوئی لیکن ثناء الناس کے عنوان کے تحت صفحہ ۴۸۴ پر خود امام بخاری کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میں نے اٹھارہ سال کی عمر میں پہلا حج کیا، اس حساب سے ثابت ہوتا ہے کہ امام بخاری نے پہلا حج ۲۱۲ھ میں کیا تھا لیکن پہلا قول اختیار اس لئے کیا کہ اس میں علامہ ابن حجر کے الفاظ یہ ہیں کہ 'میں حمیدی کے یہاں گیا جب کہ میری عمر اٹھارہ سال کی تھی یعنی اول حج کے سال 'اول سنة حجى تو دیکھا کہ ان میں اور ایک صاحب کے درمیان ایک حدیث کے بارے میں بحث ہو رہی ہے حمیدی نے مجھے دیکھتے

ہی کہا لو وہ آ گئے جو ہمارا فیصلہ کردیں گے میں نے حمیدی کے حق میں فیصلہ دیا کیوں کہ حق ان کے ساتھ تھا ، چونکہ حج کے بعد امام بخاری مکہ ہی میں رہ گئے تھے تو ہوسکتا ہے کہ ان کی مراد یہ ہو کہ جب پہلا حج کر کے مکے میں مقیم تھا تو یہ واقعہ پیش آیا رواۃ سے تعبیر میں کچھ ردو بدل ہو گیا، علامہ قسطلانی نے بھی اپنی شرح کے مقدمہ میں یہی لکھا ہے کہ ۲۱۰ھ سولہ سال کی عمر میں حج کے لئے گئے، طبقات کبریٰ میں بھی علامہ سبکی نے یہی لکھا ہے۔

۲۱۰ھ میں امام عبدالرزاق یمن میں باحیات تھے امام بخاری نے ان کی خدمت میں حاضری کا ارادہ کیا مگر کسی نے بتایا کہ وصال ہو گیا ہے تو یمن نہیں گئے ان کے تلمیذ سے اخذ حدیث فرمائی۔ امام بخاری خود فرماتے ہیں کہ علم حدیث کی طلب کے لئے دو بار مصر، دو بار شام، دو بار جزیرہ گیا، چار بار بصرہ، چھ سال حجاز میں رہا اور کوفہ و بغداد کتنی بار گیا اس کا شمار نہیں، اس سے ظاہر ہوا کہ اس عہد میں بغداد کی طرح کوفہ بھی علم دین خصوصا علم حدیث کا مرکز اعظم تھا، آج رفاض وغیر مقلدین کے پروپیگنڈے سے متأثر ہو کر لوگ کوفہ کو جو چاہیں کہیں، مگر واقعہ یہ ہے کہ اس عہد میں کوفے کی علمی مرکزیت دنیائے اسلام میں مسلم تھی۔ اس کے علاوہ امام بخاری اور بھی دور دراز شہروں کے سفر کئے ہیں مثلا بلخ گئے اور حضرت امام اعظم کے تلمیذ مکی بن ابراہیم سے اخذ حدیث کیا، ان سے اپنی صحیح میں گیارہ ثلاثیات روایت کی ہیں، ان جگہوں کے علاوہ نیشاپور ، مرو، رئے، واسط، قیساریہ اور عسقلان وغیرہ بھی گئے۔

امام بخاری کا قوت حافظہ اور جودت ذہن:۔ تعلیم و تعلم کے لئے جو چیز سب سے زیادہ اہم ہے وہ قوت حافظہ اور جودت ذہن ہے، اللہ عزوجل نے امام بخاری کو یہ تمام باتیں بدرجۂ اتم عطا فرمائی تھی، جس کے چند واقعات گذر چکے ہیں مزید سنئے کہ ان کے حافظے کا یہ حال تھا کہ جس بات کو ایک مرتبہ سن لیتے یا پڑھ لیتے یاد ہو جاتی پھر کبھی نہ بھولتے، اسماعیل بن حاشد کہتے ہیں کہ میں اور چند ساتھی امام بخاری کے ساتھ ہم سبق تھے ہم لوگ حدیث سننے کے لئے بصرہ کے محدثین کے پاس جایا کرتے تھے ہم لوگ جو سنتے لکھ لیا

کرتے ،امام بخاری کچھ نہیں لکھتے سن کر چلے آتے ہم نے ان سے بار بار کہا کہ وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ !تم بھی جو سنو لکھ لیا کرو امام بخاری پر کچھ اثر نہ ہوا،سولہ دن کے بعد انھوں نے کہا کہ تم لوگوں نے مجھے بہت ملامت کی اور ملامت کر کے تنگ کر دیا اب تک جتنی حدیثیں لکھ چکے ہو مجھے سناؤ،اس اثناء میں پندرہ ہزار احادیث ہم لوگوں نے لکھی تھیں ،ہم نے اپنے نوشتوں سے دیکھ کر پڑھنا شروع کیا تو یہ حال ہوا کہ ہمارے نوشتوں میں تو غلطی تھی لیکن امام بخاری کی یادداشت میں کوئی غلطی نہ تھی ہم نے اپنے مکتوبات کی ، ان کے یادداشت سے تصحیح کی ، پورے مقابلے کے بعد فرمایا تم لوگ سمجھتے ہو کہ میری سرگردانی بے کار ہے میں وقت ضائع کر رہا ہوں ۔محمد بن ازہر کہتے ہیں کہ میں محمد بن حرب کے یہاں حدیث سننے کے لئے جاتا تھا ،امام بخاری بھی جاتے تھے میں لکھتا تھا وہ نہیں لکھتے تھے کسی نے کہا محمد بن اسماعیل لکھتے نہیں تو میں نے کہا اگر تم سے کوئی حدیث لکھنے سے رہ جائے تو ان سے پوچھ کے لکھ لینا ،محمد بن حاتم کہتے ہیں کہ ایک دفع ہم لوگ 'فریابی' کے حلقۂ درس میں حاضر تھے امام بخاری بھی تھے ،فریابی نے ایک حدیث کی سند یوں بیان کی ”حدثنا سفیان عن ابی عروبۃ عن ابی الخطاب عن ابی حمزۃ“ اس سند میں حضرت فریابی نے راویوں کی کنیتیں ذکر کیں نام نہیں لیا پھر پوچھا بتاؤ کہ ان تینوں کے نام کیا ہیں ،حاضرین مجلس نہ بتا سکے ۔امام بخاری نے بتایا کہ عروبہ ،معمر بن راشد ہیں اور ابوالخطاب قتادہ بن دعامہ اور ابوحمزہ حضرت انس ہیں ،امام بخاری کے منھ سے سنتے ہی حاضرین پر سکتہ طاری ہو گیا۔

ایک دفعہ سمرقند میں چار سو محدثین نے متفقہ طور پر طے کیا کہ امام بخاری کو مغالطہ میں ڈال دیں اس کے لئے انھوں نے عراق کی اسناد میں شام کی اور شام کی اسناد میں عراق کی ،حرم کی اسناد میں یمن کی اور یمن کی اسناد میں حرم کی خلط ملط کر کے سات دن تک یہ لوگ امام بخاری کو پریشان کرتے رہے مگر ان کا حربہ کارگر نہ ہوا یہ لوگ ایکبار بھی امام بخاری کو مغالطہ نہ دے سکے نہ سند میں نہ متن میں ۔

بغداد میں امتحان :۔ اسی طرح امام بخاری جب بغداد تشریف لے گئے تو وہاں کے محدثین

نے ان کے حافظے اور وسعت علم کا امتحان لینا چاہا، اس کے لئے باہمی مشورے سے یہ طے کیا کہ ایک سو حدیث کے متون واسناد میں ردوبدل کر کے انھیں جانچا جائے چنانچہ سو احادیث میں سے ہر ایک کے متن کو دوسری سند کے ساتھ اور دوسرے کی سند کو اس کے متن کے ساتھ ملا دیا گیا، دس آدمی سوال کرنے کے لئے منتخب ہوئے، ایک ایک شخص کو دس دس حدیثیں دی گئیں ایک تاریخ مقرر ہوئی اس میں امام بخاری مجلس عام میں تشریف لائے اور ہزارہا ہزار محدثین، فقہا، عوام وخواص شریک ہوئے جب مجمع پرسکون ہو گیا تو حسب قرارداد ایک شخص کھڑا ہوا اس نے ایک ایک کر کے اپنی دسوں حدیثوں کو پڑھا ہر حدیث سننے کے بعد امام بخاری یہ فرماتے تھے کہ میں اسے نہیں پہچانتا، اسی طرح دسوں آدمیوں نے باری باری کھڑے ہو کر اپنے اپنے سوال کو دہرایا سب کا جواب یہ تھا کہ میں اسے نہیں جانتا، اس پر بے علم خوش ہوئے امام بخاری واقعی ان احادیث کو نہیں جانتے مگر اہل علم جان گئے کہ معاملہ کیا ہے، جب دسوں آدمی بیٹھ گئے تو امام بخاری نے پہلے شخص سے فرمایا آپ نے جو پہلی حدیث پڑھی تھی وہ اس طرح نہیں، صحیح یوں ہے اس متن کی سند یہ ہے جس ترتیب سے اس نے پیش کی تھی اسی ترتیب سے ہر ایک کی تصحیح کرتے گئے یہاں تک کہ دسوں آدمیوں کی بیان کردہ سو احادیث پر اسی ترتیب سے کلام فرمایا جس ترتیب سے ان لوگوں نے سوال کیا تھا جب امام بخاری فارغ ہوئے تو تمام مجلس سے تحسین وآفریں کا شور اٹھا اور حاضرین نے امام بخاری کے خدا داد فضل وکمال کا لوہا مان لیا اسی موقع پر کسی زندہ دل نے کہا 'ھذا کبش نطاح' یہ زبردست سینگ مارنے والا مینڈھا ہے۔ سلیم بن مجاہد کا بیان ہے کہ ایک دن محمد بن سلام بیکندی کے حلقۂ درس میں پہنچا تو انھوں نے فرمایا تھوڑی دیر پہلے اگر آئے ہوتے تو میں تم کو وہ بچہ دکھاتا جسے ستر ہزار حدیثیں یاد ہیں سلیم کہتے ہیں کہ میں یہ سنکر وہاں سے اٹھا اور امام بخاری کی تلاش شروع کر دی آخر کار ان کو ڈھونڈ نکالا، ان سے پوچھا کہ کیا تمھیں وہ صاحبزادے ہو جنھیں ستر ہزار حدیثیں یاد ہیں، امام بخاری نے فرمایا مجھے اس سے بھی زیادہ حدیثیں یاد ہیں اور میں جن جن صحابہ سے روایت کرتا ہوں ان میں اکثر کے مفصل حالات جانتا ہوں، مجھے یہ بھی معلوم

ہے کہ کہاں پیدا ہوئے، کہاں ان کا وصال ہوا، کہاں رہتے تھے اور میں صرف اسی حدیث کی روایت کرتا ہوں جس کی اصل کتاب وسنت میں پاتا ہوں یہ واقعہ سولہ سال سے کم عمر کا ہے۔[طبقات الشافعیۃ الکبریٰ]

تعدد طرق پر احاطہ:۔ اس عہد میں احادیث کا ایسا چرچا تھا کہ جسے بھی دین سے شغف ہوتا وہ کچھ نہ کچھ احادیث مع سند ومتن ضرور یاد رکھتا، اس کا نتیجہ تھا ایک حدیث بیسوں سند کے ساتھ منتشر تھی ،محدثین اپنی اپنی صواب دید پر ایک یا چند طریقے پسند فرما لیتے، امام بخاری کا اس خصوص میں بھی یہ امتیاز ہے کہ اس عہد میں احادیث کے جوطرق موجود تھے ان سب پر انھیں احاطہ تھا وہ بھی پوری ردوقدح، جرح وتعدیل کے ساتھ، اس سلسلے میں بھی متعدد واقعات ملتے ہیں۔ یوسف بن موسیٰ مروزی کا بیان ہے کہ میں بصرے کی جامع مسجد میں بیٹھا ہوا تھا، منادی کی آواز سنائی دی اے علم کے طلبگارو! محمد بن اسمٰعیل یہاں آئے ہوئے ہیں جن کو ان سے حدیث سننی ہو وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوں، یوسف نے بتایا کہ میں نے دیکھا کہ ایک دبلا پتلا نوجوان ستون کے پاس حد درجہ سادگی، پورے خشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہے یہی امام بخاری تھے۔ منادی کی ندا سنکر لوگ چاروں طرف سے ان کے گرد اکٹھے ہو گئے لوگوں نے ان سے درخواست کی ہمیں احادیث لکھانے کے لئے کوئی مجلس منعقد کیجئے امام بخاری نے دوسرے دن کے لئے وعدہ کرلیا، دوسرے دن صبح کو مجلس درس منعقد ہوئی، امام بخاری نے فرمایا اے اہل بصرہ میں وہی احادیث لکھواؤنگا جو تمھارے شہر کے محدثین کے پاس ہے مگر ایسی سند کے ساتھ جو ان کے پاس نہیں، اس کے بعد امام بخاری نے منصور کی سند سے ایک حدیث لکھوائی اور بصرہ میں یہ حدیث دوسری سندوں کے ساتھ مشہور تھی، اسی طرح امام بخاری نے کثیر احادیث لکھوائیں اور سب کے بارے میں فرمایا تمھارے یہاں کے لوگ اس سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں اور میں فلاں سند کے ساتھ روایت کرتا ہوں۔

علل قادحہ پر مہارت:۔ کبھی بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حدیث ہر عیب سے پاک ہے جرح کی کوئی گنجائش نہیں مگر حقیقت میں کوئی ایسا سقم ہوتا ہے کہ وہ حدیث ساقط الاعتبار ہو جاتی ہے مثلاً بظاہر متصل ہے مگر حقیقت میں متصل نہیں، بظاہر مرفوع ہے مگر حقیقت میں موقوف ہے یا متن میں رد وبدل ہو گیا ہے یا سند میں، یا کسی راوی سے وہم ہو گیا ہے، اس کی شناخت حدیث کا بہت اہم فن ہے حتیٰ کہ عبدالرحمٰن ابن مہدی نے کہا کہ ان علل کی معرفت بغیر الہام کے نہیں ہوسکتی، محدثین نے فرمایا کہ کبھی ایسا ہوتا

ہے کہ محدث یہ پہچان جاتا ہے کہ یہ حدیث معلول ہے مگر علت کسی کونہیں بتا سکتا جیسے ماہر سنار سونے کو پرکھ کر جان جاتا ہے کہ کیسا ہے مگر دوسرے شخص کو سمجھا نہیں سکتا، اس فن میں بھی امام بخاری یکتا تھے۔ایک دفعہ نیشاپور میں جو امام مسلم کا وطن تھا امام بخاری تشریف فرما تھے امام مسلم، امام بخاری سے ملاقات کے لئے آئے اسی اثناء میں کسی نے یہ حدیث پڑھی، "عن ابن جریج عن موسیٰ ابن عقبة عن سهيل ابن ابی صالح عن ابيه عن ابی هريرة عن النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال كفارة المجلس اذا قام العبدان يقول سبحنك اللهم و بحمدک اشهد ان لا اله الا انت استغفرک و اتوب اليک "یعنی ابن جریج موسی بن عقبہ سے روایت کرتے ہیں وہ سہیل بن ابی صالح سے وہ اپنے باپ سے وہ حضرت ابو ہریرہ سے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجلس کا کفارہ یہ ہے کہ جب کھڑے ہو تو یہ پڑھ لیا کرو'اے اللہ ہم تیری تسبیح کرتے ہیں تیری حمد کے ساتھ، میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، میں تیری طرف توبہ کرتا ہوں اور تیری بخشش کا طالب ہوں۔

اس حدیث کو سن کر امام مسلم نے کہا سبحان اللہ کتنی عمدہ حدیث ہے۔کیا اس حدیث کی سند اس سے بڑھ کر دنیا بھر میں ہے؟ امام بخاری نے فرمایا نعم لٰکنه معلول ہاں سند تو اچھی ہے لیکن معلول ہے، امام مسلم اس کو سنتے ہی کانپ اٹھے اور کہا 'لا اله الا الله' آپ مجھے اس کی علت بتا دیجئے، امام بخاری نے فرمایا ،اللہ عزوجل نے جس چیز کو پوشیدہ رکھا ہے اسے پوشیدہ ہی رہنے دو، امام مسلم نے اٹھ کر امام بخاری کے سر کو بوسہ دیا اور عاجزی کے ساتھ درخواست کرتے رہے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ رو دینگے، آخر کار امام بخاری نے فرمایا اتنا بضد ہو تو اس کی غیر معلول سند سنو، "حدثنا موسیٰ بن اسماعيل حدثنا وهيب حدثنا موسیٰ بن عقبة عن عون بن عبد الله قال قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم كفارة المجلس، الحديث"

اس کو سننے کے بعد امام مسلم باغ باغ ہو گئے اور امام بخاری سے کہا، اے امام میں شہادت دیتا ہوں کہ دنیا میں آپ کی نظیر نہیں، جو آپ سے بغض رکھے وہ حاسد، اس قصے کو بیہقی نے مدخل میں اس طرح لکھا ہے، امام مسلم امام بخاری کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور عرض کیا کہ اجازت دیجئے کہ آپ کے پاؤں کو بوسہ دوں اے استاذ الاستاذین وسید المحدثین وطبیب الحدیث فی علله۔آپ سے

محمد بن سلام نے یہ حدیث بیان کی ہے، "حدثنا محمد بن مخلد بن یزید قال اخبرنا ابن جریج حدثنی موسیٰ بن عقبۃ عن سھیل بن ابی صالح عن ابیہ عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی کفارۃ المجلس، الحدیث"

یہ سن کر امام بخاری نے فرمایا یہ حدیث مجھ سے اور ایک طریقے سے بیان کی گئی ہے۔

"حدثنا احمد بن حنبل و یحییٰ بن معین قالا حدثنا حجاج بن محمد عن بن جریج قال حدثنی موسیٰ بن عقبۃ عن سھیل عن ابیہ عن ابی ھریرۃ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال کفارۃ المجلس، الحدیث"

یہ حدیث سنا کر امام بخاری نے فرمایا یہ حدیث اچھی ہے، اس سند کے ساتھ دنیا میں سوائے اس کے اور کوئی حدیث نہیں، مگر یہ معلول ہے اس لئے کہ موسیٰ بن عقبہ کا سماع سہیل سے ثابت نہیں، پھر سابقہ مذکورہ طریقے سے حدیث بیان فرمائی اور فرمایا یہ اس سے بھی بہتر ہے۔ نیشاپور ہی کا واقعہ ہے کہ ایک بار محمد بن یحییٰ ذہلی اور امام بخاری ایک جنازے میں جا رہے تھے، ذہلی امام بخاری سے رواۃ اور علل کے بارے میں سوالات کرتے جاتے تھے اور وہ فرفر تیر کی طرح یوں بتاتے جاتے تھے جیسے 'قل ھو اللہ احد' پڑھ رہے ہوں۔

عادات وخصائل:۔ امام بخاری کے والد نے ترکے میں بہت زیادہ مال چھوڑا تھا اور وہ اس مال کو مضاربت پر دیتے تھے ایک دفعہ ایک شخص کے ذمے پچیس ہزار درہم امام بخاری کے باقی پڑ گئے امام بخاری نے دس درہم ماہانہ کی قسط مقرر فرما دیا مگر پھر بھی کچھ وصول نہ ہوا۔ ایک بار ابو حفص نے امام بخاری کے پاس کچھ سامان تجارت بھیجا کہ اسے بیچ دیں تاجروں کو پتہ چلا تو امام بخاری کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور پانچ ہزار درہم نفع دینے کو کہا، یہ رات کا وقت تھا امام بخاری نے فرمایا اس وقت آپ لوگ جائیں اور صبح کو آیئے گا دوسرے دن صبح کو تاجروں کا دوسرا گروہ آیا اس نے دس ہزار نفع دینے کو کہا امام بخاری نے فرمایا میں نے رات ہی کو نیت کر لی تھی کہ پہلے گروہ کو دوں گا، نیت بدلنا پسند نہیں کرتا۔ ایک بار امام بخاری لکھ رہے تھے آپ کی باندی گذری اس کے پاؤں سے دوات کو ٹھوکر لگی اور دوات گر گئی امام بخاری نے اس سے فرمایا دیکھ کر چلا کرو باندی نے شوخی سے جواب دیا جب راستہ نہ ہو تو کیا کروں؟ آپ نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا اور کہا

، جاؤتم آزاد ہو۔ امام بخاری نے کبھی اپنی ذات کا کسی سے بدلہ اور انتقام نہیں لیا ان کے اساتذہ میں محمد بن یحییٰ ذہلی تھے یہی بزرگ اس کا سبب بنے کہ امام بخاری کو نیشاپور چھوڑنا پڑا مگر امام بخاری نے پھر بھی ان کی مرویات کو صحیح بخاری میں درج فرمایا، البتہ بجائے محمد بن یحییٰ کے یا تو صرف محمد ذکر کرتے ہیں یا بجائے باپ کے پردادا کی طرف نسبت کر کے محمد بن خالد لکھتے ہیں۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو بتایا کہ ذہلی مجھ پر جرح کرتا ہے اگر میں اس کا نام بطرز مشہور لکھوں تو وہ متعین ہو جائے گا لوگ کہیں گے کہ جو شخص ان پر جرح کرتا ہے اس کو یہ عادل جانتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کی جرح درست ہے اور میں مجروح ہوں یعنی عادل وہ ہے جو جھوٹ نہ بولے اور جب ذہلی نے امام بخاری پر جرح کیا تو اگر جرح صحیح ہے تو امام بخاری مجروح ہوئے، اور اگر جرح غلط تو ذہلی کاذب اور غیر عادل ٹھہرے۔ مگر خلجان اب بھی باقی رہتا ہے کہ جب ذہلی نے امام بخاری پر جرح کی تو صرف روایت میں ان کا نام بدلنے سے یہ احتمال کیسے ختم ہو گیا وہ تو اب بھی اپنی جگہ باقی رہا اگر ذہلی صادق تو امام بخاری مجروح اور امام بخاری بے داغ تو ذہلی غیر عادل۔ بات یہ ہے کہ معاصرین کی جرحیں قابل اعتنا نہیں جب کہ یہ معلوم ہو کہ یہ کسی اختلاف کی وجہ سے کر رہا ہے، امام بخاری اور ذہلی کے درمیان مسئلۂ خلق قرآن پر شدید اختلاف ہوا جس کی قدرے تفصیل آئندہ آئے گی، اس اختلاف کی وجہ سے ذہلی امام بخاری پر معاصرانہ چشمک کی وجہ سے جرح کرتے تھے اس لئے وہ جرح ناقابل اعتبار ہے یہ بات پہلے گذری ہے کہ امام بخاری نے میراث میں کثیر دولت پائی تھی، چاہتے تو رئیسانہ ٹھاٹھ باٹھ سے زندگی گذارتے مگر امام بخاری بہت سادہ، زاہدانہ طور پر زندگی گزر بسر کرتے تھے۔ چوبیس گھنٹے میں دو تین بادام پر گزارہ کرتے، کبھی صرف سوکھی گھاس پر اکتفا کرتے، چالیس سال تک بے شوربے کے سوکھی روٹی کھائی، بیمار پڑے اور اطباء نے قارورہ دیکھا تو انھوں نے بتایا کہ ان کا قارورہ راہبوں کے قارورے کے مثل ہے یہ صرف سوکھی روٹی کھاتے ہیں جس سے آنتیں سوکھ گئی ہیں لوگوں کے بہت اصرار کرنے پر بمشکل تمام شیرۂ انگور سے روٹی کھانا قبول کیا۔

محمد بن حاتم وراق کہتے ہیں کہ امام بخاری جب سفر میں رہتے تو ہم تمام خدام کو ایک کمرے میں رکھتے اور خود سب سے علیحدہ ایک کمرے میں رہتے، ایک بار میں نے دیکھا کہ وہ رات میں پندرہ بیس مرتبہ

اٹھے اور چقماق سے آگ جلا کر چراغ جلاتے اور احادیث کے دفاتر پڑھتے کہیں کہیں نشان لگاتے اور پھر تکیہ پر سر رکھ کر لیٹ جاتے میں نے عرض کیا کہ رات کو آپ نے بار بار خود زحمت اٹھائی مجھے جگا دیتے ،فرمایا تم جوان ہو اور گہری نیند سوتے ہو تمھاری نیند خراب ہوتی۔

امام بخاری بہت ماہر تیر انداز تھے ،شاید باید ہی کوئی تیر خطا کرتا ،ابو جعفر کہتے ہیں کہ اپنی طویل صحبت میں صرف دو بار میں نے ان کے تیر کو خطا کرتے دیکھا ہے ایک مرتبہ فربر میں تھے ،امام بخاری سوار ہو کر تیر اندازی کے لئے نکلے ،خدام ساتھ تھے شہر پناہ کے اس دروازے پر جس سے نہر کے اس دہانے تک راستہ جاتا ہے ہم لوگ تیر اندازی کرنے لگے امام بخاری کا ایک تیر پل کی میخ میں جا لگا جس سے میخ پھٹ گئی ،امام بخاری نے فوراً تیر اندازی موقوف کر دی اور ہم لوگوں کو واپسی کا حکم دیا اور ایک گہرا سانس لیا اور ابو جعفر سے فرمایا تم سے ایک کام ہے اس پل کے مالک کے پاس جاؤ اور کہو کہ بخاری کے تیر سے میخ پھٹ گئی ہے ،دو باتوں میں سے ایک کرو یا تو اجازت دو ہم اس کی میخ بدل دیں یا اس کی قیمت لے لو اور غلطی معاف کرو اس پل کے مالک ،حمید بن اخضر تھے ،میں نے جا کر امام بخاری کا پیغام انھیں پہنچایا تو حمید نے کہا کہ امام بخاری سے جا کر میرا سلام کہو اور عرض کرو آپ سے مواخذہ نہیں میرا تمام مال آپ پر قربان ،میں نے واپس آ کر امام بخاری کو جب ان کا جواب سنایا تو ان کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا اور فرط مسرت میں اس دن ہم لوگوں کو پانچ سو احادیث سنائیں اور تین سو درہم صدقہ کئے۔ ایک دن امام بخاری حدیث بیان کر رہے تھے ان کے ایک تلمیذ ابو معشر ضریر کو وہ حدیث بہت پسند آئی وہ عالم کیف میں ہاتھ اور سر ہلانے لگے ان کی اس حرکت پر امام بخاری مسکرا دیئے ،پھر بعد میں امام بخاری کو اس کا احساس ہوا اور ابو معشر ضریر سے معافی مانگی۔

امام بخاری فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی کسی کی غیبت نہیں کی ہے ،مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن اللہ عز وجل مجھ سے غیبت پر مواخذہ نہیں فرمائے گا اس میں اتنے محتاط تھے کہ نقد و جرح میں راویوں کے حالات بیان کرنا ضروری ہے مگر آپ نے اس موقع پر بھی انتہائی احتیاط کی یہاں تک کہ بدرجۂ مجبوری اگر کسی کے کاذب ہونے کو ظاہر کیا ہے تو بطور حکایت ،مثلاً کذبہ فلاں ، رماہ بالکذب فلاں' ایک بار جبکہ

فربر میں قیام تھا بخارا کے قریب ایک مسافر خانہ کی امام بخاری نے تعمیر شروع کی خدام ومعتقدین کو ساتھ لے کر کام شروع کیا، کام شروع ہوا تو بہت سے لوگ رضا کارانہ طور پر کام کرنے کے لئے آگئے انبوہ کثیر جمع ہو گیا امام بخاری خود کام کرتے، اینٹیں اٹھاتے، دیوار میں لگاتے، ایک خادم نے عرض کیا آپ رہنے دیں ہم لوگ کافی ہیں فرمایا یہ تکلیف آخرت میں نفع بخش ہوگی، کام کرنے والوں کے لئے امام بخاری نے ایک گائے ذبح کی، ہم فربر سے تین روپئے کی روٹیاں لائے تھے ایک روپے کی پانچ من کے حساب سے ۔ پندرہ من روٹیاں تھیں، آج کل کے حساب سے یہ کل روٹیاں چونتیس کلوگرام سے کچھ تھوڑی سی زائد تھیں ، ابتدا میں امام بخاری کے ساتھ صرف سو آدمی تھے مگر اب تعداد بہت بڑھ گئی تھی تاہم اس کے باوجود امام بخاری کی کرامت تھی کہ سب نے آسودہ ہو کر کھایا اور روٹیاں کافی بچ بھی گئیں۔ امام بخاری کی فیاضی کا عالم یہ تھا کہ کبھی کبھی ایک دن میں تین تین سو درہم صدقہ کر دیا کرتے، مضاربت سے ان کی آمدنی پانسو ماہانہ تھی یہ ساری رقم طلبہ پر صرف کر دیتے تھے ایام تحصیل میں اپنے شیخ آدم ابن ایاس کے یہاں تھے کھانے پینے کا سامان ونقد سب خرچ ہو گیا گھر سے خرچ آنے میں دیر ہوگئی، ان دنوں انھوں نے گھاس کھا کھا کر گزارا کیا ، کسی سے سوال کیا کرتے قرض بھی نہیں مانگا، تیندن یہی حال رہا تیسرے دن ایک اجنبی صاحب آئے جنھیں امام بخاری بھی پہچانتے نہ تھے، انھوں نے اشرفیوں کی تھیلی نذر کی۔

عبادت وریاضت :۔ ان سب خوبیوں پر مستزاد یہ کہ بہت ہی زبردست عبادت گذار تھے، کثرت سے نوافل پڑھتے تھے، شب بیداری کرتے، قرآن مجید کی تلاوت کا اتنا شوق تھا کہ گویا وہ روحانی غذا تھی، رمضان المبارک آجاتا تو تلاوت قرآن مجید تقریبا چوبیس گھنٹے جاری رہتی، بعد عشاء تراویح پڑھتے اس میں ہر رکعت میں بیس آیات کی تلاوت کرتے، اس طرح پورا قرآن مجید مکمل فرماتے، پھر آدھی رات سے سحر تک دس پارے روز پڑھتے، دن میں روزانہ پورا قرآن مجید ختم کرتے، افطار کے وقت ختم فرماتے ، ان کا ارشاد ہے کہ ہر قرآن مجید کے ختم کے وقت دعا قبول ہوتی ہے۔

امام بخاری کا یہ عمل نشان ہدایت ہے اس سے غیر مقلدین کو ہدایت حاصل کرنی چاہئے جو اپنے آپ کو امام بخاری کا کٹر مقلد مانتے ہیں مگر پھر بھی سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یہ اعتراض

کرتے ہیں کہ وہ روزانہ ایک ختم قرآن مجید پڑھتے تھے یہ ناجائز وبدعت ہے، امام اعظم کے اس ختم کوتو بدعت کہہ دیا امام بخاری کے اس عمل کو کیا کہینگے کہ وہ روزانہ ایک ختم دس پارے، چارسو آیات کی تلاوت کرتے تھے۔ نیز غیر مقلدین نے آرام پسند کاہل افراد کو اپنے دام میں پھنسانے کے لئے تراویح بجائے بیس کے آٹھ رکعت کردی ہے وہ آئیں اور دیکھیں کہ امام بخاری بھی بیس ہی رکعت تراویح پڑھتے تھے، اس لئے کہ قرآن میں کم ازکم چھ ہزار آیتیں ہیں اور آٹھ رکعت میں کل ایک سوساٹھ آیتیں ہوتی ہیں، اس طرح تیس رات میں کل چار ہزار ساٹھ آیتیں ہوئیں، اگر یہ مان لیا جائے کہ امام بخاری آٹھ رکعت پڑھتے تھےتو لازم آئے گا کہ تراویح میں پورا قرآن ختم نہ کرتے، یہ روایت کے خلاف ہونے کے ساتھ، خلاف سنت بھی ہے، کیوں کہ سنت یہ ہے کہ کم ازکم ایک ختم قرآن مجید پڑھا جائے اور احناف کے مسلک پر بلا کسی دغدغے کے درست ہے کہ بیس رکعت میں بحساب فی رکعت بیس آیات، چارسو ہوئیں اور پندرہ دن میں چھ ہزار ،اس طرح فی رکعت بیس آیات کے حساب سے قرآن مجید رمضان شریف میں ضرور ختم ہوجاتا ہے، زیادہ سے زیادہ یہ لازم آئیگا کہ امام بخاری پندرہ ہی دنوں میں تراویح کے اندر ختم قرآن کر لیتے تھےلیکن اس لزوم میں کوئی حرج نہیں۔ اس کا امکان ہے کہ پندرہ دن قرآن مجید اور پندرہ دن سورہ تراویح پڑھتے ہوں،

علامہ ابن حجر عسقلانی نے ''ھدی الساری مقدمہ فتح الباری''میں لکھا ہے ''اذا کان اول لیلۃ من رمضان یجتمع الیہ اصحابہ فیصلی بھم ویقرأ فی کل رکعۃ عشرین آیۃ وکذالک الیٰ ان یختم القرآن،، [مقدمہ فتح الباری، ص ۴۸۲]

یہ بھی ضروری نہیں کہ صرف ایک ہی قرآن ختم کرتے ہوں ہوسکتا ہے دو قرآن ختم کرتے ہوں، اس دوسرے احتمال پر یہ شبہ وارد ہوتا ہے کہ اگر رمضان انتیس دن کا ہوتو لازم آئیگا کہ کسی دن بیس کے بجائے چالیس آیتیں پڑھی جائیں، اس کا جواب یہ ہے کہ باعتبار اغلب، اکثر کے بیس آیتوں کو ذکر کیا گیا، اور یہ تو اتنا اغلب واکثر ہے کہ انتیس دن میں صرف ایک دن کا تخلف ہے۔

عبادت میں استغراق:۔ ایک دفعہ کسی باغ میں امام بخاری کی دعوت تھی ،ظہر کی نماز کے بعد نفل پڑھنی شروع کی جب نماز سے فارغ ہوئے تو اپنے کرتے کا دامن اٹھایا اور اپنے ایک ساتھی سے کہا! دیکھوتو

میرے کرتے کے اندر کچھ ہے؟ انھوں نے دیکھا کہ ایک بھڑ ہے جس نے سولہ سترہ جگہ ڈنک مارا ہے اور یہ سب جگہیں سوجھ گئی ہیں، کسی نے کہا کہ پہلی بار جب اس نے ڈنک مارا تھا تو نماز کیوں نہیں توڑ دی؟ فرمایا میں ایک سورہ پڑھ رہا تھا اسے پوری کئے بغیر نماز توڑنے کو جی نہیں چاہا۔

آداب مسجد:۔ ایک دفعہ امام بخاری مسجد میں حدیثیں بیان فرمارہے تھے کہ ایک شخص نے اپنی داڑھی میں لگے ہوئے تنکے کو نکال کر مسجد کے فرش پر ڈال دیا، امام بخاری نے لوگوں کی نظریں بچاکر اس تنکے کو اٹھا کر اپنی آستین میں رکھ لیا، لوگوں کے چلے جانے کے بعد اس تنکے کو مسجد کے باہر پھینکا، اس سے ان لوگوں کو سبق حاصل کرنا چاہئے جو اپنے کپڑوں کو گرد سے بچانے کے لئے مسجد کی چٹائیاں جھاڑ کر مسجد کے فرش پر گرادیتے ہیں، فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ چٹائی کے گرد وغبار کو جھاڑ کر مسجد کے فرش پر کرنا منع ہے یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی اپنے پہنے ہوئے کپڑے سے گندگی پونچھ کر اپنے بدن میں مل لے اسے کون پسند کریگا ،اصل مسجد فرش ہے اور چٹائی وغیرہ اس کا لباس۔

اعتراف فضل:۔ امام بخاری کے کمال کی معراج یہ ہے کہ ان کے فضائل ومناقب کا اعتراف خود ان کے عہد کے تمام اساطین ملت وائمۂ حدیث اور ارباب فضل وکمال نے کیا اور ان کے بارے میں ایسے ایسے عظیم الشان کلمات مدح وثنا کہے ہیں جو امام بخاری کی جلالت شان کی دستاویز ہیں اور ان میں صرف تلامذہ اور اصاغر ہی نہیں بلکہ اساتذہ بھی ہیں اور معاصرین بھی، اگر ان تمام کلمات کو جمع کیا جائے تو ہزاروں صفحات ناکافی ہیں، علامہ ابن حجر جیسے علم کے بحر ناپیدا کنار نے یہاں تک لکھ دیا کہ امام بخاری کی عظمت شان میں اتنے کلمات کہے گئے ہیں کہ اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو کاغذ وقلم ختم ہوجائیں گے مگر کلمات ختم نہ ہونگے اس لئے کہ وہ ایسے بحر تھے جس کا کوئی ساحل نہیں۔

کلمات اساتذہ:۔ ابومصعب احمد بن ابوبکر زہری نے کہا کہ محمد بن اسمعیل حدیث کی بصیرت اور حدیث کی سمجھ امام احمد بن حنبل سے زیادہ رکھتے ہیں۔ کسی نے اس پر تعجب کرتے ہوئے کہا آپ حد سے

آگے بڑھ گئے تو ابو مصعب نے کہا اگر تم مالک کا زمانہ پاتے اور انھیں اور امام بخاری کو دیکھتے اور پہچانتے تو کہتے دونوں ایک ہی ہیں، قتیبہ بن سعید نے کہا، میں فقہاء، زہاد، عباد کے پاس بیٹھا میں نے ان جیسا کسی کو نہیں دیکھا وہ اپنے زمانے میں ایسے تھے جیسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ میں، امام احمد ابن حنبل نے فرمایا سرزمین خراسان نے آج تک بخاری جیسا پیدا نہیں کیا، قتیبہ سے شراب کے نشہ سے مست کی طلاق کے بارے میں سوال ہوا اتنے میں امام بخاری آگئے قتیبہ نے امام بخاری کی طرف اشارہ کر کے کہا لو یہ احمد بن حنبل، اسحٰق بن راہویہ اور علی بن مدینی کو اللہ تعالیٰ نے تمھارے یہاں بھیج دیا یعنی یہ تنہا ان تینوں ائمہ کے مجموعہ ہیں ۔۔ اسحٰق بن راہویہ ایک مرتبہ مسجد میں منبر پر بیٹھے ہوئے حدیث بیان کر رہے تھے، امام بخاری بھی موجود تھے ایک حدیث پر انھیں امام بخاری نے ٹوک دیا اسحٰق بن راہویہ نے امام بخاری کے قول کو مان لیا اور حاضرین سے فرمایا، اے محدثین ! اس جوان کو دیکھو، ان سے حدیثیں سیکھو اگر امام حسن بصری کے زمانہ میں ہوتے تو وہ بھی حدیث وفقہ کی معرفت میں ان کے محتاج ہوتے،

علی بن مدینی نے کہا، بخاری نے اپنے مثل کو نہیں دیکھا بخاری جس کی تعریف کر دیں وہ ہمارے نزدیک پسندیدہ ہے حالانکہ علی بن مدینی وہ جلیل محدث ہیں کہ خود امام بخاری نے فرمایا 'میں نے علی بن مدینی کے علاوہ کسی کے سامنے اپنے کو چھوٹا نہیں سمجھا، رجاء بن رجاء نے کہا 'بخاری کی فضیلت علما پر ایسی ہے جیسے مردوں کی عورتوں پر، وہ اللہ کی آیتوں میں سے ایک آیت ہیں جو زمین پر چلتے ہیں۔

کلمات معاصرین:۔ یہ تو بہت ہوتا ہے کہ شفیق اساتذہ اپنے ہونہار تلامذہ کو نوازتے ہیں مگر ایک معاصر دوسرے معاصر کے فضل وکمال کا بہت کم اعتراف کرتا ہے اپنے اوپر تفوق تسلیم کرنا تو بہت دور کی بات ہے اپنے برابر بھی تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوتا کہ معاصرانہ چشمک مشہور ہے، مگر امام بخاری کے فضل

وکمال کا یہ زریں ورق ہے کہ ان کے معاصرین نے بھی نہایت صفائی اور تصریح کے ساتھ ان کے فضل وکمال کا اعتراف کیا بلکہ اپنے اوپر ان کی برتری کو تسلیم کیا ہے۔

عبد اللہ بن عبد الرحمٰن دارمی نے کہا' میں نے حرمین ،حجاز ،شام ،عراق کے علما کو دیکھا مگر امام بخاری جیسا جامع کسی کونہیں پایا وہ اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ سمجھ والے ہیں ۔ابوالطیب حاتم بن منصور نے کہا کہ امام بخاری علم کی بصیرت اور عبور میں اللہ کی آیتوں میں سے ایک آیت ہیں ۔

امام ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ نے کہا' آسمان کے نیچے بخاری سے زیادہ حدیث جاننے والا کوئی نہیں ۔امام ترمذی نے کہا' علل واسانید کا بخاری سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں ۔

امام مسلم نے ان سے مخاطب ہوکر کہا' آپ کے مثل دنیا میں کوئی نہیں ، مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کے پاؤں کو بوسہ دوں' اے استاذ الاستاذین ، سید المحدثین ، طبیب الحدیث فی عللہ ،،

ابوعمر خفاف نے کہا'' بخاری نے اپنا مثل نہیں دیکھا ، یہ امام احمد اور اسحٰق وغیرہ سے بیس درجے اعلم بالحدیث ہیں جو ان کی گستاخی کرے اس پر میری طرف سے ہزار لعنت''

عبد اللہ بن حماد آملی نے کہا'' میری آرزو ہے کہ میں امام بخاری کے جسم کا ایک بال ہوتا اور جو شرف اس بال کو حاصل ہے مجھے حاصل ہوتا ،،

سلیم بن مجاہد نے کہا' میں ساٹھ سال سے بخاری سے زیادہ فقیہ اور پرہیز گار کسی کو نہیں دیکھا ۔موسیٰ بن ہارون حمال بغدادی نے کہا' اگر تمام اہل اسلام اکٹھے ہوکر یہ چاہیں کہ محمد بن اسمٰعیل جیسا کوئی اور پالیں تو یہ ناممکن ، رہ گئے تلامذہ اور بعد کے علما نے کیا کہا ، اس کا سلسلہ اتنا دراز ہے کہ اس کی کوئی حد نہیں ۔

امام بخاری کے مشائخ واساتذہ کے طبقات

امام بخاری کا فضل وکمال یہ بھی کچھ کم نہیں کہ انھوں نے علم حدیث کی تحصیل میں اس کا لحاظ نہیں کیا کہ جس سے حدیث حاصل کرر ہے ہیں یہ ہم سے بڑا ہے، کہ برابر ہے یا کہ چھوٹا انسان کے دماغ میں جب پندار کا غرور پیدا ہو جا تا ہے تو اپنے چھوٹے تو چھوٹے ہیں، برابر تو برابر ہیں، اپنے بڑوں کو بھی خاطر میں نہیں لاتا ہے، جاہل رہنا پسند کرتا ہے، جہل مرکب میں گرفتار رہنا قبول کرتا ہے مگر دوسرے سے کچھ پوچھنا اپنی کسر شان سمجھتا ہے یہ پندار انسان کو علم سے محروم رکھتا ہے، کبھی بیجا حیا آڑے آتی ہے مگر امام بخاری ان دونوں عیبوں سے پاک تھے، یہ حدیث ”الکلمۃ الحکمۃ ضالۃ المومن حیث ما وجدھا فھو احق بھا ”علم مومن کی گم شدہ دولت ہے جہاں بھی پائے وہ اس کا سب سے زیادہ مستحق ہے، کے سچے عامل تھے اسی لئے ان کے اساتذہ کی فہرست میں جہاں اس وقت کے مسلم الثبوت مشائخ محدثین ہیں وہیں ان کے معاصرین وتلامذہ بھی ہیں، ان کے اساتذہ پانچ طبقات پر مشتمل ہیں جن کی تعداد ایک ہزار اسی ہے۔

طبقۂ اولیٰ:۔ وہ مشائخ جو ثقات تابعین سے روایت کرتے ہیں جیسے محمد بن عبد اللہ انصاری، مکی بن ابراہیم ابو عاصم، انیس عبید الدین، موسیٰ اسماعیل بن ابی خالد اور نعیم صاحب حلیہ وغیرہ۔

طبقۂ ثانیہ:۔ وہ مشائخ جو طبقۂ اولیٰ کے معاصرین ہیں مگر وہ ثقات تابعین سے روایت نہیں کرتے جیسے آدم بن ابی ایاس، ابومسہر، سعید بن ابی ریم اور ایوب بن سلیمان وغیرہ۔

طبقۂ ثالثہ:۔ وہ مشائخ جو کبار تبع تابعین سے روایت کرتے ہیں جیسے سلیمان بن حرب، قتیبہ بن سعید، نعیم بن حماد، علی بن مدینی، یحییٰ بن معین اور امام احمد بن حنبل وغیرہ۔

طبقۂ رابعہ:۔ امام بخاری کے درس کے رفقاء جنھوں نے امام بخاری سے پہلے علم حدیث کی تحصیل شروع

کی تھی جیسے ابوحاتم رازی، محمد بن عبدالرحیم، حمید بن حمید، احمد بن نضر، محمد بن یحییٰ ذہلی وغیرہ، امام بخاری نے اس وقت ان لوگوں سے روایت کی جب ان کے مشائخ وصال پا گئے اور احادیث ان کے پاس تھیں وہ کسی اور کے پاس نہ تھیں۔

طبقۂ خامسہ:۔ اس طبقے میں وہ محدثین ہیں جو امام بخاری کے تلامذہ تھے جیسے عبداللہ بن حماد آملی، عبد اللہ بن عباس خوارزمی اور حسین بن محمد قبانی۔

امام بخاری کے تلامذہ:۔ اس زمانے میں حرمین طیبین کے سوا کوفہ، بصرہ، بغداد نیشاپور، سمرقند، بخارا، علوم دینیہ کے اہم مراکز تھے ان شہروں میں امام بخاری بار بار گئے، بے شمار لوگوں کو حدیث پڑھائیں اور یہ سلسلہ ابتدا ہی سے شروع ہو گیا تھا جہاں جاتے لوگوں کو حدیث پڑھاتے اور ساتھ ہی ساتھ علم حدیث کی تحصیل بھی کرتے، کبھی ہزارہا ہزار کے مجمع میں حدیث املا کراتے محمد بن صالح نے کہا میں نے بغداد میں ان کی حدیث لکھنے والوں کا مجمع بیس ہزار تک دیکھا ہے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے تلامذہ بخارا سے لے کر حجاز، شام، مصر تک پھیل گئے، علامہ ابن حجر عسقلانی نے لکھا کہ جن لوگوں نے ان سے صحیح بخاری سنی ان کی تعداد نوے ہزار ہے یہ صحیح بخاری کا حال ہے اس کے علاوہ امام بخاری سے احادیث اخذ کرنے والوں کی کیا تعداد ہے؟ اس کو آج کون شمار کر سکتا ہے جب کہ اس عہد میں گنتی نہیں ہو سکی۔ تعداد

نیشاپور کا فتنہ:۔ حضرت امام بخاری جب ۲۵۰ھ میں بغداد سے نیشاپور آئے، اہل نیشاپور کو جب ان کی آمد کی اطلاع ہوئی، تو انھوں نے دو تین منزل آگے بڑھ کر امام بخاری کا استقبال کیا، عوام و خواص، علماء و صلحا اور رؤسا سبھی تھے اور اس شان سے نیشاپور میں آئے کہ اس وقت اس شان و شوکت کا استقبال نیشاپور میں کسی عالم کا ہوا تھا نہ کسی حاکم کا، یہ امام مسلم کا بیان ہے۔ اس وقت نیشاپور میں محمد بن یحییٰ ذہلی مشہور محدث

عوام وخواص کے مرجع اعظم تھے یہ بھی استقبال کرنے والوں میں تھے، بلکہ لوگوں کواس کی ترغیب بھی دی ،انھوں نے لوگوں سے کہا کل میں خودان کے استقبال کو چلوں گا،جس کا جی چاہے چلے نیشا پور میں آکر امام بخاری نے دار النجارین میں قیام کیا،امام ذہلی نے لوگوں کو تنبیہ کردی تھی کہ امام بخاری سے علم کلام کا کوئی مسئلہ نہ پوچھنا خدانخواستہ اگر وہ ہمارے مسلمات کے خلاف کوئی بات کہدیں گے تو ہمارے اوران کے درمیان اختلاف ہوجائے گا جس سے خراسان کے رافضی ،ناصبی ،جہمی ،مرجی ہنسیں گے۔امام بخاری نے جب احادیث کا درس دینا شروع کیا تو لوگ جوق درجوق آنے لگے،اتنی بھیڑ ہونے لگی کہ دار ہی نہیں بام ودر بھر گئے اور دوسری درس گاہیں خالی ہوگئیں ، یہ وہ زمانہ تھا کہ معتزلہ نے خلق قرآن کا مسئلہ پوری دنیائے اسلام میں پھیلا رکھا تھا،اہلسنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ قرآن اللہ عزوجل کا کلام ہے جس طرح اس کی ساری صفات قدیم غیر مخلوق ہیں اسی طرح قرآن کلام اللہ بھی قدیم غیر مخلوق ہے،اس کے برخلاف معتزلہ کا عقیدہ تھا کہ قرآن مخلوق ہے یہ اختلاف بغداد میں اٹھا اور پورے بلاد اسلامیہ میں پھیل گیا،اس سلسلے میں متشدد حنابلہ یہاں تک آگے بڑھ گئے کہ ہماری قرأت کو بھی غیر مخلوق کہنے لگے، یہ مسئلہ خواص سے بڑھ کر عوام میں بھی پھیل چکا تھا اور معتزلی وغیر معتزلی کی علامت بن چکا تھا۔ابھی امام بخاری کو نیشا پور میں درس حدیث دیتے ہوئے دو تین دن ہی گذرے تھے کہ کسی نے بھری مجلس میں ان سے سوال کردیا ''قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟'' امام بخاری نے اس سے منھ پھیر لیا کوئی جواب نہیں دیا اس نے تین بار پوچھا ہر بار امام بخاری نے منھ پھیر لیا اور کوئی جواب نہیں دیا، جب اس شخص نے بہت الحاح کے ساتھ اصرار کیا تو امام بخاری نے یہ جواب دیا ''قرآن اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے اور بندوں کے افعال مخلوق ہیں اور امتحان بدعت ہے'' اس پر اس شخص نے فساد مچادیا اور یہ کہا کہ لفظی بالقرآن مخلوق، اس پر ہنگامہ کھڑا ہوگیا کچھ لوگ یہ کہنے لگے انھوں نے

یہ کہا ہے اور کچھ یہ کہتے کہ نہیں کہا ہے یہاں تک کہ آپس میں مار پیٹ کی نوبت آ گئی، گھر والوں نے بیچ بچاؤ کر کے مجمع کو ہٹایا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ نیشا پور کے بعض مشائخ نے جب دیکھا کہ امام بخاری کے آتے ہی ہماری مجلسیں اجڑ گئیں تو انھوں نے اس سائل کو سکھا کر بھیجا تھا چونکہ ذہلی ان بزرگوں میں سے تھے جو ہماری تلاوت کو بھی غیر مخلوق مانتے تھے اس لئے انھوں نے یہ اعلان کر دیا ''جو شخص لفظی بالقرآن غیر مخلوق کہتا ہے وہ بدعتی ہے، اس سے میل جول سلام وکلام بند کر دیا جائے۔ اب جو محمد بن اسماعیل کے یہاں جائے اسے متہم جانو، کیوں کہ ان کی مجلس میں وہی جائے گا جو ان کے مذہب پر ہوگا امام بخاری لاکھ کہتے رہے کہ میں نے یہ نہیں کہا مگر اب ان کی بات سننے والا کون تھا، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ امام مسلم اور احمد بن مسلمہ کے سوا تمام لوگوں نے امام بخاری کے یہاں جانا چھوڑ دیا۔۔۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ ذہلی نے یہ کہا کہ جو یہ کہے وہ ہماری مجلس میں نہ آئے، امام مسلم موجود تھے فوراً اٹھ کھڑے ہوئے ان کے ساتھ احمد بن مسلمہ بھی چلے آئے، امام مسلم نے وہاں سے آتے ہی ذہلی سے جتنی احادیث لکھی تھی سب اونٹ پر لاد کر واپس کر دی، امام مسلم نے اپنی صحیح میں، ذہلی کی کوئی روایت نہیں لی ہے اس کی وجہ یہی ناراضگی بتائی جاتی ہے، مگر حیرت اس پر ہے کہ اس کے بالمقابل انھوں نے امام بخاری کی بھی کوئی روایت نہیں لی ہے۔ یہ بھی روایت ہے کہ جب امام مسلم اور احمد بن مسلمہ ذہلی کی مجلس سے آئے تو ذہلی نے یہاں تک کہہ دیا کہ یہ شخص (بخاری) میرے ساتھ شہر میں نہیں رہے گا، اس کے بعد احمد بن مسلمہ امام بخاری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ کہا 'یہ شخص یعنی ذہلی پورے خراسان خاص کر اس شہر میں مقبول ہے ہم میں سے کسی میں یہ طاقت نہیں کہ اس سے اس معاملہ میں بات کر سکے، آپ نے کیا سوچا ہے یہ سن کر امام بخاری نے اپنی داڑھی مٹھی میں لی اور کہا،

''افوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد اللھم انک تعلم انی لم ارد المقام

بنیسابور أشرا و لا بطرا و لا طلبا للریاسة''[مقدمہ فتح الباری،ص ۴۹۲]

یعنی میں اپنے معاملہ کو اللہ عزوجل کے سپرد کرتا ہوں جو بندوں کو دیکھتا ہے

اے اللہ! تو خوب جانتا ہے کہ میں نے نیشاپور میں قیام کا ارادہ اپنی بڑائی و بزرگی ظاہر کرنے اور ریاست حاصل کرنے کے لئے نہیں کیا تھا۔ ذہلی نے حسد کی وجہ سے ایسا کیا ہے اب میں اپنے وطن چلا جاؤنگا،اے احمد میں کل صبح ہی کوکوچ کر جاؤنگا۔

بخارا کو واپسی :۔ پس امام بخاری نیشاپور سے اپنے وطن بخارا کی طرف چلے جب بخارا والوں کو معلوم ہوا تو مسرت کی لہر دوڑ گئی ،تین میل دور تک شامیانے ،خیمے نصب کئے گئے ،تمام شہر والے استقبال کو نکلے اور امام بخاری پر روپیوں ،اور موتیوں کو نچھاور کرتے ہوئے بخارا لائے اپنے وطن آ کر امام بخاری پورے اطمینان وسکون کے ساتھ درس حدیث دینے لگے،تشنگان علم حدیث ہر چہار جانب سے ٹوٹ پڑے ، یہاں چھ سال تک امام بخاری کا فیضان جاری رہا،مگر حاسدین نے یہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا ،اس وقت حکومت عباسیہ کی طرف سے بخارا کا والی خالد بن احمد ذہلی تھا،اس کو امام بخاری سے برگشتہ کرنے کے لئے حاسدین نے یہ کہا کہ آپ امام بخاری سے کہئے کہ وہ آپ کے صاحبزادوں کو آپ کے محل میں آ کر اپنی جامع اور تاریخ پڑھا دیں ،والیٔ بخارا خالد ذہلی نے امام بخاری کے پاس یہ پیغام بھیجا،امام بخاری نے یہ جواب دیا کہ یہ علم حدیث ہے میں اسے ذلیل نہیں کرونگا اگر آپ کو خواہش ہے کہ آپ کے بچے مجھ سے پڑھیں تو آپ اپنے بچوں کو میری مجلس میں بھیجدیں تاکہ دوسرے طلبہ کے ساتھ وہ بھی پڑھیں ،خالد نے کہلایا کہ اگر آپ میرے محل میں نہیں آسکتے تو میں اپنے بچوں کو آپ کی خدمت میں بھیج دونگا مگر جب یہ پڑھنے حاضر ہوں تو ان کے ساتھ کوئی دوسرا نہ ہو،ان کو تنہا پڑھائیں ،میرے فرستادے چوبدار دروازے

پر متعین رہیں گے کسی کو اس وقت اندر نہ جانے دیں گے لیکن امام بخاری نے اسے بھی نہ پسند فرمایا، کہلا دیا کہ علم میراث رسول ہے اس پر ہر امتی کا حق برابر ہے میں کسی کی تخصیص نہیں کرونگا اس سے والئ بخارا امام بخاری پر غضبناک ہو گیا۔ دوسری روایت بکر بن شیبہ کی یہ ہے کہ والئ بخارا خالد نے خود خواہش ظاہر کی تھی کہ میں آپ کی جامع اور تاریخ آپ سے سننا چاہتا ہوں آپ میرے محل میں آکر مجھے سنا دیا کریں امام بخاری نے جواب میں کہلا دیا کہ علم کو ذلیل کر کے سلاطین کے دروازوں پر نہیں لے جا سکتا جس کو شوق ہے وہ میرے گھر یا میری مسجد میں حاضر ہو کر سن لے اور اگر یہ پسند نہ ہو تو، تو سلطان ہے مجھے درس دینے سے روک دے تا کہ قیامت کے روز اللہ عز وجل کے حضور میرے لئے عذر ہو کہ میں نے اپنی خوشی سے علم کو نہیں چھپایا ہے، اس جواب پر وہ بوکھلا گیا۔ اس نے رائے عامہ سے امام بخاری کو پھیرنے کے لئے بخارا کے چند افراد کو جن میں حریث بن ابو الورقاء کا نام خاص طریقے سے مشہور ہے آمادہ کیا کہ وہ اختلافی مسائل پر امام بخاری سے گفتگو کریں، ان لوگوں نے ایسا ہی کیا اور اسے عوام میں پھیلانا شروع کیا جس سے شورش کھڑی ہوگئی، مشہور ہے کہ کسی نے امام بخاری سے پوچھا کہ اگر ایک لڑکا اور ایک لڑکی کسی بکری کا دودھ ایام رضاعت میں پی لیں تو حرمت رضاعت ثابت ہوگی یا نہیں؟ امام بخاری نے فرمایا کہ ہاں ثابت ہو جائے گی ، انھیں ایام میں نیشاپور کے محمد بن یحییٰ ذہلی کا بھی خالد والئ بخارا کے پاس خط آگیا کہ امام بخاری کا عقیدہ یہ ہے کہ لفظی بالقرآن مخلوق ہے، اس نے جلتی آگ پر تیل کا کام کیا، امام بخاری کے خلاف ایک محضر نامہ تیار ہوا جس پر بخارا کے علماء کے دستخط ہوئے۔ جب امام بخاری کے خلاف رائے عامہ ہوگئی اور محضر نامہ بھی تیار ہو گیا تو اس نے امام بخاری کو حکم دیا کہ بخارا سے نکل جائیں، جلاوطنی کا حکم سننے کے بعد امام بخاری اتنے کبیدہ خاطر ہوئے کہ شکستہ قلب وجگر سے اپنے ان مخالفین کے لئے یہ بد دعا کی ،

”اللھم أرھم ما قصدونی بہ فی انفسھم و اولادھم و اھالیھم“ [مقدمہ فتح الباری ۴۹۴]

اے اللہ جیسے انھوں نے مجھے بے عزت کیا ہے ویسے ہی ان لوگوں کو، اپنی ذات، اپنی اولاد اور اپنی اہل کی بے عزتی دکھا۔

درحق سے اجابت نے امام بخای کی دعا کا استقبال کیا اور ایک مہینہ بھی نہیں گذرا کہ خالد اور اس شازش کے شرکاء اس کا نشانہ بنے، خالد کے بارے میں دارالسلطنت بغداد سے سلطان وقت کا حکم پہنچا کہ اسے معزول کیا گیا اسے گدھی پر بٹھا کر شہر میں گھمایا جائے اور اعلان کردیا جائے کہ بدکار کی یہ سزا ہے، اس سزا کے بعد وہ پابجولاں بغداد بھیجا گیا، وہیں جیل میں بند رہا اور اسی میں مرا، حریث بن ورقاء کے اہل کے بارے میں وہ بات مشہور ہوئی جو نا قابل ذکر ہے اور دوسرے لوگوں کی اولاد پر وہ بلائیں آئیں جنھیں سنکر روح کانپ جاتی ہے،

دیدی کہ خون ناحق پروانۂ شمع را۔۔۔۔چنداں اماں نداد کہ شب را سحر کند

نوٹ:۔ گذشتہ بیان سے قارئین کو بہت حد تک اندازہ ہوا ہوگا کہ حضرت امام بخاری نہ یہ کہ صرف علمی اعتبار سے مقام بلند پر فائز تھے بلکہ تقویٰ وطہارت، عفت و پاکدامنی اور توکل واستغناء جیسے اعلیٰ اوصاف وکمالات سے مزین وآراستہ تھے، حدیث دانی میں تو آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا اس لئے طالبان علوم نبویہ کا آپ کی بارگاہ میں تانتا لگا رہتا جہاں آپ کی درسگاہ حدیث لگ جاتی سامعین احادیث کی بھیڑ اکٹھا ہوجاتی اور دوسرے محدثین کی درس گاہیں خالی ہوجاتیں یہی وجہ ہے آپ محسود اقران ہوگئے، جگہ جگہ آپ کو ستایا گیا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ بھگایا گیا یہاں تک کہ آپ کو اپنے وطن عزیز شہر بخارا سے بھی جلاوطن کیا گیا یہ سب حالات آپ کے زمانہ کے حاسدین علماء اور محدثین نے پیدا کئے چنانچہ ان حضرات نے والئ بخارا کو

اکسایا اور آپ کے خلاف محضر نامہ تیار کر کے جلاوطنی کا آڈر کروایا، حضرت امام بخاری کو اس سے جو صدمہ پہنچا ان کی اس بددعا کے کلمات سے ظاہر ہے جو انھوں نے اپنے خلاف شازش کرنے والوں کے بارے میں کی تھی، بہر حال اس سے تو یہ حقیقت اظہر من الشّمس ہوجاتی ہے کہ حاسدین نے بڑے بڑوں کو نہیں چھوڑا تو پھر اگر آج چودہویں صدیں میں مولوی نما جاہل لوگ، متدین علماے دین سے حسد کریں لوگوں کو ان کے خلاف اکسائیں، درس حدیث بند کروائیں بلکہ بذریعۂ فورس رکوائیں تو جائے تعجب نہیں،

چنانچہ اسی حسد کا نتیجہ ہے کہ جس کو میں نے اپنی عہد صدارت میں ملک کی آخری سرحد سے بلوا کر شہر کی مرکزی مسجد میں مصلیٰ پر کھڑا کیا تھا اس نے بعض مولویوں کے ساتھ مل کر مجھے اسی مسجد میں حدیث بخاری سنانے سے رکوادیا، واقعہ یہ ہے کہ میں تقریبا انیس بیس سالوں سے، اپنے رب کی توفیق وتائید سے شہر کی مختلف مسجدوں میں درس قرآن ودرس حدیث دیتا ہوں، اس درس سے یہاں کے مسلمانوں کو بہت دینی وعلمی فائدہ پہنچا یہی وجہ ہے کہ یہاں کے مسلمان اہلسنت مجھ ناچیز سے بڑی محبت کرتے ہیں میری محبوبیت ومقبولیت حاسدوں کو دیکھی نہ گئی اس لئے ایک معمولی بات کو بہانہ بنا کر درس بخاری دینے سے رکوایا، وہ بات یہ تھی کہ امسال ۲۰۲۳ء/ ۱۴۴۴ھ بعد شوال، اعلیحضرت قدس سرہ کی تاریخ پیدائش کے موقع پر ایک دوروز پہلے یہ اعلان ہوا کہ اس مرتبہ کا درس حدیث اعلیٰ حضرت کی تاریخ ولادت کی مناسبت سے منعقد ہوگا منجانب سابق متولی بس سابق متولی کے لفظ کو بنیاد بنا کر موجودہ اراکین کی خوب اچھی طرح حاسدین نے فہمائش کی اس لئے کمیٹی کے صدر اور سکریٹری اور اراکین کی طرف سے یہ اعلان شائع ہوا کہ اب آئندہ اتوار سے فلاں مولانا صاحب درس بخاری دیا کریں گے، اس اعلان کو دیکھ کر میں نے خود منتظمہ کمیٹی کے صدر اور سکریٹری سے بذریعہ فون اور پھر بالمشافہ سینکڑوں مسلمانوں کے سامنے بات چیت کی تو

سب کے سامنے انھوں نے اقرار واعلان کیا کہ عجلت میں کچھ اس طرح کا فیصلہ ہوگیا ہے اس بار کے بعد حسب سابق آپ ہی کا درس ہوگا، پھر متولی صاحب نے کئی باشرع گواہوں کے سامنے بھی کہا یہاں تک کہ متولی میرے گھر آکر گھنٹوں بیٹھے اور مجھ سے وعدہ کیا اور اطمینان دلایا کہ آپ کا کوئی معاملہ نہیں ہے آپ تشریف لائیے اور حسب سابق درس حدیث دینے کا کام کیجئے میں ان لوگوں کے کہنے کی وجہ سے مطمئن ہوکر متعینہ وقت پر درس دینے کے لئے گیا تو یہ دیکھ کر سخت حیرت اور تکلیف ہوئی کہ مسجد کے متولی اور صدر واراکین نے مجھے مسجد میں داخلہ سے روکنے کے لئے درجنوں فورس کو متعین کروادیا تھا، داروغہ نے کہا کہ آپ کو مسجد میں داخلہ کی اجازت نہیں ہے میں نے کہا جرم کیا ہے؟ کہا جرم کچھ نہیں، انتظامیہ کمیٹی کا حکم ہے ، یہ حالات دیکھ سنکر میں خاموشی کے ساتھ اپنے گھر واپس آ گیا لیکن بہت افسوس ہوا اور سخت تکلیف ہوئی کہ اتنا وعدہ ومعاہدہ کرنے کے بعد بھی اگر ان لوگوں کو روکنا ہی تھا تو زبانی یا فون سے کہہ دیتے کہ مسجد ہماری جاگیر ہے ہم آپ کو درس دینے کی اجازت نہیں دیتے، میں رک جاتا لیکن محبت سے بلاکر بذریعہ فورس رکوانا سوائے تذلیل وتوہین کے اور کیا ہوسکتا ہے؟ مگر حضرت امام بخاری کے واقعۂ جلاوطنی کو پڑھ کر بڑی تسلی ہوئی اور صبر وقرار آیا کہ جب ایسی عظیم المرتبت شخصیت کے ساتھ حاسدین ایسا فتنہ برپا کرسکتے ہیں کہ خود ان کے وطن شہر بخارا میں بذریعۂ والئ بخارا، امام بخاری کے درس حدیث کو رکوا کر جلاوطن کرواسکتے ہیں تو ہم جیسے ذرہ ناچیز کس کھیت کے مولی ہیں لہٰذا حاسدین نے اگر آج ہمارے ساتھ ایسا سلوک کروایا تو مضائقہ نہیں ۔اسی پر حاسدین نے بس نہیں کیا بلکہ مسلسل میرے خلاف بے بنیاد شکایتی درخواستیں یہاں کے ڈی ایم بلکہ مکھ منتری تک بھیج رہے ہیں کہ معین الدین ، بنگلہ دیشی ہیں اور یہاں دھرم پرورتن کرواتے ہیں مسجدوں میں بھڑکاؤ بھاشن دیتے ہیں وغیرہ بی جے پی کے اس دورحکومت میں کسی ازلی دشمن کے لئے بھی کوئی گھٹیا سے

گھٹیا انسان کسی مسلمان کے لئے ایسے نازیبا حرکات نہیں کرے گا جو یہ نام نہاد اہل جبہ ودستار کروار ہے ہیں ،ایسے حالات میں، میں یہی کہتا ہوں ''بَلۡ سَوَّلَتۡ لَكُمۡ اَنۡفُسُكُمۡ اَمۡرًا‌ؕ فَصَبۡرٌ جَمِيۡلٌ‌ؕ ------اِنَّمَاۤ اَشۡكُوۡا بَثِّىۡ وَحُزۡنِىۡۤ اِلَى اللّٰهِ'' بے شک اللہ احکم الحاکمین دنیا وآخرت میں بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے وہ جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے جسے چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے حاسدین جگہ جگہ ذلیل ہورہے ہیں، مسجد و مدرسہ چھوڑ نے کے لئے نوٹس پر نوٹس دی جاتی ہے،لوگ کذاب، فاسق اور غاصب تک کہہ رہے ہیں لیکن احساس نہیں ،ساری ذلت و رسوائی گوارہ لیکن منصب نہ چھوٹے اور یہاں ہے کہ بفضلہٖ تعالیٰ کوئی منصب نہیں چاہئے اور عوام اہلسنت کے باصرار جو منصب تھا بھی اس سے خوش دلی سے استعفاء پھر عزت و وقار میں الحمدللہ کوئی کمی نہیں، چنانچہ دیکھئے رب تعالیٰ کریم کس کس بہانے سے عزت وشہرت عطا فرماتا ہے

الحمدللہ ثم الحمدللہ، اسی دوران ۲۰۲۳ء میں میری بچی مشکوۃ نور کے دسویں کلاس کا ریزلٹ، رب تعالیٰ کے فضل وکرم سے امید سے زیادہ اچھا، نہایت ہی شاندار آیا، پورے اتر پردیش میں سکنڈ پوزیشن حاصل کی، فرسٹ نمبر ایک سے صرف تین نمبر ہی کم تھا، سینکڑوں ٹی وی چینل، اخبار نیوز پیپرس اور شوشل میڈیا نے اس خبر کو، میری اور میری بچی کی انٹرویو کے ساتھ خوب نشر کیا، تمام سیاسی، رفاہی اور مذہبی شخصیات نیتاؤں اور تنظیموں نے خوب سراہا اور مبارکبادیوں کا سلسلہ مہینوں تک جاری رہا، انفرادی، اجتماعی اور سیاسی طور پر لوگوں نے میری بچی کو خوب انعامات سے نوازا، یہاں تک کہ اس وقت کے وزیر اعلیٰ (یوگی آدھ ناتھ) نے لوک بھون بلا کر سمانت کیا اور ایک لاکھ روپے کی چک، ٹائبلیٹ اور سلڈ دے کر ہمت افزائی کی ،اس کے بعد سابق وزیر اعلی (اکھلیش یادو) اپنے تمام دل بل کے ساتھ میرے گھر مجھے اور میری بچی کو سمانت کرنے آئے وہ بھی اس انداز سے کہ سینکڑوں گاڑیاں سینکڑوں فورس اور ہزاروں لوگوں اور سماجوادی

پارٹی کے کارکنان کا جم غفیر ساتھ تھا، اس بھیڑ میں انھوں نے مجھے اور میری بچی مشکوۃ نور کو مبارکباد دی اور لیپ ٹاپ دے کر سمانت کیا، غرضیکہ میری دختر نیک اختر کی شاندار کامیابی کی وجہ سے میرے رب نے میری عزت وشہرت میں چار چاند لگا دیا، حاسدین دشمنوں سے دیکھا نہ گیا وہ اس پر بھی اول فول بکنے لگے مگر سوائے معدودے چند کے سب نے یہی کہا جسے اللہ تعالیٰ عزت دینا چاہے دنیا کی کوئی طاقت اسے ذلیل نہیں کرسکتی اس کی تازہ مثال مفتی محمد معین الدین صاحب ہیں کہ لوگوں نے انہیں ذلیل کرنا چاہا لیکن اللہ رب العلمین نے ایسی عزت وشہرت عطا فرمائی کہ حاسدین کے چہرے سیاہ ہو گئے۔

درس بخاری کا آغاز مسجد پالکی خانہ میں:۔ مسجد پالکی خانہ، قلب شہر فیض آباد بزازہ کے ایک کنارہ گوشہ میں واقع ہے یہ مسجد بہت چھوٹی تھی اس مسجد کے اراکین نے بڑی محنت اور خلوص ومحبت کے ساتھ اس کی شاندار تعمیر جدید کرائی ہے جو تین منزل پر مشتمل ہے اول منزل بیسمنٹ اور تہہ خانہ ہے اور دوم وسوم منزل نماز کے لئے مختص ہے مختصر یہ کہ حالات زمانہ کے لحاظ سے یہ مسجد تمام مصالح اور ضروریات کی چیزوں سے مزین وآراستہ ہے دعا ہے کہ مولائے کریم اس مسجد کی تعمیر کرنے والے، اس میں حصہ لینے والے اور اس میں کسی طرح کی بھی خدمت کرنے والے اور تمام نمازیوں کو دین ودنیا کی سعادتوں سے مالا مال فرمائے۔ ٹاٹ شاہ مسجد کے قضیۂ نامرضیہ کے بعد مسجد پالکی خانہ کے اراکین، محمد اشرف صاحب ٹکسال، عبدالرشید صاحب رکابگنج، محمد مصطفیٰ، ابراہیم صاحب پرانی سبزی منڈی، حاجی محمد سلیم صاحب دلہن ایمپوریم بزازا اور اس مسجد کے امام حضرت حافظ محمد احمد صاحب عزیزی وغیرہم نے مجھ سے گذارش کی اب آپ کو ہم سب اپنی مسجد میں درس حدیث بخاری دینے کی دعوت دیتے ہیں امید ہے کہ آپ ہم سب کی اس دینی خواہش کا احترام فرمائیں گے، میں نے کہا الحمد للہ میں جانتا ہوں کہ دینی خدمت کے لئے کوئی خاص مسجد یا

مرکزی پلیٹ فارم ہی ضروری نہیں ہے، آدمی میں جب سچا خلوص اور دینی جذبہ ہوتا ہے تو وہ کہیں سے بھی دین متین کی خدمت کرسکتا ہے البتہ جن لوگوں کا کوئی خاص ذاتی غرض ہوتا ہے اور وہ غرض، خاص اسی مسجد سے پورا ہوسکتا ہے ایسے لوگ اپنے حصول اغراض کے لئے کسی حد تک بھی جاسکتے ہیں بس اپنا مصلیٰ بچنا چاہئے، خواہ لاکھ بے عزتی ہو، ذلیل ورسوا کئے جائیں چھوڑیں گے نہیں، اس سلسلے میں خواہ اپنے محسن وکرم فرما کا ہی داخلہ بند کرنا پڑے بند کردینگے، کسی پر جھوٹا الزام لگا کر امامت سے ہٹانا پڑے ہٹا دیں گے مگر اپنی قیادت وامامت بچی رہنی چاہئے، دنیا کیا کہے گی کوئی فکر نہیں، مرنے کے بعد کیا حشر ہوگا کوئی خوف اور پرواہ نہیں۔ لیکن الحمدللہ یہاں یہ سب کچھ نہیں، اس لئے میں نے کہا آپ سب کی دعوت منظور ہے مگر ایک شرط یہ ہے کہ جب کبھی بھی آپ لوگوں کی رائے بدل جائے کہ اب درس حدیث نہیں کروانا ہے یا میرے بجائے کسی دوسرے عالم سے دلوانا ہے تو برائے کرم قبل از وقت مجھے اس سے مطلع کردیا جائے، پھر ایسا نہ ہو کہ گھر آکر دعوت دیجئے اور آنے کے بعد بذریعۂ فورس رکوائیے جیسا کہ ٹاٹ شاہ کی منتظمہ کمیٹی نے ۲۰۲۳ء میں کچھ حاسدین کے ورغلانے پر کیا، ارکان مسجد پالکی خانہ نے وعدہ کیا اور یقین دلایا کہ یہاں کبھی ایسا کچھ نہیں ہوگا ان شاءاللہ تعالیٰ۔ پس مسجد پالکی خانہ میں ۱۸/محرم الحرام ۱۴۴۵ھ مطابق ۶/اگست ۲۰۲۳ء بروز یکشنبہ، بعد نماز عشاء، صحیح البخاری شریف کے درس کا آغاز نہایت ہی شان وشوکت کے ساتھ ہوا، کثیر تعداد میں اہل محبت شریک ہوئے، جس میں علماء اور ائمہ مساجد سبھی شامل تھے بعدہ صلوٰۃ وسلام، لنگر اور قل وفاتحہ اور دعاء پر مجلس درس کا اختتام ہوا اور تا وقت تحریر آغاز درس کو آج تقریبا دو سال ہو چکے ہیں لیکن پھر بھی سامعین حدیث سے مسجد بھر جاتی ہے لوگ بڑے شوق اور رغبت سے شریک ہوتے ہیں اور بعد درس منتظمین مسجد ودرس کمیٹی نفیس اور عمدہ سے عمدہ تبرکات تقسیم کرتے ہیں، جب اس درس بخاری کو ایک سال مکمل ہوا تو ارکان

مسجد نے نہایت تزک واحتشام کے ساتھ پہلا سالانہ جشن بخاری شریف کا انعقاد کیا جس میں شہر کے بہت سے علماء وائمہ اورعوام اہلسنت نے کثیر تعداد میں شرکت کی ،صحیح البخاری اورضرورت حدیث کے عنوان پر میری اور حضرت مولانا سلمان صاحب ازہری جامعہ اسلامیہ روناہی کا خطاب ہوا لوگوں نے خوب داد وتحسین سے نوازااوراراکان مسجد نے مجھےاورامام مسجد حضرت حافظ محمد احمد صاحب عزیزی کو ہدایااورتحائف سے نوازا، بعدہ صلوۃ وسلام اورقل وفاتحہ اوردعاء پرجشن صحیح البخاری اختتام پذیر ہوا پھرشرکاءاورسامعین لنگر رسول سے شادکام ہوئے دعاء ہے کہ رب العلمین درس حدیث کوقبول فرمائے اور منتظمین وسامعین کواپنی شان کریمی کے مطابق اجرعظیم اورثواب جزیل عطافرمائے ،آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

امام بخاری کی وفات:۔ حضرت امام بخاری جلاوطنی کاحکم سننے کے بعد بخارا سے نکلے،جب سمرقند والوں کومعلوم ہواامام بخاری اپناوطن چھوڑرہے ہیں توانہوں خط لکھ کردرخواست کی کہ ہمارے یہاں تشریف لاکرہمیں عزت بخشیں،حضرت امام بخاری نے سمرقند کارخ کیالیکن جب سمرقند کےقریب ایک موضع خرتنگ پہنچےتو اطلاع ملی کہ سمرقند میں بھی ان کے بارے میں اختلاف ہوگیا ہے۔خرتنگ میں امام بخاری کے کچھ رشتہ داربھی تھے آپ نے وہیں عارضی طورپراس وقت تک کے لئے قیام فرمانے کا ارادہ فرمالیا جب تک باشندگان سمرقندکوئی اخیرفیصلہ نہ کرلیں،

پیہم حوادث وشورش نے امام بخاری کےصبر کا پیمانہ لبریز کردیا تھا دنیا سے اکتا گئے تھے ایک بارتہجد کی نماز کے بعد سوز قلب سے یہ دعا کی ،"**اللّٰھم قد ضاقت علیَّ الارض بما رحبتْ فاقبضنی الیک**"اے اللہ زمین اپنی وسعت کے باوجود مجھ پرتنگ ہوگئی ہےاس لئے مجھےاپنی طرف اٹھالے۔چند دن کے بعد بیمار پڑگئے اسی اثناء میں سمرقند سے قاصد آیا کہ آپ سمرقند تشریف لائیں امام

بخاری سمرقند جانے کے لئے آمادہ ہوگئے مگر سمرقند کے قاصد کے ساتھ ساتھ پیک اجل بھی آرہا تھا، سمرقند جانے کے لئے اٹھے، موزے پہنے، عمامہ باندھا آپ کے میزبان غالب بن جبریل بازو پکڑ کر سواری تک لے چلے، بمشکل بیس قدم چلے ہونگے کہ فرمایا مجھے چھوڑ دو مجھ پر ضعف طاری ہوگیا ہے، غالب کا بیان ہے کہ ہم نے چھوڑ دیا، کچھ دعائیں پڑھیں اور لیٹ گئے لیٹتے ہی روح قفس عنصری سے جوار قدس میں پرواز کرگئی، وصال کے بعد جسم مبارک سے پسینہ نکلنا شروع ہوا، اتنا نکلا کہ بیان نہیں کیا جاسکتا، کفن پہناتے وقت تک نکلتا رہا، وصیت فرمائی تھی کہ مجھے تین کپڑوں میں کفن دینا جن میں نہ کرتا ہو یعنی سلا ہوا نہ ہو، نہ عمامہ، اسی کے مطابق عمل ہوا تیرہ دن کم باسنٹھ سال کی عمر میں ہفتہ کے دن یکم شوال کی رات میں وصال ہوا عیدالفطر کے دن بعد نماز ظہر اس گنجینۂ کرامت کو سپرد خاک کیا گیا۔

مزار مبارک کے برکات:۔ دفن کے بعد قبر مبارک سے مشک کی خوشبو اٹھتی تھی لوگ دور دور سے آکر مزار مبارک کی مٹی لے جانے لگے، اس ظاہر و باہر کرامت کے بعد بہت سے مخالفین مزار پر آکر اظہار ندامت کر کے توبہ کیا۔ امام بخاری کی وفات کے ایک سال بعد سمرقند میں سخت قحط پڑا لوگوں نے بار بار نماز استسقاء پڑھی، دعائیں مانگی مگر بارش نہ ہوئی، بالآخر ایک مرد باخدا نے سمرقند کے قاضی سے جا کر کہا ’’تم شہر والوں کو لے کر امام بخاری کے مزار پر حاضر ہو، وہاں دعا مانگو، امید ہے کہ اللہ عزوجل تمھاری دعا قبول فرمائے گا، قاضیٔ شہر باشندگان سمرقند کو لے کر امام بخاری کے مزار پاک پر حاضر ہوئے، لوگوں نے نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ رو رو کر بارش کے لئے دعائیں کیں اور امام بخاری سے درخواست کی کہ دعا کے قبول کرنے کی شفارش کردیں، نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ ابھی دعا ہی کر رہے تھے کہ فضا پر بادل چھا گئے اور موسلا دھار بارش ہونے لگی، مسلسل لگاتار سات دن تک ایسی بارش ہوئی کہ ان لوگوں کو اپنے گھر سمرقند جانا ممکن نہ ہوا، اسی کو حدیث پاک میں فرمایا۔

"لن تخلو الارض من ثلثین مثل ابراهیم، بهم تغاثون وبهم ترزقون وبهم تمطرون" یعنی ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام سے خوبو میں مشابہت رکھنے والے تیس شخص زمین پر ضرور رہیں گے ،انھیں کی بدولت تمہاری فریاد سنی جائے گی اور انھیں کے سبب رزق پاؤ گے اور انھیں کی برکت سے بارش دیئے جاؤ گے۔اسی مفہوم پر دال یہ شعر بھی ہے،

للہ قوم اذا حَلّوا بمنزلۃٍ حل الرضا ویسیر الجود ان ساروا

امام بخاری کی تاریخ ولادت لفظ 'صدق' سے نکلتی ہے کہ اس کا عدد ۱۹۴ ہے،اور تاریخ وفات لفظ 'نور' سے ظاہر ہے کہ اس کا عدد ۲۵۶ ہے اور کل مدت عمر کی تاریخ لفظ 'حمید' سے نکلتی ہے کہ اس کا ۶۲ نمبر ہے۔کسی نے ان سب پر جامع ایک رباعی کہی ہے جو ذیل میں مذکور ہے۔

"کان البخاری حافظا و محدثا۔۔۔۔جمع الصحیح مکمل التحریر میلادہ صدق ۱۹۴ ومد عمرہ ۔۔۔۔۔۔۔فیھا حمید ۶۲ وانقضی فی نور ۲۵۶

اسی طرح جامع تاریخ کسی نے حضور محبوب سبحانی غوث اعظم جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی نکالی ہے چنانچہ کہا ہے،ان باز اللہ اشھب جاء **فی عشقٍ ۴۷۰ ومات فی کَمالٍ ۹۱**

لفظ عشق سے تاریخ ولادت نکلتی ہے اور لفظ کمال' سے مدت عمر کا پتہ چلتا ہے اور پھر دونوں لفظ کے مجموعہ یعنی ''کمال عشق'' سے تاریخ وصال ظاہر ہوتی ہے کہ کمال عشق کا عدد ۵۶۱ ہے جو آپ کی تاریخ وصال ہے۔

امام بخاری کی بارگاہ رسالت میں مقبولیت :۔ حضور پرنور سرور دوجہاں ، نبی کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ایمان کی جان ہے، حضرت امام بخاری کو حضور محبوب رب العلمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے جو محبت تھی وہ اس سے ظاہر ہے کہ انھوں نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ ان کے ارشادات ان کے افعال،ان کے احوال،ان کے حلیۂ جمال کے ایک ایک نقش ونگار کی تلاش اور جمع وتدوین اور پھر اسے پوری دنیا میں

پھیلانے کی سعیٔ پیہم میں گذرا، اس کے لئے انھوں نے وطن سے دوری واحباب سے مفارقت، سفر کی صعوبتیں، حریفوں کے تلخ وترش سب کچھ انتہائی خندہ پیشانی سے برداشت کئے کیا یہ سب اسیر محبت کے سوا اور کسی کے بس کی بات ہے؟ امام بخاری کے پاس حضور اقدس ﷺ کے کچھ موئے مبارک تھے جسے وہ اپنے ملبوسات میں رکھے رہتے، جب امام بخاری کا یہ حال تھا تو حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کی عنایتیں اور کرم فرمائیاں تو سب پر عام ہیں، امام بخاری پر کیوں نہ ہوتیں، وراق کا بیان ہے کہ ایک بار میں نے خواب دیکھا کہ امام الانبیاء ﷺ کہیں جارہے ہیں، پیچھے امام بخاری بھی ہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدم مبارک اٹھانے کے بعد امام بخاری بھی وہیں قدم رکھتے ہیں جہاں سے قدم مبارک اٹھا ہے۔

امام بخاری کے مشہور شاگرد فربری کا بیان ہے کہ ''میں نے خواب دیکھا کہ میں کہیں جارہا ہوں ناگہاں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے، پوچھا کہاں جارہے ہو عرض کیا محمد بن اسماعیل (بخاری) کے یہاں، فرمایا جاؤ ان سے میرا سلام کہنا''۔

عبدالواحد بن آدم طواویسی نے بیان کیا میں نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ حضور اقدس ﷺ صحابۂ کرام کے ساتھ کھڑے ہیں جیسے کسی کا انتظار ہے میں نے دریافت کیا حضور کس کا انتظار ہے فرمایا بخاری کا، طواویسی کہتے ہیں کہ کچھ دنوں کے بعد خبر ملی کہ امام بخاری کا وصال ہو گیا مجھے تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ جس رات زیارت اقدس سے مشرف ہوا تھا وہی رات امام بخاری کے وصال کی تھی، جس کا استقبال شہنشاہ کونین ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ عالم بالا میں کریں ان کی عظمتوں کا اور بارگاہ رسالت میں ان کی محبوبیت ومقبولیت کا اندازہ کون کرسکتا ہے۔

امام بخاری کا فقہی مذہب:۔ امام عبدالوہاب تقی الدین سبکی نے طبقات الشافعیہ میں امام بخاری کو

ذکر کیا ہے اس سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ وہ شافعی تھے، ان کی کتاب بھی اس کی ایک طرح تائید کرتی ہے کیوں کہ اس کی اکثر احادیث امام شافعی کے مذہب کی مؤید ہیں وہ لکھتے ہیں، ''ابو عاصم عبادی نے امام بخاری کو اپنی کتاب الطبقات میں ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ امام بخاری نے زعفرانی، ابوثور اور کرابیسی سے حدیث سنی ہے، علامہ سبکی نے اضافہ کیا کہ مکہ معظّمہ میں حمیدی سے فقہ شافعی حاصل کیا یہ چاروں حضرات امام شافعی کے اصحاب میں سے ہیں۔ امام بخاری، امام شافعی سے اپنی صحیح میں البتہ روایت نہیں کرتے اس لئے کہ امام شافعی کا ادھیڑ عمر میں انتقال ہوگیا، امام بخاری کی ملاقات امام شافعی کے ہمعصروں سے ہوگئی تھی ان سے حدیثیں لیں اور روایت کیں، اگر امام شافعی سے روایت کرتے تو لامحالہ امام شافعی اور امام بخاری کے مابین ایک راوی کا اضافہ ہوجاتا اور سند بڑھ جاتی جس سے تنزل ہوجاتا اس سے معلوم ہوا کہ سند میں جتنا کم واسطہ ہو اتنی ہی سند عالی ہوتی ہے اور وہ قابل لحاظ ہے، اور یہی رائے حضرت علامہ شہاب الدین احمد قسطلانی کی بھی ہے ان دونوں کی بنیاد ابو عاصم عبادی کے اوپر ہے یہ امام بخاری سے بہت قریب ہیں۔ امام بخاری کے سو سال بعد ان کی پیدائش ۳۵۷ھ میں ہوئی ہے اس لئے اس سلسلے میں ابو عاصم کی رائے بعد والوں کی بہ نسبت زیادہ وزنی ہے۔ نواب صدیق حسن بھوپالی ابجد العلوم میں لکھتے ہیں،

''و نذکر بعد ذالک نبذا من ائمۃ الشافعیۃ و ہولاء صنفان، احدھما من تشرف صحبۃ الامام الشافعی و الآخر من تلاھم من الائمۃ، اما الاول فمنھم احمد الخلال، ابو جعفر البغدادی و اما الصنف الثانی فمنھم محمد بن ادریس، ابو حاتم الرازی، محمد بن اسماعیل البخاری و محمد بن الحکیم الترمذی'' [ص۸۱۱]

یعنی اس کے بعد ہم کچھ ائمہ شوافع کا ذکر کرتے ہیں یہ دو قسم کے ہیں ایک وہ جنہوں نے امام شافعی

کی صحبت پائی ، دوسرے وہ جوان کے بعد آئے پہلی قسم میں احمد بن خلال ، ابوجعفر بغدادی ہیں اور دوسری قسم میں محمد بن ادریس ، ابوحاتم رازی ، محمد بن اسماعیل بخاری اور محمد بن حکیم ترمذی ہیں ۔

لیکن امام بخاری جہاں اکثر احادیث امام شافعی کے موافق لائے ہیں وہیں بہت سے مسائل میں ان سے اختلاف بھی کیا ہے ، اس کے برخلاف ابوالحسن بن العراقی نے کہا کہ یہ حنبلی تھے امام بخاری نے خود بیان کیا میں آٹھ بار بغداد گیا اور ہر بار امام احمد کے پاس بیٹھا آخری بار جب میں رخصت ہونے لگا تو فرمایا ''اے ابوعبداللہ ! علم اور قدرداں لوگوں کو چھوڑ رہے ہو اور خراسان جا رہے ہو ، جب بخارا سے جلاوطن ہوئے تو نہایت حسرت سے فرماتے اب امام احمد کا قول یاد آ رہا ہے ۔ ابوعاصم کی دلیل گذر چکی کہ انھوں نے اس بناء پر امام بخاری کو شافعی کہا کہ انھوں نے امام شافعی کے تلامذہ سے اخذ علوم کئے ، حتیٰ کہ فقہ شافعی بھی ان کے تلمیذ حمیدی سے پڑھی ، اور ابوالحسب بن عراقی نے بھی امام احمد سے تلمذ کی بناء پر ان کو حنبلی کہا ، ظاہر ہے کہ محض تلمذ کی بناء پر کسی کو استاذ کا مقلد ہونے کا دعویٰ درست نہیں ، ان کی کتاب نظر کے سامنے ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ مذہباً نہ شافعی ہیں اور نہ حنبلی ، بلکہ سب سے الگ ان کا ایک مذہب ہے ، اس لئے علامہ ابن عابدین شامی اور اپنے دیگر اکابر کی آراء سے زیادہ راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ مجتہد مطلق تھے ۔ علامہ شامی نے 'عقود اللآلی فی مسند العوالی' میں امام بخاری کے مجتہد ہونے کی تصریح کی ہے ، علاوہ ازیں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے صاحبزادے حضرت شیخ نورالحق محدث جلیل نے تیسیر القاری میں بھی اس کا اشارہ دیا ہے فرماتے ہیں ، '' گفتہ اند کہ وے در زمان خود در حفظ احادیث و اتقان آں وفہم معانی کتاب وسنت وحدت ذہن وجودت بحث ووفور فقہ وکمال زہد وغایت ورع وکثرت ابلاغ بر طرق حدیث وعلل آں دقت نظر وقوت اجتہاد واستنباط فروع از اصول نظیر نداشت '' علامہ سخاوی کا بھی یہی مختار ہے ۔ [تیسیر القاری فی شرح البخاری ، ص ۳ / ج ۱]

صحیح البخاری

حضرت امام بخاری کی مشہور زمانہ یہ کتاب اگرچہ ''صحیح البخاری'' سے مشہور ہے مگر حضرت امام بخاری نے خود اس کا نام یہ رکھا ہے،''**الجامع المسند الصحیح المختصر من امور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و سننہ و ایامہ**'' اصطلاحات کے ذیل میں یہ بات گذر چکی ہے کہ ''جامع'' حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں ان آٹھ موضوع پر احادیث ہوں ۔ایمان،احکام ،سیر ،تفسیر ،آداب،مناقب،فتن،اشراط الساعۃ ۔

شارح بخاری حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی پاکستان نے اپنی شرح بخاری میں صحیح بخاری کا اصل نام اور نام کی توجیہ کرتے ہوئے کہا ہے،''صحیح بخاری کا پورا نام یہ ہے''**الجامع الصحیح المسند من حدیث رسول اللہ و سننہ و ایامہ**(ﷺ) امام نے جن امور کا اس کتاب میں ذکر کیا ہے ان سب کی طرف نام ہی میں اشارہ کر دیا ہے،**الجامع** کتب حدیث کی مختلف قسمیں ہیں جیسے مسند، مستخرج، مستدرک وغیرہ۔جامع بھی کتب احادیث کی ایک قسم ہے۔محدثین کی اصطلاح میں جامع اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں مندرجہ ذیل آٹھ باتیں پائی جاتی ہیں،(۱):۔سیر پر مشتمل روایات،سیر وایام فقہاء ومحدثین کی اصطلاح میں ان روایات کو کہتے ہیں جو غزوات اور جہاد سے متعلق ہوں۔ ۲:۔آداب پر مشتمل روایات، ۳:۔تفسیر قرآن سے متعلق روایات، ۴:۔عقائد یعنی وہ روایات جن میں ایمان کے اصول وفروع کا بیان ہو، ۵:۔وہ روایات جن میں فتنوں اور آزمائشوں کی خبریں ہوں ،۶:۔احکام یعنی وہ روایات جن میں امر ونواہی کی توضیحات ہوں، ۷:۔مناقب یعنی وہ روایتیں جن میں افراد یا قبائل کے یا قریوں اور بستیوں کے مناقب درج ہوں، ۸:۔وہ روایات جن میں علامات قیامت کا بیان ہو۔ یہ ہیں وہ آٹھ امور جن کا اجتماع کسی کتاب کو اصطلاحا جامع بناتا ہے چنانچہ بخاری شریف میں یہ تمام اجزاء موجود ہیں۔

(ب)صحیح، کے متعلق بس یہ سمجھ لینا کافی ہے کہ صحیح اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے تمام راوی عادل ثقہ ہوں ،سند متصل ہو۔مسند یعنی متصل جو منقطع اور مرسل کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے جس کا اصطلاحی مطلب یہ ہے کہ درمیان میں کوئی راوی نہ چھوٹا ہو(مرفوع ومتصل احادیث) یعنی وہ حدیثیں جن کے راویوں کا سلسلہ بیان کرنے والے سے لے کر حضور علیہ السلام تک بلا شبہ ملا ہوا ہو اور صحابی کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملنا ثابت ہو۔سننہ و ایامه یعنی اس مجموعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سنن و ایام درج ہوں،امام نے سنن وایام سے حضور علیہ السلام کی فعلی احادیث اور لفظ احادیث سے حضور علیہ السلام کی قولی احادیث مراد لی ہیں۔یہ نہیں تو پھر لفظ حدیث کہنے کے بعد خصوصیت کے لئے سنن وایام کا ذکر کیا ہے؟

[فیوض الباری،ص۵۹ / ج۱]

اسلامی تصنیفات میں اللہ عزوجل نے جو مقبولیت ''صحیح بخاری'' کوعطا فرمائی ہے وہ کسی تصنیف کو آج تک نہ حاصل ہو سکی ، بلکہ خود امام بخاری کی دوسری تصنیفات کو بھی ایسی شہرت نہ حاصل ہوئی جن کی تعداد بیس ہے،شرقاً غرباً تمام ممالک اسلامیہ میں اس کا سکہ بیٹھا ہوا ہے۔

وجہ تصنیف:۔ سطور بالا میں اس بات کا ذکر ہو چکا ہے کہ حضرات تابعین کے دور اخیر میں با قاعدہ مرتب مبوب احادیث کی کتابیں تصنیف ہونی شروع ہو گئی تھیں، تبع تابعین کے عہد میں یہ کام اور زیادہ ترقی کر گیا ،امام اعظم ابوحنیفہ کی کتاب الآثار،امام مالک کی مؤطا،جامع سفیان ثوری،مصنف ابن ابی شیبہ،مصنف عبد الرزاق،عبداللہ ابن مبارک کی کتاب،وکیع کی کتاب،امام شافعی کی کتاب،مسند امام احمد بن حنبل وغیرہ۔مگر اب تک جتنی کتابیں لکھی گئیں کسی میں یہ التزام نہیں تھا کہ صرف صحیح احادیث ہی لکھی جائیں،مصنفین نے ہر قسم کی احادیث جمع کر دی تھیں اس کی شدید ضرورت تھی کہ کوئی ایسی کتاب لکھی جائے جس میں مصنف

صرف انھیں حدیثوں کو جگہ دے جو صحیح ہوں، اس ضرورت کا احساس امام بخاری کے استاذ اسحاق ابن راہویہ کو ہوا انھوں نے ایک دن اپنے تلامذہ سے فرمایا اگر تم لوگوں سے ہو سکے تو کوئی ایسی کتاب مختصر لکھ دو جس میں صرف صحیح احادیث ہی ہوں، اس وقت امام بخاری بھی اس مجلس میں حاضر تھے ان کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی اسی وقت طے کر لیا کہ میں ایسی کتاب لکھوں گا، ایک وجہ یہ بنی، اس کے علاوہ اس کا باعث امام بخاری کا ایک خواب بھی ہے جو انھوں نے خود بیان کیا ہے کہ میں نے خواب میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا، میں خدمت اقدس میں کھڑا ہوں میرے ہاتھ میں پنکھا ہے اور میں حضور اقدس ﷺ کے جسم اقدس سے مکھیاں ہانک رہا ہوں، کسی معبر سے تعبیر پوچھی تو اس نے تعبیر دی کہ آپ حضور اقدس ﷺ کی ذات سے جھوٹ دفع کریں گے اس خواب نے مجھے اس بات پر ابھارا کہ ایک جامع صحیح لکھوں۔

تصنیف کی غرض :۔ احادیث صحیحہ کا جمع، اپنے عقائد و معمولات کا بیان اور ان پر حتی الوسع احادیث سے استدلال، عقائد و اعمال میں اپنے مخالفین کا رد، پہلا مقصد بالکل ظاہر ہے، دوسرا اور تیسرا مقصد احادیث کے ابواب سے ظاہر ہے اور امام بخاری کے کلمات سے بھی جو انھوں نے جگہ جگہ ارشاد فرمائے ہیں، کتنے ابواب ایسے ہیں جن کی تائید میں کوئی حدیث نہیں لا سکے اس سے ظاہر ہے کہ امام بخاری پہلے باب قائم کرتے ہیں پھر اس کے مطابق حدیث تلاش کرتے ہیں اگر مل جاتی ہے تو لکھ لیتے ہیں، نہیں ملتی تو بھی باب جوں کا توں چھوڑ دیا ہے شاید اس امید پر کہ اگر کوئی حدیث مل جائے گی تو بعد میں یہاں درج کر دیں گے لیکن اخیر عمر تک نہیں ملی تو باب یوں ہی رہ گیا۔

ذکر کردہ اغراض تصنیف میں سے تیسرے مقصد پر سیکڑوں ابواب شاہد ہیں، خصوصیت کے ساتھ کتاب الایمان کے ابواب اور کتاب الحیل پوری کی پوری دال ہیں، صحیح البخاری پڑھنے اور پڑھانے والے

جانتے ہیں کہ ابتداء ہی میں عمل کے گھٹنے، بڑھنے پر، اور یہ کہ ایمان قول بھی ہے اور عمل بھی ہے، ہونے پر بھر پور زور صرف فرمادیا، چونکہ اس مضمون کی کوئی حدیث نہیں تھی تو اقوال صحابہ وتابعین سے اس کو ثابت کرنے میں اپنی دانست میں کوئی کمی اٹھا نہیں رکھی مگر اس کے بعد بھی انھوں نے اس سے متعلق دسیوں باب باندھے ہیں مثلاً، قیام لیلة القدر من الایمان، الجهاد من الایمان، تطوع قیام رمضان من الایمان، صوم رمضان احتسابا من الایمان، الصلوٰة من الایمان، زیادة الایمان و نقصه، الزکوٰة من الاسلام، اتباع الجنائز من الایمان، اداء الخمس من الایمان، باب ما جاء ان الاعمال بالنیةو الحسبة ولکل امرء مانویٰ، فدخل فیه الایمان والوضوء و الصلوٰة و الزکوٰة والحج والصوم والاحکام۔

اور کتاب الحیل کا مقصد تو بالکل واضح ہے کہ وہ صرف امام بخاری نے اپنے غضب وجلال ظاہر کرنے کے لئے لکھی ہے، لیکن بزرگوں کے ہر کام میں برکت ہی برکت ہوتی ہے، ان ابواب کی برکت سے ہمیں احادیث کے وہ گراں قدر تحفے ملے جو اگرچہ دوسری جگہ بھی ہیں مگر امام بخاری والی بات کہاں، رحمه الله رحمة واسعةو جزیٰ عنی وعن جمیع اهل الاسلام خیر الجزاء۔

تصنیف بخاری میں آداب واہتمام:۔ حضرت امام بخاری کو چھ لاکھ احادیث یاد تھیں، ان میں اچھی سے اچھی، عمدہ سے عمدہ تر، صحیح سے اصح، اعلیٰ سے اعلیٰ تر کو منتخب کر کے اس عظیم تصنیف میں رکھی ہیں اور انتخاب میں انھیں اپنی معلومات کے ایک ایک نقطے کو صرف کر کے اپنی فکر وتدبیر کی آخری حد کو چھو کر بھی اطمینان نہ ہوتا تو اللہ عزوجل کے حضور استخارہ کرتے پھر صفحۂ قرطاس کے حوالے کرتے، تصنیف وتالیف کے لئے جتنی تنہائی ہو بہتر ہے مگر امام بخاری نے اسے بھری مسجد حرام ومسجد نبوی میں لکھا، ایک بار لکھا مگر مطمئن نہ

ہوئے تو تین بار لکھا، یہ سب وہی اعلیٰ سے اعلیٰ تر، صحیح سے اصح کے انتخاب کے لئے تھا۔ حضرت امام بخاری خود فرماتے ہیں، ''مجھے چھ لاکھ حدیثیں یاد ہیں ان میں چن چن کر سولہ سال میں اس جامع کو میں نے لکھا ہے۔ اور اسے میں نے اپنے اور اللہ عزوجل کے درمیان حجت بنایا ہے، میں نے اپنی اس کتاب میں صرف صحیح احادیث داخل کی ہیں اور جن صحیح حدیثوں کو میں نے اس خیال سے کہ کتاب بہت طویل نہ ہو جائے ترک کر دیا ہے وہ اس سے بہت زیادہ ہیں۔

صحیح بخاری کی تصنیف مسجد حرام میں اور تکمیل مسجد نبوی میں ہوئی:۔ امام بخاری نے یہ کتاب کہاں تصنیف کی؟ اس کے بارے میں انھوں نے خود فرمایا ہے کہ میں نے اسے مسجد حرام میں اس طرح لکھا ہے کہ ہر حدیث کے لکھنے سے پہلے غسل کرتا پھر دو رکعت نماز پڑھتا پھر استخارہ کرتا جب کسی حدیث کی صحت پر دل جمتا تو اسے کتاب میں درج کرتا۔ فیوض الباری میں علامہ محمود احمد فرماتے ہیں'' چنانچہ اس خواب کے بعد میرے (امام بخاری) دل میں صحیح بخاری کی ترتیب کا خیال پیدا ہوا اور سولہ سال کے عرصہ میں اس کی تکمیل ہوئی، امام نے سب سے پہلے اس کا مسودہ مسجد حرام میں بیٹھ کر لکھا، لکھنے کا طریقہ یہ تھا پہلے ضروری عنوان لکھ لیتے تھے پھر ہر عنوان کے نیچے حدیث درج کرتے، ہر حدیث کے اندراج سے پہلے آب زمزم سے غسل فرماتے، مقام ابراہیم میں دو رکعت نفل استخارہ پڑھتے تھے بعدہ حدیث قلمبند فرماتے تھے مسودہ مکمل کرنے کے بعد مدینہ منورہ میں روضۂ مبارک و منبر اقدس کے درمیان بیٹھ کر مسودہ کو دوبارہ لکھا ''[ص:۵۸ / ج۱] لیکن اس پر ایک اشکال یہ وارد ہوتا ہے کہ حضرت امام بخاری مسجد حرام میں سولہ سال تک کبھی نہیں رہے بلکہ متفرق طور پر ان کا مکہ معظّمہ میں جو قیام رہا اس کی مجموعی مدت بھی سولہ سال نہیں؟ اس کا جواب علامہ ابن حجر نے یہ دیا ہے کہ انھوں نے تصنیف کی ابتدا مسجد حرام میں کی پھر جہاں گئے اسے لکھتے

رہے۔۔۔۔اور ایک توجیہ یہ بھی ہے جو ہمارے مشائخ نے کی ہے کہ اس کا مسودہ مختلف بلاد میں لکھا اور جب اس کا مبیضہ کرنا ہوا تو مسجد حرام میں بیٹھ کر اس کا مبیضہ فرمایا، تراجم ابواب کے لئے صرف ایک روایت ہے اسے امام بخاری نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزار اقدس اور منبر مبارک کے مابین ریاض الجنۃ میں بیٹھ کر اصل کتاب میں منتقل کیا ہے، غالبا اسی وقت کے بارے میں یہ روایت ہے کہ میں نے اس کتاب میں کسی حدیث کے لکھنے سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتا ہوں کہ آپ کا یہ ارشاد ہے یا نہیں؟ جب حضور فرماتے ہاں تو لکھتا ہوں۔

اس مقام پر حضرت شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ رقمطراز ہیں، ''میرے خیال میں سب سے اچھی توجیہ یہ ہے کہ امام بخاری نے پہلے مسودہ تیار کیا جن میں ابواب اور ابواب سے مناسب احادیث جمع کیں، یہ مختلف بلاد میں تیار کیا پھر مسجد حرام میں حاضر ہو کر اس مسودہ میں جو احادیث تھیں ان کو مبیضہ کیا لیکن ابواب کی جگہ خالی چھوڑ دی اور حرم نبوی میں حاضر ہو کر ترجمے کو اصل کتاب میں منتقل کیا اس لئے کہ ترجمے کے بارے میں جو وارد ہے یہ ہے۔

''حول تراجم جامعه بين قبر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم و منبره و کان يصلی لکل ترجمة رکعتين''[مقدمه فتح الباری، وغيره]

یعنی اس کتاب کے تراجم ابواب کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزار پاک اور منبر اقدس کے مابین منتقل کیا اور ہر ترجمہ کے لئے دو رکعت نماز پڑھتے، لفظ ''حوّل'' کا ترجمہ سوائے منتقل ہونے کے اور کچھ نہیں بنتا، اس سے ظاہر ہے کہ ترجمے کا کوئی مسودہ پہلے سے تھا اس سے تحویل کر کے لکھتے تھے تحویل کی دوسری تعبیر یہی ہے کہ اس کو منتقل کرتے تھے، جس کا حاصل یہ ہوا کہ تراجم پہلے سے لکھے تھے مگر جس صحیفے میں بڑھاتے تھے

اس میں تراجم کی جگہ خالی تھی تو لازم کہ پہلے احادیث بلاتراجم لکھی تھیں، اور یہ روایت کہ اس کو تین مرتبہ لکھا اس سے مراد یہی ہے کہ پہلے ایک مسودہ تیار کیا جس میں ترجمۃ الباب اور اس سے متعلق احادیث تھیں پھر مسجد الحرام میں اسے صاف کیا اور ترجمۃ الباب کی جگہ چھوڑ دی اور پھر حرم نبوی میں حاضر ہوکر مسودہ سے تراجم ابواب اصل کتاب میں اضافے کئے اور اس کے ساتھ ایک تنقیحی نظر بھی ڈالی۔ اس تفصیل سے بہرحال اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ حضرت امام بخاری نے صحیح بخاری کی تصنیف کا آغاز مسجد حرام سے کیا ہے اور تکمیل مسجد نبوی شریف میں فرمائی ہے **وحقیقۃ العلم عند اللہ تعالیٰ**۔

صحیح البخاری اکابر کی نگاہوں میں :۔ کتاب کی تصنیف کے بعد حضرت امام بخاری نے اپنی یہ کتاب، حضرت امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین اور علی بن مدینی جیسے جلیل القدر ائمہ حدیث کو دکھائی ان حضرات نے اس کی بہت تحسین فرمائیں جس سے امام بخاری کو طمانیت قلب حاصل ہوئی، محمد بن حاتم وراق نے کہا میں نے امام بخاری سے پوچھا کہ آپ نے اپنی صحیح میں جتنی حدیثیں لکھی ہیں وہ سب آپ کو یاد ہیں ؟ فرمایا جامع صحیح کی کوئی حدیث مجھ سے چھپی نہیں اس لئے کہ میں نے اس کو تین بار لکھا ہے۔

بارگاہ رسالت میں صحیح بخاری کی مقبولیت :۔ صحیح بخاری کی معراج کمال یہ ہے کہ مصنف کی ذات کی طرح ان کی کتاب بھی، محبوب رب العلمین، رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں مقبول ہوئی، چنانچہ ابوزید مروزی نے بیان کیا کہ ایک بار میں مطاف میں رکن کے مابین سویا ہوا تھا کہ میرا نصیبہ جاگا، سرکار ابد قرار مونس ہر بے قرار تشریف لائے اور فرمایا اے ابوزید کب تک شافعی کی کتاب پڑھوگے ؟ میری کتاب کیوں نہیں پڑھتے ؟ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ ! آپ کی کتاب کون سی ہے ؟ فرمایا ''محمد بن اسماعیل کی جامع'' ایسے ہی موقع کے لئے کسی نے کہا ہے ،

''ہر ستم ہر جفا گوارہ ہے۔۔۔۔صرف کہدے کہ تو ہمارا ہے''۔

بخاری کا طرز واسلوب :۔ امام بخاری کا طرز واسلوب اس کتاب میں یہ ہے کہ وہ پہلے باب باندھتے ہیں، کبھی کبھی باب کی مناسبت سے ایک یا چند آیات لاتے ہیں، کبھی باب سے متعلق احادیث اوراقوال سلف صحابہ یا ائمہ تابعین وتبع تابعین ذکر کرتے ہیں پھر اگر باب کی مؤید کوئی ایسی حدیث ہوتی ہے جو ان کی شرائط پر پوری ہوتو اسے مع سند ذکر کرتے ہیں کبھی ایک کبھی متعدد، کبھی مفصل کبھی مختصر، کبھی پوری حدیث کبھی حدیث کا کوئی جزءلاتے ہیں۔کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی حدیث کے جزء کو باب کا عنوان بناتے ہیں، کبھی کسی آیت کو، اس سے یہ فائدہ حاصل ہوجاتا ہے کہ یہ باب دلیل کا محتاج نہیں، کبھی کسی حدیث کے جزءکو باب کا عنوان بنانے سے یہ افادہ ہوتا ہے کہ یہ حدیث لائق حجت ہے خواہ وہ ان کے ان شرائط پر ہو جن کا انھوں نے اس کتاب میں التزام کیا ہے خواہ نہ ہو۔کبھی باب کی تائید میں صرف قرآن مجید کی آیات ذکر کرکے چھوڑ دیتے ہیں، کوئی حدیث معلق یا مسند نہیں ذکر کرتے، کہیں کہیں صرف ابواب کے عنوان قائم کرکے چھوڑ دیئے ہیں نہ کوئی آیت ذکر کی ہے نہ حدیث، کہیں کہیں ائمۂ مذاہب پر بہت درشت لہجے میں تعریضیں بھی کیں ہیں، اکثر ایسا ہے کہ ایک ہی حدیث متعدد جگہ ذکر کرتے ہیں، اس سے دو فائدے حاصل ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ اس حدیث سے جتنے مسائل انھوں نے مستنبط کئے سب مذکور ہوجاتے ہیں، دوسرے تعدد طرق سے اس حدیث کی قوت بڑھ جاتی ہے۔ایک حدیث پر مختلف چند ابواب سے کبھی یہ بھی اشارہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث اپنے عموم پر ہے یا اس میں کوئی تخصیص ہے، یہ اپنے اطلاق پر ہے یا اسمیں کوئی تقیید ہے، تخصیص اور تقیید ہے تو کیا ہے، کبھی مبہم معانی کی توضیح مقصود ہوتی ہے، کبھی آیات قرآنیہ اوراحادیث کے مشکل الفاظ کی تفسیر بھی کرتے جاتے ہیں۔

شرائط :۔ حضرت امام بخاری یا امام مسلم نے اپنی ان مخصوص شرائط کا ذکر نہیں کیا جن کا ان دونوں

حضرات نے اپنی اپنی کتابوں میں التزام کیا ہے،صرف حدیث معنعن کے سلسلے میں مقدمہ مسلم کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں بزرگوں میں یہ اختلاف ہے کہ امام بخاری معاصرت کے ساتھ ثبوت لقاء کی شرط ضروری قرار دیتے ہیں اور امام مسلم معاصرت کافی سمجھتے ہیں، امام مسلم نے لقاء کی شرط کے ضروری نہ ہونے پر بہت لمبی بحث کی ہے جس کی بنیاد یہ ہے کہ گفتگو اس صورت خاص میں ہے کہ راوی ثقہ ہو، مدلس نہ ہو اور لقاء کی شرط اس لئے لگائی گئی ہے کہ تلمیذ کا شیخ سے سماع ثابت ہو، صرف لقاء سے سماع لازم نہیں ہوسکتا ہے، ملاقات ہوئی ہو مگر سماع نہ ہو تو یہ شرط بلاضرورت ہے جب ہم نے مان لیا کہ یہ راوی ثقہ ہے مدلس نہیں اور یہ کہہ رہا ہے کہ فلاں سے روایت ہے تو یہی اس کا قول دلیل سماع ہے خواہ دونوں کی ملاقات کا ثبوت ہو خواہ نہ ہو، پھر ملاقات کے ثبوت کی شرط سے کیا فائدہ؟ امام مسلم کی یہ بات بہت وزنی ہے اگرچہ یہ بات ظاہر ہے کہ اگر تلمیذ و شیخ میں لقاء بھی ثابت ہو تو اس سے قوت زیادہ مل جاتی ہے چنانچہ بخاری کے مسلم پر تفوق کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔اس کے علاوہ اور کیا کیا خصوصی شرائط ہیں محدثین نے اس کی کھوج لگانے کی بہت کوشش کی مگر کوئی خاص شرط معلوم نہ ہوسکی، سوائے اس کے کہ دیگر محدثین نے حدیث کے صحیح ہونے کے لئے جن شرائط کا اعتبار کیا ہے اس پر مستزاد یہ ہے کہ امام بخاری زیادہ ایسے راویوں سے حدیث لیتے ہیں جو اپنے شیخ کے ساتھ زیادہ رہا ہو، اس کو یہ حضرات اپنی زبان میں کثیر الملازمت اور اس کے مقابل کو قلیل الملازمت بولتے ہیں، اور کبھی جب کسی موضوع پر کثیر الملازمت تلامذہ کی روایت نہیں ملتی تو بدرجۂ مجبوری قلیل الملازمت تلامذہ کی بھی احادیث لے لیتے ہیں مگر ایسا پہلے کے بہ نسبت کم ہے۔

قاضی ابوبکر ابن عربی نے کہا کہ امام بخاری کی یہ شرط ہے کہ حدیث کی روایت میں کہیں دو راوی سے کم نہ ہوں حتیٰ کہ وہ دو صحابی سے مروی ہو، مگر یہ شرط بھی اکثری ہوسکتی ہے، کلی نہیں۔اس لئے کہ بخاری کی

پہلی حدیث ”و انما الاعمال بالنیات“ میں مسلسل حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے لے کر یحییٰ بن سعید تک صرف ایک ہی راوی ہے ۔حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد علقمہ اوران کے بعد محمد بن ابراہیم اوران کے بعد یحییٰ بن سعید ہیں، ہاں امام بخاری کی ایک خاص شرط کا ذکر ملتا ہے انھوں نے فرمایا کہ میں صرف اس سے حدیث لیتا ہوں جو ایمان قول کو بھی مانے اور عمل کو بھی۔

تکرار حدیث :۔ حضرت امام بخاری نے اکثر احادیث کو ایک سے زیادہ جگہ ذکر کیا ہے، حتیٰ کہ بعض احادیث کو سولہ سولہ جگہ ذکر کیا ہے یہ حقیقت میں لفظاً تکرار ہے، مگر معنوی اعتبار سے تکرار نہیں، اس کی توضیح یہ ہے کہ تکرار کی دو صورت ہے، سند میں تکرار ہو، متن میں تکرار ہو، سند کے لحاظ سے اگر دیکھیں تو شاید کوئی جگہ ایسی ہو جہاں امام بخاری نے ایک حدیث کو دو جگہ ایک ہی سند کے ساتھ ذکر کیا ہو۔۔۔۔۔۔۔ ہمیشہ نئ سند، نئے طریقے سے بیان کرتے ہیں، اس کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں ، (۱) وہ حدیث دو یا دو سے زائد صحابہ سے مروی ہو تو اسے مکرر لاتے ہیں (۲) وہ حدیث دو یا دو سے زائد تابعین سے مروی ہو تو مکرر لاتے ہیں (۳) وہ حدیث ایک سے زائد تبع تابعین سے مروی ہے تو مکرر لاتے ہیں (۴) کبھی امام بخاری ایک حدیث کو ایک سے زائد اساتذہ سے سنی ہے تو مکرر لاتے ہیں (۵) کبھی امام بخاری کے استاذ الاستاذ ایک سے زائد ہیں تو مکرر لاتے ہیں، علیٰ ھذا القیاس اس سے فائدہ یہ ہوتا ہے کہ تعدد طرق سے حدیث قوی سے قوی تر ہو جاتی ہے اگر سلسلۂ رواۃ میں صرف ایک ہی ایک افراد ہوں تو یہ حدیث محدثین کی اصطلاح میں غریب کہلاتی ہے اور جب وہ مختلف طرق سے مروی ہوگی تو غرابت سے نکل جاتی ہے۔ رہ گیا متن کی تکرار تو اس میں بھی متعدد فوائد ہیں، پہلا فائدہ مختلف ابواب پر استدلال، دوسرا فائدہ یہ ہے کہ راوی کبھی ایک حدیث کو مختصر ذکر کرتا ہے، دوسرا مفصل بیان کرتا ہے تو مفصل ذکر کر دینے سے

حدیث کی تکمیل ہوجاتی ہے۔تیسرا فائدہ یہ ہے کہ کبھی ایک راوی کسی لفظ سے بیان کرتا ہےاور دوسرا راوی دوسرے لفظ سے بیان کرتا ہے پس دونوں کو ذکر کرنے سے ایک معنی مقصود کی تعیین میں آسانی ہوتی ہے ۔دوسرے روایت بالمعنی کے اپنے شرائط کے ساتھ جواز کا اشارہ ہوجاتا ہے۔چوتھا فائدہ یہ ہے کہ ایک دوسرے کی تفسیر ہوجاتی ہے۔پانچواں فائدہ یہ ہے کہ کبھی ایک حدیث کوایک راوی بطریق ارسال ذکر کرتا ہےاور دوسرا بطریق اتصال،تو معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ حدیث مرسل نہیں،متصل ہے۔چھٹا فائدہ یہ کہ کبھی ایک راوی حدیث کوموقوف کر کے چھوڑ دیتا ہے اور دوسرا اسے مرفوع روایت کرتا ہے تو تکرار سے معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ حدیث موقوف نہیں بلکہ مرفوع ہے۔ساتواں فائدہ یہ ہے کہ کبھی ایک حدیث کوایک راوی عن فلاں کہہ کے،معنعن روایت کرتا ہےاور دوسرا حَدَّثَنَا، اَخْبَرَنَا اور سَمِعْتُ کے صیغے سے روایت کرتا ہے جوسماع پر صراحۃ دلالت کرتے ہیں اس سے حدیث معنعن میں جو تدلیس کا ذرا سا شائبہ ہوتا ہے وہ بھی ختم ہوجاتا ہے۔خلاصہ یہ کہ سردست تکرار حدیث کے مندرجہ بارہ فائدے ہیں پانچ سند سے متعلق ہیں اورسات متن سے متعلق ہیں اگر قاری امعان نظر سے مطالعہ کریگا تو اسے مزید فوائد نظر آئیں گے۔

تقطیع:۔ تقطیع کا مطلب یہ ہے کہ کسی حدیث کے مختلف اجزاء کومختلف مقامات پر ذکر کیا جائے خواہ مختلف ابواب میں،خواہ ایک ہی باب میں۔تقطیع کا سبب کبھی یہ ہوتا ہے کہ حدیث کے مختلف اجزاء مختلف اسناد سے مروی ہیں یہ صورۃ تقطیع ہے حقیقتا تقطیع نہیں، بلکہ حقیقت میں ایک ہی حدیث ہےایک باب میں تقطیع کی یہی صورت ہوتی ہے۔حدیث کی تقطیع جائز ہے یانہیں؟ یہ محدثین متقدمین میں مختلف فیہ رہا،امام بخاری،امام مالک اوراکثر اجلۂ محدثین تقطیع کے جواز کے قائل بھی ہیں اوراس پر عامل بھی،اوراب تو تقطیع حدیث کے جواز وعمل پر اجماع ہے

امام بخاری حدیث کی تقطیع وہیں کرتے ہیں جب حدیث چند احکام پر مشتمل ہوتو وہ حدیث کے ان اجزاء کو چند ابواب میں لاتے ہیں تا کہ حدیث بلاضرورت طویل نہ ہو پھران کو متعدد جگہ متعدد سند سے ذکر کر کے اس کو تعدد طرق سے قوی بنا دیتے ہیں۔کہیں کسی طویل حدیث میں مختلف مضامین یا احکام مذکور ہوئے ہیں جن میں ربط نہیں معلوم ہوتا، تو امام بخاری ان مختلف جملوں کو ان کے مناسب ابواب میں علیحدہ علیحدہ ذکر کرتے جاتے ہیں، پھر کہیں کوئی باب قائم کر کے مکمل حدیث یکجا بیان کر دیتے ہیں۔

بخاری کے ابواب :۔ حضرت امام بخاری کا جو مذہب تھا اس کی کلیات، پھران کلیات کی جزئیات کو انھوں نے ہزاروں ہزار ابواب کی شکل میں جمع کر دیا ہے جن کو تراجم ابواب کہا جاتا ہے، ترجمۂ باب پر وہ اپنی خداداد ذہانت و ذکاوت سے بعض جگہ ایسے ادق پیرائے میں استدلال کرتے ہیں کہ ذہین سے ذہین محقق مدقق بھی انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔اسی وجہ سے ابن خلدون نے کہا ہے کہ بخاری کے ترجمۂ ابواب سے احادیث کی مطابقت امت پر فرض ہے، اسی فرض کو علامہ ابن حجر عسقلانی اور علامہ بدرالدین محمود عینی نے ادا کرنے کی بھر پور کوشش کی ہے اور ایک حد تک ادا بھی کر دیا مگر اب بھی بہت سا قرض امت پر باقی ہے۔اور اندازہ یہی ہے کہ قیامت تک باقی رہے گا۔ان دونوں شارحین نے ترجمۃ الباب اور حدیث میں مطابقت پیدا کرنے کے وقت یہ امور سامنے رکھے ہیں۔

(۱) یہ ضروری نہیں ہے کہ حدیث کی دلالت باب پر مطابقی ہو تضمنی بھی ہوسکتی ہے التزامی بھی، جن کو فقہاء کی زبان میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ حدیث سے ترجمۃ الباب کا ثبوت کبھی عبارۃ النص سے ہوتا ہے، کبھی دلالۃ النص سے، کبھی اشارۃ النص سے اور کبھی اقتضاء النص سے۔

(۲) کبھی امام بخاری کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ حدیث میں عموم ہے مگر حقیقت میں وہ مخصوص ہے، حدیث میں

اطلاق ہے مگر حقیقت میں وہ مقید ہے۔

(۳) کبھی معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے ترجمۃ الباب سے وہ اس کا افادہ کرتے ہیں۔

(۴) کبھی دو احکام کی علت مشترکہ ہوتی ہے مگر اس علت میں کوئی ابہام ہوتا ہے، کسی حدیث میں اس ابہام کی تشریح ہوتی ہے، امام بخاری باب میں ایک حکم ذکر کرتے ہیں اور پھر اس کے تحت وہ حدیث ذکر کرتے ہیں جس میں اس ابہام کی تشریح ہے مثلاً باب باندھا، **فی کم تقصر الصلوٰۃ** ۔۔۔۔۔۔یعنی کتنی مسافت کے سفر پر نماز میں قصر ہے۔

اس کے تحت حدیث یہ لائے ہیں "لا تسافر المرأۃ ثلثۃ ایام الا مع ذی محرم"

یعنی کوئی عورت تین دن کی مسافت پر بغیر محرم کے سفر نہ کرے۔

دونوں میں کوئی مطابقت نہیں، لیکن دونوں کی علت سفر شرعی ہے، سفر شرعی کی کیا مقدار ہے نامعلوم ہے، حدیث میں اس ابہام کی یہ تشریح ہے کہ تین دن کی مسافت پر عورت بغیر محرم کے سفر نہ کرے، اس سے ثابت ہوا کہ ''سفر شرعی'' کی مقدار تین دن ہے۔

(۵) کبھی حدیث میں مختلف معانی کا احتمال ہوتا ہے، ترجمہ سے کسی ایک معنی کو معین کرنا مقصود ہوتا ہے۔(۶) کبھی بظاہر مختلف المعانی احادیث میں ترجمے سے تطبیق کی طرف رہنمائی فرماتے ہیں۔علامہ عسقلانی اور علامہ عینی کی ہزار کدو کاوش کے باوجود کتنے ابواب ایسے ہیں جن میں مذکورہ احادیث کی ابواب سے مطابقت نہیں ہوسکی۔

بخاری کے احادیث کی تعداد:۔ احادیث نبوی، خصوصاً بخاری کے ساتھ امت مسلمہ کو کتنا شغف تھا اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ علمائے فن نے کتب احادیث میں مندرج احادیث کی گنتی بھی کر ڈالی، حتیٰ کہ کس صحابی سے کتنی احادیث مروی ہیں ان کو بھی شمار کرلیا ہے، صحیح بخاری میں کتنی احادیث ہیں اس سلسلے میں شمار کرنے والے مختلف ہیں، حافظ ابن صلاح نے کہا ہے کہ صحیح بخاری میں کل احادیث سات

ہزار دوسو پچھتر (۷۲۷۵) ہیں اور حذف مکررات کے بعد چار ہزار رہتی ہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی کے شمار کے مطابق کل احادیث مسندہ مع مکررات سات ہزار تین سوستانوے ہیں (۷۳۹۷) اور معلقات ایک ہزار تین سوا کتالیس، اور متتابعات کی تعداد تین سو چوالیس ہیں، اس طرح بخاری کی کل احادیث مسندہ، معلقات و متتابعات ملا کر نو ہزار بیاسی ہوتی ہیں، اگر مکررات کو نکال دیں تو مرفوع احادیث کی تعداد دو ہزار چھ سو تئیس ہوتی ہے۔ بخاری میں سب سے اعلیٰ وہ احادیث ہیں جو ثلاثیات کہلاتی ہیں، جن کی سند میں امام بخاری اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک بیچ میں صرف تین راوی ہیں ان کی کل تعداد بائیس ہے اور حذف مکررات کے بعد سولہ رہ جاتی ہیں ان ثلاثیات میں بیس ثلاثیات وہ ہیں جو امام بخاری نے اپنے حنفی شیوخ سے لی ہیں، یہاں یہ بات خاص کر قابل ذکر ہے کہ یہ بائیس ثلاثیات امام بخاری کے لئے سرمایۂ افتخار ہیں مگر امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عام مرویات ثلاثیات ہیں۔

صحیح بخاری کی برکت وکرامت:۔ علامہ خطیب احمد قسطلانی نے ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری کے مقدمہ میں اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ نے اشعۃ اللمعات کے مقدمہ میں اور حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ الباری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں بعض عارفین کا قول نقل فرمایا ہے کہ استجابت دعا حل مشکلات اور قضائے حاجات کے لئے بخاری کا ختم بارہا کا آزمودہ ہے، بخاری شریف جس کشتی میں ہوگی وہ ڈوبنے سے محفوظ رہے گی اور حافظ عماد الدین ابن کثیر نے کہا کہ اگر قحط کے وقت پڑھی جائے تو بارش ہوگی، یہ سب اس لئے ہے کہ امام بخاری مستجاب الدعوات تھے اور انھوں نے اس کے پڑھنے والے کے لئے دعا کی ہے۔

اختلاف نسخ:۔ امام بخاری کے نسخے آپس میں بہت مختلف ہیں، اس کا سبب یہ ہے کہ عبدالرزاق بخاری نے کہا، میں نے امام بخاری سے پوچھا کہ آپ نے جتنی حدیثیں اپنی تصنیفات میں لکھی ہیں وہ سب آپ کو

یاد ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا کوئی حدیث مجھ پر مخفی نہیں، اسلئے کہ میں نے اپنی ہر کتاب کو تین مرتبہ لکھا ہے اور ہر مصنف جانتا ہے کہ کتاب پر جتنی بار نظر ڈالی جائے گی اتنا ہی اس میں ردوبدل ہوتا رہتا ہے پھر نقل در نقل میں تفاوت ہوجانا لابدی امر ہے، حافظ ابواسحٰق ابراہیم بن احمد مستملی نے کہا میں نے بخاری کو اس کی اصل سے جو محمد بن یوسف فربری کے پاس تھی نقل کیا ہے، میں نے اصل میں کئی جگہ بیاض دیکھی مثلاً ترجمۂ باب ہے مگر اس کے تحت کچھ نہیں، کہیں حدیث ہے مگر ترجمہ نہیں میں نے سب کو ملا کر لکھ دیا ہے۔

چند شروحات بخاری کا تعارف:۔ صحیح البخاری کی عظمت وجلالت کے پیش نظر اس کی اتنی شرحیں ہوئیں کہ حدیث کی کتابوں میں کسی کتاب کی اتنی شرحیں نہیں ہوئیں، کشف الظنون میں حاجی خلیفہ نے ۱۰۱۲ھ تک پچاس شرحوں کا تذکرہ کیا ہے، اس کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا اندازہ یہ ہے کہ عربی کے علاوہ فارسی اردو کی شرحوں کو ملا لیا جائے تو ان کی تعداد سو تک پہنچ جائے گی، اتنی کثرت سے اس کتاب کی شرح لکھا جانا بھی اس کی شاندار مقبولیت کی دلیل ہے اور جو شرحیں لکھی گئیں ان میں دو شرحوں کو اللہ عزوجل نے سب سے زیادہ شہرت ومقبولیت عطا فرمائی، ان میں ایک فتح الباری ہے اور دوسری عمدۃ القاری ہے۔

فتح الباری:۔ یہ مایۂ ناز عربی شرح، سند الحفاظ علامہ شہاب الدین ابو الفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ کی ہے، آپ ماہ شعبان ۷۷۳ھ میں مصر میں پیدا ہوئے۔ اور وہیں اواخر ذوالحجہ ۸۵۲ھ میں وصال فرمایا اور دیلمی کے بغل میں مدفون ہوئے۔ ان کی مختلف علوم وفنون پر ڈیڑھ سو سے زائد تصنیفات ہیں، آپ بیس سال تک مصر کے قاضیٔ القضاۃ رہے، آپ نے بخاری کی شرح ۸۱۷ھ میں لکھنی شروع کی ، اور ۸۴۲ھ میں اس کو مکمل کیا، سند الحفاظ حضرت ابن حجر عسقلانی نے اپنی اس شرح میں اپنے علم کے وہ جوہر دکھائے ہیں جن سے دنیا روشن ہے اور روشن رہیگی ، انھوں نے بخاری کی شرح کا حق ادا کردیا، مشکل

الفاظ کی تفسیر،مغلق مقامات کی تسہیل متعارض حدیث کی تطبیق،تراجم ابواب میں جو دقیق معانی ہیں ان کی تبیین،رجال بخاری کی جرح وتعدیل،بخاری پر وارد ہونے والے اعتراضات کی تردید،ترجمۂ باب وحدیث میں تطبیق،مسائل کا استنباط،احادیث مختصرہ کی تکمیل،اسمائے مبہمہ کی تفسیر،لغات کا حل،اسمائے رجال کی تنقید،عقائد واحکام کی تفصیل اورسب پر محققانہ بحث وتمحیص،وہ کون سی اہم بات ہے جوحدیث کی شرح کے لئےضروری ہےاوروہ اس شرح میں نہیں۔اس لئے عام طور پراس شرح کوتمام شروح پر برتری دی جاتی ہے،ان سب خوبیوں کے باوجود گزشتہ تمام شرحوں کا عطر تحقیق بھی ہے،اس شرح میں کیا کیا ہےوہ شرح کودیکھنے کے بعدہی معلوم ہوگا۔

عمدۃ القاری:۔ بخاری کی یہ شرح،علامہ ابن حجر کے معاصر علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ عینی کی ہے،ان کے والد قاضی شہاب الدین احمد بن قاضی شرف الدین موسیٰ بن احمد حلب کے باشندہ تھے،وہاں سےترک وطن کرکے (عین ناب) آگئے تھے یہ حلب سے تین منزل کی دوری پر ہے یہاں کی قضاان کے سپرد ہوئی،یہیں علامہ عینی ۱۷/رمضان المبارک ۷۶۲ھ میں پیدا ہوئے اسی کی طرف نسبت کرتے ہوئے ان کو عینی کہا جاتا ہے،علامہ ابن حجر کی طرح یہ بھی حافظ زین الدین عراقی اور حافظ سراج الدین بلقینی جیسے اکابر روزگار کے شاگرد ہیں،۷۸۸ھ میں بیت المقدس گئے وہاں ان کی ملاقات اس وقت کے بہت ممتاز عالم علاء الدین علی بن احمد بن محمد سیرامی سے ہوگئی پھرانھیں کے ہوکر رہ گئے،انھیں کے ساتھ مدرسہ برقوقیہ میں آئے اورمدت العمر یہیں رہے،یہیں سہ شنبہ کی رات میں ۴/ذوالحجہ ۸۵۵ھ میں علامہ ابن حجر کے تین سال بعد وصال فرمایا،مصر کے قاضیٔ القضاۃ بھی رہے،اس منصب جلیل کے علاوہ دوسرے مناصب عالیہ پر مدت دراز تک فائز رہے۔۸۵۳ھ میں تمام مناصب سے الگ ہوکر جامعہ ازہر

کے قریب محلہ کناسہ میں اپنا ذاتی مدرسہ قائم کرلیا تھا جس میں اپنی تمام کتابیں وقف کردی تھیں، حضرت علامہ ابن حجر کی طرح آپ بھی تمام علوم وفنون میں یگانہ ویکتا تھے۔علامہ ابن حجر اور علامہ عینی دونوں نے ایک ہی زمانے میں دو چار سال آگے پیچھے بخاری کی شرحیں لکھیں ہیں، علامہ عینی ۸۲۱ھ میں شروع کیا اور ۸۴۷ھ میں مکمل فرمایا، اور علامہ ابن حجر نے ۸۱۷ھ میں شروع فرمایا اور ۸۴۲ھ میں مکمل فرمایا۔

طرز تصنیف:۔ علامہ عینی کا طریقہ یہ ہے وہ پہلے باب کی توضیح کرتے ہیں، پچھلے باب سے مناسبت بیان کرتے ہیں پھر باب باندھنے کا جو مقصد ہوتا ہے اس کو بیان کرتے ہیں، باب کی تائید میں جو آیت یا تعلیق ہوتی ہے اس کی توضیح کرتے ہیں، تعلیق کی سند بیان کرتے ہیں پھر حدیث کا پورا متن مع سند بیان کرتے ہیں، اس کے بعد راویوں کے احوال کو ضروری تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں اگر راویوں کے نسب میں خفا ہوتا ہے تو اس کو واضح کرتے ہیں پھر سند کے اندر جو رموز ونکات ہوتے ہیں ان کو بیان کرتے ہیں، یہ حدیث بخاری میں کتنی جگہ ہے اس کو اور یہ کہ صحاح ستہ میں سے کس کس میں ہے اسے بھی ظاہر کرتے ہیں، اس کے بعد مشکل لغات کو حل کرتے ہیں، پھر خاص خاص جملوں کی نحوی ترکیب لکھتے ہیں، اس کے بعد معانی وبیان وبدیع کے نکات بیان کرتے ہیں پھر حدیث پر مفصل بحث کرتے ہیں، اس سے ثابت ہونے والے مضامین کو واضح کرکے اس سلسلے میں جتنے اقوال ہوتے ہیں سب کو ان کے دلائل کے ساتھ بیان کرکے جو مذہب ان کے نزدیک حق ہوتا ہے اسے عقلی ونقلی دلائل سے ثابت کرتے ہیں، اس کے بعد حدیث سے مستخرج مسائل کی فہرست پیش کرتے ہیں، پھر حدیث کے مضمون پر وارد ہونے والے سوالوں کو ذکر کرکے ان کے تشفی بخش جواب دیتے ہیں۔حدیث میں مذکور اسماء واماکن کی توضیح کرتے ہیں، ساتھ ہی ساتھ حدیث کی باب سے مطابقت اور متعارض احادیث میں تطبیق کو بھی واضح کرتے ہیں پہلی بار جب کوئی

حدیث آتی ہے تو وہیں اس پر سیر حاصل بحث کرتے ہیں خلاصہ یہ کہ بخاری کی یہ دونوں شرحیں حقیقی معنوں میں بہت کامل، بہت جامع اور بہت مفید ہیں ان دونوں کی نظیر نہ پہلے کی کوئی شرح ہے نہ بعد کی۔

ارشاد الساری:۔ بخاری شریف کی یہ شرح علامہ شہاب الدین احمد بن محمد خطیب قسطلانی مصری کی ہے یہ شرح حامل المتن ہے اور کچھ مختصر بھی ہے، خاص بات یہ ہے کہ مشکل الفاظ جتنی بار آئے ہیں ہر بار اس کی شرح کرتے ہیں اس کی اصل ماخذ عمدۃ القاری اور فتح الباری ہی ہے مگر دیگر شروح کے بھی اہم مضامین کافی ہیں بہر حال مدرسین وطلبہ کے لئے بہت مفید ہے، آپ کی پیدائش ۱۲ / ذوقعدہ ۸۵۱ھ میں ہوئی اور ۷ /محرم الحرام شب جمعہ ۹۲۳ھ میں وصال ہوا، بعد نماز جمعہ جامع از ہر میں نماز جنازہ ہوئی اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ میں دفن ہوئے۔

تیسیر القاری:۔ ہندوستان کے مشہور و معروف محدث انام حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ کے فرزند ارجمند حضرت شیخ نور الحق کی فارسی میں بخاری کی شرح ہے، شاہجہاں بادشاہ نے آگرہ کا قاضی اور مفتی مقرر کیا تھا، ۹۸۳ھ میں ولادت اور ۱۰۷۳ھ میں وصال ہوا، یہ شرح انھوں نے اپنے والد ماجد کی خواہش پر ان کے وصال کے بعد اشعۃ اللمعات کے طرز پر لکھی ہے، اس کی چھ جلدیں ہیں اس کے حاشیہ پر شیخ الاسلام محمد بن فخر الدین بن محب اللہ بن نور اللہ دہلوی کی بھی ناتمام شرح چھپی ہے یہ بزرگ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے پانچویں پیڑھی میں پوتے تھے، محمد شاہ رنگیلے کے آخر عہد میں دہلی کے مذہبی امور کے صدر الصدور تھے یہ شرح کچھ بسیط ہے اس میں بہت ہی محققانہ فاضلانہ ابحاث ہیں، نصف اول کی تکمیل کی تاریخ آخر جمادی الآخرہ ۱۱۶۶ہجری درج ہے۔

بشیر القاری:۔ ماضی قریب کے عظیم بزرگ محقق و مدقق حضرت صدر العلماء علامہ غلام جیلانی میرٹھی رحمۃ

اللہ علیہ کی مایۂ ناز شرح ہے عربی، فارسی اردو کسی زبان میں بھی بخاری کی اب تک کوئی شرح اتنی تحقیق وتفصیل سے نہیں لکھی گئی، اس میں حضرت نے تحقیق وتدقیق کا حق ادا کردیا ہے الفاظ حدیث کی صرفی ولغوی تحقیق ،جملوں کی نحوی ترکیب اور معانی وبیان وبدیع کی تفصیل کے ساتھ ساتھ معانی حدیث کے ہر ہر پہلو پر ایسی جامع کامل بحث ہے جسے دیکھ کر کہنا پڑتا ہے 'کم ترک الاولون للآخرین' ساتھ ہی ساتھ ہمہ دانی کا خصوصا علم حدیث میں دعویٰ کرنے والوں کی غلطیوں پر ایسی مضبوط گرفت فرمائی ہے جس کا کسی کے پاس کوئی جواب نہیں ہے، کوئی عناد وتعصب سے ہٹ کر اگر اس شرح کا مطالعہ کرے گا تو اسے کہنا پڑے گا کہ حضرت مصنف دیگر علوم کی طرح علم حدیث میں بھی اپنے وقت کے امام تھے۔ لیکن افسوس کہ یہ شرح صرف باب بدأ الوحی تک ہی ہوسکی اس کے بعد حضرت مصنف دوسری تصانیف میں مصروف ہوگئے اور عمر نے وفا نہ کی اس لئے یہ شرح مزید نہ ہوسکی۔ حضرت صدر العلماء کی پیدائش علی گڑھ ریاست دادوں میں ۱۱/ رمضان المبارک ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۹۰۰ء کو ہوئی، ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں داخلہ لیا، آمدنامہ سے کافیہ تک یہاں تعلیم حاصل کی پھر ۱۳۴۲ھ میں اجمیر معلی دار العلوم معینیہ درگاہ شریف میں حضرت صدر الشریعہ کے زیر عاطفت نو سال تک تعلیم حاصل کرتے رہے،، درس نظامی کی منتہی کتابیں صدر الشریعہ نے پڑھائی، بریلی شریف میں علاوہ دورۂ حدیث کے شرح چغمینی محقق دوانی کی شرح تجرید کے حواشی قدیمہ اور جدیدہ، اشارات کی دونوں شرحیں امام رازی اور طوسی کی پڑھائیں، جب متولی نثار احمد کی شرارتوں سے تنگ آکر ۱۳۵۱ھ میں حضرت صدر الشریعہ بریلی شریف مدرسہ منظر اسلام میں تشریف لائے تو حضرت صدر العلماء بھی اپنے رفقاء کے ساتھ بریلی شریف آگئے اور یہیں سے ۱۳۵۲ھ میں فراغت ہوئی، فراغت کے بعد جائس، پانی پت، کانپور احسن المدارس قدیم میں قیام فرمایا، پھر میرٹھ مدرسہ اسلامیہ

میں تشریف لائے اوائل ۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۵ء سے آخیر عمر مبارک پینتالیس سال تک یہیں قیام فرمایا، جمادی الاولیٰ ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء میں بعارضۂ فالج میرٹھ ہی میں وصال فرمایا اور وہیں سپرد خاک ہوئے۔

شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ نے کسی وجہ سے حضرت صدر العلماء کی بیعت وارادت اور اجازت وخلافت کا تذکرہ نہیں کیا ہے، ناچیز راقم الحروف حضرت صدر العلماء کی شرح بشیر القاری کے حوالہ سے ان کی بیعت وخلافت کا حال درج کردیتا ہے تاکہ یہ گوشہ بھی تشنہ طلب نہ رہے حضرت صدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بقلم خود تحریر فرمایا ہے۔

سلسلۂ بیعت:۔ قدوۃ السالکین، زبدۃ العارفین، ملجا وماویٰ ما بیکساں مرجع وملاذ کاملان اشرف المشائخ سیدنا ومولانا الشاہ سید علی حسین صاحب کچھوچھوی قدس سرہ القوی کے دست حق پرست پر بریلی شریف میں بموقع عرس رضوی غالباً ۱۹۲۲ء میں شرف بیعت حاصل ہوا اور دار الخیر اجمیر شریف میں بتاریخ ۱۲ / ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ کو خلافت سے نوازا تھا، خلافت نامہ کے ساتھ ایک کلاہ اور ایک استعمالی جبہ بھی عطا فرمایا، جس کے متعلق اہل خانہ کو وصیت کردی ہے کہ میرے کفن میں شامل کردیا جائے کیوں کہ بزرگان دین کے ملبوسات شامل کفن کرنا مسنون ہے، "**كما فى الاركان الاربعة لبحر العلوم اللكنوى قدس سره القوى**" سلاسل اربعہ مشہورہ کے ساتھ ساتھ سلسلۂ منوریہ کی بھی اجازت عطا فرمائی جس میں وسائط اقل قلیل ہیں، فقیر سے حضور غوث اعظم سیدنا شیخ سید عبد القادر جیلانی قدس سرہ النورانی، تک صرف پانچ واسطے پڑتے ہیں ارباب کشف نے فرمایا ہے آپ حسن صوری کے اعتبار سے اپنے جد امجد حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شبیہ تھے اور حسن معنوی کے اعتبار سے اولیائے کرام میں محبوبیت کے مرتبۂ چہارم پر فائز۔اول محبوب سبحانی حضور غوث اعظم، دوم محبوب الٰہی حضرت سلطان المشائخ (حضرت نظام الدین

اولیاء)،سوم محبوب یزدانی حضور مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی، چہارم محبوب رحمانی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ،مجدد مائۃ حاضرہ اعلیحضرت عظیم البرکت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرہ القوی کے قلم حقیقت رقم نے اپنے محققانہ انداز میں آپ کے مذکورہ بالا ہر دو حسن صوری ومعنوی کی جانب راہنمائی کرتے ہوئے عرض کیا تھا، اشرفی اے رخت آئینۂ حسن خوباں ۔۔۔۔۔اے نظر کردہ و پروردۂ سہ محبوباں ۔[ص ۱۷]

فیوض الباری: ۔محقق عصر حضرت مولانا محمد محمود صاحب (پاکستان) کی یہ لاجواب شرح ہے عربی فارسی شرحوں کی تلخیص بہت عمدگی کے ساتھ کی ہے،احادیث کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ روح جھوم اٹھتی ہے معنی لغوی کی رعایت کے ساتھ ساتھ سلاست وروانی ،ترکیب کی خوبصورتی سب کچھ ترجمہ میں موجود ہے،ابتدا میں نہایت فاضلانہ،محققانہ مقدمہ ہے جو اصل میں منکرین حدیث چکڑالیوں کا رد ہے جس میں احادیث کے حجت ہونے پر ایسے دلائل قاہرہ قائم فرمائے ہیں جس کے بعد کسی کو مجال دم زدن نہیں ،احادیث کی جمع وتدوین کی مختصر مگر جامع تاریخ بھی ہے طرز علامہ عینی کا ہے،مگر احادیث سے متعلق ابحاث کی توضیح وتشریح اس خوبی سے کرتے ہیں کہ سب کو سمجھ میں آجائے ،اپنی تحقیقات سے بھی کتاب کو مالا مال کیا ہے،موصوف پاکستان کے مشہور عالم دین ،مرجع انام ،فاضل یگانہ حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد صاحب شیخ الحدیث انجمن حزب الاحناف لاہور کے وارث علم وفضل ہیں ،انھوں نے اس کی تصنیف کب شروع کی یہ تو نہ معلوم ہوسکا البتہ پہلے پارہ کے اختتام پر انھوں نے یہ تاریخ درج کی ہے ۸ / جمادی الآخرہ ۱۳۷۸ھ، ۳۰ نومبر ۱۹۵۸ء۔علامہ سید محمود احمد رضوی مدظلہ العالی کی ولادت باسعادت ۱۳۴۳ھ/ ۱۹۲۵ء میں ہے درس نظامی کی ابتدائی کتابیں اپنے جد امجد، سید المحدثین مولانا سید محمد دیدار علی شاہ الوری قدس سرہ سے پڑھیں بقیہ کتب

جیداور متبحر اساتذہ سے پڑھیں۔۔۔۔درس حدیث اپنے والدگرامی مفتی اعظم پاکستان حضرت شیخ الحدیث علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری قدس سرہ سے لیا، ۱۹۴۷ء میں حزب الاحناف لاہور کے سالانہ جلسے میں دستار بندی ہوئی، اس اجلاس میں ہندو پاک کے اکابر علماء مثلاً صدرالافاضل مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی ،مفتی آگرہ مولانا مفتی عبد الحفیظ ،محدث اعظم ہند علامہ سید محمد محدث کچھوچھوی ،مولانا محمد یار گڑھی شریف ،علامہ عبدالغفور ہزاروی ، مخدوم المشائخ حضرت مولانا مفتی سید شاہ مختار اشرف سجادہ نشیں آستانہ اشرفیہ کچھوچھہ مقدسہ ،قدست اسرارہم تشریف فرماتھے۔آپ کی بہت سی دینی وملی خدمات اورتصانیف ہیں جن سب کی قدرے تفصیل، فیوض الباری میں مذکور ہے۔

بیعت وخلافت :۔صاحب فیوض الباری حضرت محمود احمد رضوی کے والدمحترم شیخ الحدیث حضرت علامہ ابوالبرکات علیہ الرحمہ بھی طریقت میں قطب ربانی ،اعلیٰ حضرت مولانا سید شاہ علی حسین صاحب سجادہ نشین کچھوچھہ مقدسہ سے بیعت ہیں اورانھیں کے خلیفہ ومجاز بھی اور علامہ محمود احمد رضوی کو بھی اعلیٰ حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمہ سے ہی بیعت وخلافت حاصل ہے ۔صاحب فیوض الباری علامہ محمود احمد نجیب الطرفین سید ہیں اور حضرت سیدنا امام علی بن موسی رضا رضی اللہ عنہما کی اولاد سے ہیں اس لئے علامہ رضوی اپنے نام کے ساتھ رضوی لکھتے ہیں اور سلسلہ اشرفیہ میں مرید وخلیفہ ہیں نیز آپ کو سلسلہ اشرفیہ کے عظیم بزرگ ،صدرشریعت ،مخدوم المشائخ حضرت ابوالمسعو د مولانا سید شاہ محمد مختار اشرف الاشرفی الجیلانی سجادہ نشیں آستانۂ عالیہ اشرفیہ کچھوچھہ شریف انڈیا نے بھی اپنی خلافت سے نوازا ہے۔

[فیوض الباری،ص ۴/ ج۱]

نعمۃ الباری :۔اس دور کے عظیم محقق ،مفسر قرآن عظیم ،محدث جلیل علامہ غلام رسول سعیدی صاحب

پاکستانی کی یہ عظیم الشان شرح بخاری ہے جو سولہ جلدوں پر مشتمل ہے،اس کی جلداول میں ایک طویل مقدمہ ہے،اس مقدمہ میں حضرت علامہ سعیدی نے ضرورت حدیث، حجیت حدیث ،تدوین حدیث ،تعریف حدیث وتعریفات اصطلاحات حدیث کو بڑی تفصیل اور جامعیت کے ساتھ بیان کیا ہے ساتھ ہی ائمۂ اربعہ کے مذاہب کے حفاظ حدیث کے کچھ اسمائے گرامی شمار کرائے ہیں،امام بخاری کی مکمل سوانح عمری اور صحیح البخاری کی جلالت خسروی کو بھی تفصیل انیق کے ساتھ بیان کیا ہے۔ پھر بخاری کی عربی وارد وغیرہ زبان میں لکھی گئیں بہت ساری شرحوں کا تعارف اپنے انداز میں پیش کیا ہے یہاں تک کہ وہابیوں کی لکھی ہوئی شرحوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے بلکہ ان کی شرحوں کا تذکرہ بھی اسی طرح کیا ہے جس طرح سنی علمائے ذوی الاحترام کی شرحوں کا کیا ہے ،آخر میں اپنی شرح نعمۃ الباری کی تصنیف کا وقت آغاز اور اس کی خصوصیات لکھ کر مقدمہ کا اختتام کیا ہے۔علامہ سعیدی کی ہی زبانی سنئے ،لکھتے ہیں۔

نعمۃ الباری:۔ ’’تیرہ ذوالحج ۱۴۲۶ھ بروز جمعہ میں نے ’’تبیان القرآن‘‘ کی تکمیل کی اور اسی روز میں نے ’’نعمۃ الباری فی شرح صحیح البخاری‘‘ لکھنے کا آغاز کردیا یہ روز سعید میرے لئے تین اعتبار سے عید کا دن تھا ،(۱) یہ عید الاضحیٰ کا دن تھا (۲) جمعہ کا دن بھی تھا جو کہ مسلمانوں کے لئے عید کا دن ہے (۳) جس دن مسلمانوں کو کوئی نعمت ملے وہ دن بھی ان کے لئے عید کا دن ہوتا ہے اور اس دن مجھے دو نعمتیں ملیں ’’تبیان القرآن کی تکمیل ہوئی اور نعمۃ الباری کا آغاز ہوا۔[ص ۱۱۰/ ۱]

نعمۃ الباری کی خصوصیات ،۱:۔ عام طور پر کتب احادیث کے تراجم اور اردو شروح میں سند حدیث کا ترجمہ نہیں کیا جاتا ،لیکن علامہ سعیدی نے متن حدیث کے ساتھ ،پوری سند کا بھی ترجمہ کیا ہے۔

۲:۔ سند کے رجال کا مکمل تعارف،حضرات صحابہ کا نام آنے پر،ان کے کوائف اور سن وفات کا ذکر کیا۔

۳:۔عنوان بخاری کی وضاحت، اس کا لغوی وشرعی معنیٰ اور عنوان سابق کے ساتھ مناسبت کا بیان۔

۴:۔امام بخاری نے ترجمۃ الباب میں جو آیات قرآنیہ پیش کی ہیں معتمد کتب تفسیر سے اس کی تفسیر بھی ذکر کی ہے۔

۵:۔تعلیقات بخاری کو اصل حدیث، جلد، صفحہ یا حدیث، نمبر کے اعتبار سے با حوالہ بیان کیا ہے۔

۶:۔صحیح بخاری کی ہر حدیث کی مکمل تخریج، اور تمام احادیث کو باحوالہ بیان کیا ہے۔

۷:۔استنباط مسائل کے ضمن میں مذاہب ائمہ ان کے دلائل کے ساتھ بیان کیا ہے اور مذہب احناف کو قوی دلائل کے ساتھ بیان کیا ہے اور معترضین کا مسکت جواب دیا ہے۔

۸:۔حافظ بدرالدین عینی، اور علامہ ابن حجر عسقلانی کی شروح میں کے اختلاف کو ذکر کیا ہے اور حسب ضرورت ان کے درمیان محاکمہ پیش کیا ہے۔

۹:۔حضور سید عالم ﷺ کے خصائص، تمام نبیوں پر آپ کی فضیلت، اور دیگر فضائل وکمالات، بارگاہ الوہیت میں آپ کی وجاہت، شفاعت، شفا رسانی، تصرفات واختیارات اور علم غیب وغیرہ عقائد اہلسنت کے اثبات میں احادیث کثیرہ لانے کے ساتھ خود مخالفین کے اقوال سے اپنے موقف کو ثابت کیا ہے۔

۱۰:۔مغرب زدہ لوگوں اور مستشرقین اور منکرین حدیث کے اعتراضات کا شافی جواب دینے کے ساتھ عصر حاضر کے مسائل کا قرآن وحدیث کی روشنی میں حل پیش کیا ہے اس طرح اور بھی بہت ساری خوبیاں ہیں جو اس شرح کو دوسری شرحوں سے ممتاز کرتی ہے، دیکھیں نعمۃ الباری جلد اول، صفحہ ۱۱۱ / ۱۱۲۔

حضرت شارح بخاری مفتی شریف الحق صاحب امجدی علیہ الرحمہ نے بھی علامہ سعیدی صاحب کی بایں الفاظ تعریف کی ہے۔

’’(فاضل جلیل مولانا عبدالحکیم خاں صاحب اختر شاہجہاں پوری کے) ترجمے کے پہلے حضرت

مولانا غلام رسول صاحب سعیدی مدظلہ کا ایک بہت مفید مقدمہ ہے جس میں ابتداء امام بخاری کے احوال بہت جامعیت کے ساتھ لکھے گئے ہیں پھر ان کی کتاب کے خدوخال کو بہت ہی محققانہ طریقے پر بیان کیا گیا ہے اخیر میں منکرین حدیث کے رد کے لئے حدیث کا قابل حجت ہونا بڑے ہی مدلل طور پر بیان کیا ہے، پھر اسی ضمن میں تدوین حدیث کی مختصر تاریخ پیش کی ہے اخیر میں اصطلاحات حدیث کو درج کیا ہے یہ مقدمہ بہت جامع اور اہم ہے میں نے اپنی اس کتاب (نزہۃ القاری) میں ان کے مقدمے سے بہت کچھ استفادہ کیا ہے۔**شکر اللہ مساعیھم الجمیلة و تقبل منا و منھم**"[مقدمہ نزہۃ القاری،ص ۸۸/ج۱]

نزہۃ القاری:۔صحیح البخاری کی یہ شرح، میرے اور مجھ جیسے ہزاروں علماء اور مفتیوں کے استاذ بلکہ استاذ الاساتذہ شیخ المفتیین، نائب مفتی اعظم ہند، شارح بخاری حضرت علامہ مفتی شریف الحق امجدی قدس سرہ العزیز کی شاہکار تصنیف ہے، اس شرح کو آپ نے ۲۱/ ذوالحجہ ۱۴۰۲ھ، ۱۰/ اکتوبر ۱۹۸۲ء میں شروع کیا اور گیارہ رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ/ ۳۱ دسمبر ۱۹۹۸ء شب پنجشنبہ گیارہ بجے اس کو مکمل کیا، کل سولہ سال آٹھ ماہ بیس دن میں یہ شرح مکمل ہوئی، یہ شرح نو جلدوں پر مشتمل ہے اس شرح کے ناشر نے حضرت شارح بخاری کی دینی وعلمی خدمات وتصنیفات کا تعارف کراتے ہوئے آغاز شرح میں نزہۃ القاری کے تعلق سے کہا ہے،"آپ کی علمی زندگی کی سب سے معروف اور قابل ذکر تحقیقی کتاب "نزہۃ القاری" ہے، یہ قرآن حکیم کے بعد سب سے زیادہ صحیح ومعتبر ومستند کتاب کی نہایت جامع، مفید اور معلوماتی شرح ہے جو بخاری شریف کی تقریبا تمام عربی وفارسی شروح کا حاصل اور نچوڑ ہے، یہ علماء، محققین، خواص، طلبہ، ائمہ، واعظین، خطباء، مقررین اور عوام کے لئے انتہائی قابل مطالعہ کتاب ہے۔متن احادیث کے حوالے سے نقد وجرح، الفاظ ومعانی کے اعتبار سے مختلف احادیث میں تشفی بخش تطبیق وتشریح، استدلالی احادیث سے مستنبط احکام میں

احناف وشوافع کے درمیان اختلافات کی زبردست تصریح وتوضیح اور جن احادیث کے ترجمہ وتعبیر میں عام طور سے لوگ غلطی کرتے ہیں ان کا عمدہ، واضح اور معیاری ترجمہ اس کتاب کی خصوصیات ہیں، انھیں خصوصیات کی بدولت اب تک اس کی متعدد بار اشاعت ہوچکی ہے۔۔۔ یہ شرح نوضخیم جلدوں پر مشتمل ہے ''[ص ۳]اس شرح کی مزید خصوصیات خود شارح بخاری کی زبان قلم سے سنئے۔

خصوصیات: ۔ا:۔ کتاب کو طویل ہونے سے بچانے کے لئے میں نے مکرر احادیث کو صرف ایک بار لیا ہے۔۔۔ البتہ حدیث کے مختلف الفاظ کو اکٹھا کردیا ہے۔

۲:۔ ابواب کو بالکل ذکر نہیں کیا ہے اس لئے کہ پھر احادیث کو مکرر لانا ضروری ہوجاتا مگر اہم ابواب پر شرح میں کلام پورا پورا مذکور ہے، نیز ابواب کے ذکر سے جو فائدہ تھا وہ ایک عنوان احکام مستخرجہ قائم کرکے پورا کردیا گیا ہے۔

۳:۔ جو حدیث جن صحابی سے مروی ہے ان کے حالات بالالتزام بیان کردیئے ہیں، کہیں کہیں بعض تابعین کا بھی ذکر آگیا ہے۔

۴:۔ ہر حدیث پر نمبر لگادیا ہے اور حدیث کے اہم مضمون کو سامنے رکھ کر اس کا ایک عنوان بھی قائم کردیا ہے۔

۵:۔ حدیث بخاری شریف میں کہاں کہاں ہے اور صحاح ستہ میں کہا کہاں ہے اس کے حوالے حاشئے میں دے دیئے ہیں۔

یہ پانچ اہم خصوصیت اس شرح کی ہے، بقیہ وہ عام باتیں جو شرح میں ہونی چاہئے ان سب کو بقدر ضرورت لانے کی کوشش کی ہے، اختلافی مباحث میں میں نے بھرپور کوشش کی ہے کہ لہجہ تلخ وترش نہ ہو ان شاءاللہ تعالیٰ آپ یہی پائیں گے البتہ مقدمہ میں کہیں کہیں صبر کا دامن چھوٹ گیا ہے اس کے لئے میں کسی

سے معذرت کی بھی ضرورت محسوس نہیں کرتا ،مقدمہ میں ،میں نے تین باتیں بالقصد اضافہ کی ہیں ایک مسامحات بخاری ،دوسری حضرت امام اعظم کی مختصر سوانح حیات ،تیسری فقہ حنفی کا تعارف اور اسکی ضرورت،،[ص ۵ / ج۱] سچی بات یہ ہے کہ صحیح بخاری کے تمام شارحین نے آغاز کتاب میں جومقدمات تحریر فرمائے ہیں ان سب میں سب سے زیادہ طویل ،مبسوط ،نفع بخش اور جامع مقدمہ حضرت شارح بخاری کا ہے جوتقریبا ایک سو پینسٹھ صفحات پر مشتمل ہے اس مقدمہ میں حضرت نے حدیث کی اہمیت ،عہد نبوی ،دور صحابہ اور زمانۂ تابعین میں احادیث کی کتابت کا تسلسل اورحفظ حدیث کا منظر پیش کیا ہے،مصطلحات احادیث ،حدیث کی استدلالی کیفیت ،اور کتب حدیث کے طبقات اور اقسام کوبھی شاندار انداز میں بیان فرمایا ہے پھرصحیح بخاری کا تعارف ،وجہ تصنیف،امام بخاری کی سیرت وسوانح ،ان کی دیگر تصانیف اور دیگرشروح بخاری کا جائزہ پیش فرمایا ہے،غیر مقلدین جو ہر وقت بخاری، بخاری کی رٹ لگاتے ہیں اور مقلدین پر ترک حدیث سے اعتراض کرتے ہیں حضرت شارح بخاری نے ان کی سخت خبر لی ہے اور حقائق کے اجالے میں ثابت کیا ہے کہ درحقیقت غیر مقلدین ہی کو بخاری سے عداوت ہے۔نیز مسامحات بخاری کے ذیل میں بڑی تحقیق اور ذمہ داری کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ انسان بہر حال انسان ہے اس سے غلطی اورلغزش ہوہی جاتی ہے اس لئے پوری کوشش کے باوجود بھی امام بخاری سے اس کتاب میں بھی لغزش ہوہی گئی حتیٰ کہ علامہ ابن حجر جیسے محقق ومدقق کوبھی جنھوں نے امام بخاری پر کی گئیں تنقیدات کی جواب دہی میں اپنی ذہانت وذکاوت کا پورا سرمایہ صرف کرڈالا یہ کہنا ہی پڑا ’لکل جواد کبوۃ‘ ہر تیز روگھوڑے کے لئے ٹھوکر ہے۔اخیر میں فقہ حنفی کا خاکہ،اس کی ضرورت،اور بانی فقہ حضرت امام الائمہ سراج الامۃ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ کی سیرت وسوانح خصوصاان کی حدیث دانی اورقرآن فہمی پر روشنی ڈالی ہے اور کہا ہے کہ احناف

عمل بالحدیث میں اتنے آگے ہیں کہ دنیا کا کوئی طبقہ اس میں ان کی ہمسری نہیں کرسکتا۔مختصر یہ کہ حضرت شارح بخاری کا یہ مقدمہ نہایت ہی مفید جامع اور معلومات کا سرچشمہ ہے،اسی طرح پوری شرح آپ کی تحقیق انیق کے انمول گوہر اور قیمتی جواہر سے مرصع ہے۔

شارح بخاری کو چاندی سے تولا گیا:۔ دنیا میں بہت سے علما ومحدثین نے عربی فارسی اردو زبانوں میں صحیح البخاری کی بہت مبسوط مبسوط شرحیں کی ہیں،شارحین کے علمی جاہ وجلال اوران کی شرحوں کے علمی حسن وکمال کے پیش نظر اہل زمانہ عوام وخواص اور علماء ومشائخ نے شرح اور شارح کی بڑی پذیرائی کیں ، داد تحسین سے نوازا،انعامات واکرام سے حوصلہ افزائی کی اور شاندار القاب وخطابات سے مختص کئے گئے ،مگر شارحین بخاری کی مقدس گروہ میں،شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق صاحب امجدی علیہ الرحمہ جس لقب سے ملقب ہوئے اورجس انداز میں تکمیل شرح بخاری کے بعد آپ کا اعزاز واکرام کیا گیا کسی دوسرے شارح بخاری کو یہ اعزاز نہیں ملا،ہندو پاک میں بخاری کے بہت شراح ملیں گے جن میں بہتوں نے بڑی مبسوط ومطول اور محقق شرح لکھی ہیں مگران کوعلی الاطلاق شارح بخاری کے لقب سے دنیا نے یاد نہیں کیا اور نہ ہی کسی بڑے اعزاز سے نوازا مگر حضرت مفتی شریف الحق صاحب اس زمرہ میں منفرد المثال ہیں کہ آج آپ علی الاطلاق ''شارح بخاری'' جیسے معزز لقب سے ملقب ہیں جس میں آپ کا کوئی ثانی نہیں نظر آتا،اسی طرح تکمیل شرح بخاری کے بعد رضا اکیڈمی بمبئ کے ارکان اور وہاں کے مخیر ومعتقد حضرات نے آپ کو تکمیل شرح صحیح البخاری شریف کے اعزاز میں آپ کے ہم وزن چاندی سے تولا اور آپ کے ہم وزن تقریبا پینسٹھ کیلو چاندی سے وزن کرکے وہ چاندی آپ کے حوالے کردی گئی لیکن حضرت شارح بخاری نے اپنی کمال سخاوت کا اظہار کرتے ہوئے ساری چاندیوں کو اپنے محبوب دینی ادارہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور اور انجمن رضا

اکیڈمی بمبئی کو عطا فرما دیا اور اس سے ایک حبہ بھی نہیں لیا، یہ وہ اعزاز ہے جو کسی شارح کو میسر نہیں، مولائے کریم حضرت شارح بخاری کو اپنی شان کریمی کے مطابق آخرت میں بھی خوب خوب سرخرو فرمائے اور جوار قدس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین۔

امام بخاری کی دوسری تصانیف :۔ صحیح البخاری کے سوا بہت ساری دوسری تصانیف بھی امام بخاری نے کی ہیں جنمیں کچھ مطبوعہ ہیں موجود ہیں اور کچھ لا پتہ معدوم ہیں لیکن تاریخی سوانح میں اس کا ذکر ملتا ہے ذیل میں نزہۃ القاری کے حوالے سے ان کی تصانیف مندرج ہیں۔

۱:۔قضایا الصحابہ والتابعین ۔امام بخاری کی یہ سب سے پہلی تصنیف ہے جو ۲۱۲ھ میں لکھی ہے ، یہ اب تک طبع نہ ہو سکی۔

۲:۔التاریخ الکبیر۔مسجد نبوی شریف میں بیٹھ کر چاندنی راتوں میں لکھی ہے، اس وقت عمر مبارک تقریبا سولہ سترہ سال کی تھی ،حروف تہجی کی ترتیب پر ہے۔دائرۃ المعارف حیدر آباد سے چھپ چکی ہے اس کتاب میں امام بخاری نے حسب عادت حضرت امام اعظم پر بہت بڑی مہربانی کی ہے فرمایا ’’امام صاحب (معاذ اللہ) مرجی تھے اس لئے لوگوں نے ان سے ان کی رائے ، ان کی حدیث سے سکوت فرمایا‘‘ اس میں کہاں تک صداقت ہے اس کو نزہۃ القاری کے اسی حصہ میں حضرت امام اعظم کے مناقب میں ملاحظہ کریں، اس کے علاوہ اور بھی کثیر عنایتیں ہیں، اسی کتاب کے بارے میں اسحٰق بن راہویہ نے عبداللہ بن طاہر حاکم رَیْ سے کہا تھا ’الا اریک سحرا‘ کیا میں تمھیں جادو نہ دکھاؤں؟ کتاب چھپ چکی ہے جس کا جی چاہے دیکھ لے اس میں کیا جادو ہے۔

۳:۔التاریخ الاوسط۔یہ کتاب اب تک نہیں چھپی ہے شاید اس کا کوئی نسخہ جرمن میں ہے۔

۴:۔التاریخ الصغیر۔اس کی ترتیب سنہ وار ہے یہ بہت مختصر ہے، امام بخاری کی یہ تینوں کتابیں

بہت زیادہ قابل نقد ہیں، ان کتابوں کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ یہ اتنے بڑے آدمی کی تصنیف ہے۔

۵:۔الجامع الکبیر۔ اس کا قلمی نسخہ جرمن میں موجود تھا۔

۶:۔خلق افعال العباد۔ موضوع، کتاب کے نام سے ظاہر ہے، معتزلہ کہتے ہیں کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے، اس کے برخلاف اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ بندوں کا خالق ہے اسی طرح ان کے افعال کا بھی خالق ہے، امام بخاری نے اہل سنت کی تائید میں یہ رسالہ لکھا ہے۔

۷:۔المسند الکبیر۔ اس کے بارے میں بھی کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس کا قلمی نسخہ جرمن میں موجود ہے۔

۸:۔اسامی الصحابہ۔ اس کا ذکر ابو قاسم بن مندہ اور ابو القاسم بغوی نے کیا ہے اس موضوع پر سب سے پہلی تصنیف ہے، بتایا جاتا ہے کہ اس کا بھی قلمی نسخہ جرمن میں موجود ہے۔

۹:۔کتاب العلل ۔ علل حدیث کے موضوع پر غالبا یہ سب سے پہلی اور عمدہ کتاب ہے۔

۱۰:۔کتاب الفوائد۔ اس کتاب کا پتہ صرف اس سے چلتا ہے کہ امام ترمذی نے حضرت طلحہ کے مناقب میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

۱۱:۔کتاب الوحدان ۔ یہ کتاب امام بخاری کی ہے یا امام مسلم کی ہے دونوں قول ہیں اس میں ان صحابۂ کرام کا تذکرہ ہے جن سے صرف ایک حدیث مروی ہے۔

۱۲:۔الادب المفرد۔ جامع صحیح کے بعد سب سے زیادہ مفید ومقبول یہ تصنیف ہے اسمیں شمائل نبوی کا بیان ہے یہ کتاب مصر اور ہندوستان میں کئی بار چھپ چکی ہے۔

۱۳:۔کتاب الضعفاء۔ حروف تہجی کی ترتیب پر ضعیف راویوں کا ذکر ہے، لیکن احناف سے امام بخاری کے تعصب کی جھلک اس میں بھی صاف دکھائی دیتی ہے، امام ابو یوسف کو متروک لکھا حالانکہ امام نسائی

نے جن کا تشدد بلکہ تعصب بھی مشہور ہے 'کتاب الضعفاء والمتر وکین' میں امام ابو یوسف کو ثقہ کہا ہے، امام بخاری تو امام ابو یوسف کو متروک کہیں مگر ان کے اساتذہ مثلا امام احمد، یحییٰ بن معین جیسے ائمۂ حدیث امام ابو یوسف سے حدیث اخذ کریں اور انھیں صاحب حدیث، صاحب سنت، مصنف فی الحدیث، اثبت، اکثر حدیثا، اتبع للحدیث اور حافظ حدیث' کہیں۔غیر مقلد کے امام ثانی نواب صدیق حسن بھوپالی نے 'التاج المکلل' میں امام ابو یوسف کے بارے میں لکھا ''قاضی ابو یوسف، کوفہ کے امام ابوحنیفہ کے شاگرد، فقیہ عالم اور حافظ حدیث تھے، امام احمد، یحییٰ بن معین، علی بن مدینی، تینوں امام ابو یوسف کے ثقہ ہونے پر متفق تھے امام ابو یوسف کے اوصاف بہت ہیں اکثر علماء ان کی فضیلت وتعظیم کے قائل ہیں'' اور یہ بات محقق ہے کہ جن کی مدح کرنے والے زیادہ ہوں ان پر جارحین کی جرح کا کوئی اثر نہیں پڑتا خصوصا جب کہ جرح متعصبین کی ہو، امام بخاری کا تعصب سب کو معلوم ہے اور اسی صف میں دارقطنی بھی ہیں۔

۱۴:۔**کتاب المبسوط**۔اس کتاب کا کہیں وجود ہے نہ اس کے بارے میں کچھ معلوم ہوسکا کہ اس کا موضوع کیا تھا، خلیلی نے الارشاد میں اس کا تذکرہ کیا ہے، ایک غیر مقلد صاحب کا قیاس ہے کہ اس کتاب میں بسط کے ساتھ وہ تفصیلی مسائل ہونگے جو احادیث سے مستنبط کئے گئے ہیں۔اگر ان مجتہد صاحب کا اجتہاد صحیح ہے تو نتیجہ یہ نکلا کہ امام بخاری کے ساتھ امت کو جو والہانہ شغف ہے وہ صرف احادیث کی تدوین تک ہے، رہ گئے ان کے اجتہادات تو اسے امت نے قبول نہیں کیا بلکہ ان کے تلامذہ نے بھی قبول نہیں کیا ورنہ کتاب المبسوط کو بھی باقی رہنا چاہئے تھا نہ صرف باقی بلکہ چاردانگ عالم میں پھیل جانا چاہئے تھا۔

۱۵:۔**الجامع الصغیر**۔اس کا بھی کچھ حال معلوم نہیں، صاحب کشف الظنون نے اس کا تذکرہ کیا ہے، غالبا جرمنی میں اس کا کوئی قلمی نسخہ موجود ہے۔

۱۶:۔ کتاب الرقاق ۔اس کا بھی کچھ حال معلوم نہیں، کشف الظنون میں اس کا ذکر موجود ہے۔

۱۷:۔ برالوالدین ۔اس کا علامہ ابن حجر نے ذکر کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ موجود ہے۔

۱۸:۔ کتاب الاشربہ ۔اس کا ذکر امام دارقطنی نے ''المؤتلف والمختلف'' میں ایک کیسہ نام کے راوی کے تذکرے میں کیا ہے۔

۱۹:۔ کتاب الھبہ ۔محمد بن حاتم وراق نے اس کا تذکرہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ اس میں پانچ سو احادیث تھیں، لیکن یہ کتاب بھی ناپید ہے کہیں اس کا سراغ نہیں۔

۲۰:۔ کتاب الکنیٰ ۔اس کتاب کے نام سے ظاہر ہے کہ اس میں راویوں کی کنیتوں کو بتایا گیا ہے، امام بخاری کی اصل کتاب میں حروف تہجی کی ترتیب نہ تھی، امام ذہبی نے اسے حروف تہجی کی ترتیب پر نئے سرے سے مدون کر کے اس کا نام، المقتنیٰ فی سرد الکنیٰ' رکھا۔

۲۱:۔ التفسیر الکبیر ۔فربری اور وراق بخاری، محمد بن حاتم کے ذکر سے اس کا پتہ چلا، لیکن آج ناپید ہے۔

۲۲:۔ جزء القرأت خلف الامام ۔قرأت خلف الامام کے اثبات میں یہ رسالہ لکھا ہے، اس رسالہ میں امام بخاری کا سارا حزم واحتیاط رخصت ہوگیا، ایک فرعی مسئلہ پر اتنی انتہا پسندی کر دی ہے کہ حیرت ہوتی ہے ''اختلاف امتی رحمۃ'' حدیث بھی ان کے ذہن مبارک میں نہیں آئی احناف پر ایسے غیض وغضب کا اظہار ہے کہ افسوس ہوتا ہے، حد یہ ہے کہ ایسے غلط مسائل کا امام اعظم کی طرف انتساب ہے جس کو سوائے افترا اور کوئی دوسرا نام دیا ہی نہیں جاسکتا، مزید برآں یہ کہ یہاں اپنے مطلب کی احادیث لانے میں، صحیح بخاری کی شرائط رخصت ہوگئیں، اس کی لم آج تک سمجھ میں نہیں آئی۔ یہ رسالہ بار بار چھپ چکا ہے۔

۲۳:۔ جزء رفع الیدین ۔رفع یدین کے اختلاف کا حاصل یہ نہ تھا کہ رفع یدین کرنے سے نماز

فاسد ہوجائے گی یا رفع یدین نہ کریں تو نماز ہی صحیح نہ ہوگی مگر امام بخاری کا جلال اس مسئلہ میں بھی شباب پر ہے، کہیں احناف کو بے علم کہا، کہیں غبی وگمراہی کی منزل تک پہونچایا، اس پر بھی غصہ کم نہ ہوا تو اخیر میں یہ تک طنز کردیا کہ پہلے لوگ اول فالاول کو اعلم سمجھتے تھے اور احناف الآخر فالآخر کو اعلم سمجھتے ہیں، یہ تو اپنے موقع پر آئیگا کہ اس ارشاد کے مصداق خود امام بخاری ہیں یا احناف۔ اتنی بات تو سب کو معلوم ہے کہ امام اعظم امام بخاری سے ایک صدی پہلے گذرے ہیں، یہ کتاب بھی طبع ہو چکی ہے۔

طالبان احادیث کے لئے امام بخاری کا ایک عظیم الشان ارشاد گرامی:۔ ذیل میں امام بخاری کا ایک ارشاد گرامی نقل کیا جاتا ہے تا کہ آج کے اس علمی دور انحطاط میں آرام طلب طلبہ اور سہل پسند علما کے لئے مہمیز کا کام کرے۔ تدریب الراوی وقسطلانی میں یہ مذکور ہے کہ قاضی ولید بن ابراہیم ''رَیّ'' کی قضا پر فائز تھے ان کا بیان ہے کہ جب مجھے علم حدیث کا شوق ہوا تو امام بخاری کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض مدعا کیا تو فرمایا اے بیٹے! کسی کام کو اس وقت تک شروع نہ کرو جب تک کہ اس کے حدود اور مقادیر کو نہ جان لو، میں نے عرض کیا، علم حدیث کے حدود ومقادیر کو بیان فرمائیں تو ارشاد فرمایا، ''**اعلم ان الرجل لا یصیر محدثا کاملا فی حدیثه الا بعد ان یکتب اربعا مع اربع، کاربع مثل اربع فی اربع عند اربع باربع علیٰ اربع عن اربع لِاربع، وکل هٰذه الرباعیات لا تتم الا باربع مع اربع فاذا تمت له کلها هان علیه اربع، وابتلیٰ باربع فاذا صبر علیٰ ذالک اکرمه اللّٰه تعالیٰ فی الدنیا باربع و اثابه فی الآخرة باربع**'' [قسطلانی، ص۱۶ / ج۱]

حضرت امام بخاری کی مندرجہ بالا پیچیدہ عبارت کا حاصل یہ ہے کہ بغیر بارہ رباعیات کے کوئی محدث کامل نہیں ہوسکتا، ان بارہ رباعیات کے بعد اگر ایک اور رباعی پر صبر کرے گا تو اسے ایک رباعی دنیا میں اور ایک رباعی آخرت میں ملے گی، قاضی ولید کہتے ہیں کہ میں یہ سن کر گھبرا گیا میں نے درخواست کی کہ

اس کی شرح فرمادیں توامام بخاری نے اس کی یہ شرح کی۔

(۱) اَنْ یَکْتُبَ اَرْبَعاً' یعنی چار چیزیں لکھے،اول:۔احادیث رسول اللہ ﷺ،دوم:۔صحابہ کرام کے حالات اوران کی تعداد،سوم:۔تابعین کے احوال، چہارم:۔بعد کے علما کے احوال اوران کی تاریخ۔

(۲) مَعَ اَرْبَعٍ' چار چیزوں کے ساتھ لکھے۔اول:۔راویوں کے نام لکھے۔دوم:۔ان کی کنیت لکھے۔ سوم:۔ان کی سکونت۔چہارم:۔ان کی ولادت اوروفات کی تاریخ۔

(۳) کَاَرْبَعٍ' چار کے مثل۔جیسے خطیب کے لئے اللہ کی حمداور توسل کے ساتھ دعااور سورتوں کے لئے بسم اللہ۔اور نماز کے لئے تکبیر لازم ہے۔اسی طرح راویوں کے نام،کنیت،جائے سکونت وولادت ووفات کی تواریخ جاننی لازم ہے۔

(۴) مِثْلَ اَرْبَعٍ' چار کے مثل۔اول:۔مسندات۔دوم:۔مرسلات۔سوم:۔موقوفات۔چہارم:۔مقطوعات ہرقسم کی احادیث کا جاننا ضروری ہے۔

(۵) فِی اَرْبَعٍ' چار میں۔اول:۔کمسنی میں۔دوم:۔جوانی میں۔ سوم:۔ادھیڑ عمر میں۔چہارم:۔بڑھاپے میں (۶) عِنْدَ اَرْبَعٍ' یعنی چار حالتوں میں۔اول:۔عدیم الفرصتی۔دوم:۔فرصت کے وقت۔سوم:۔کشائش کے وقت۔چہارم:۔تنگدستی کے وقت۔

(۷) بِاَرْبَعٍ' یعنی چار جگہوں میں۔اول:۔پہاڑ۔دوم:۔سمندر۔سوم:۔آبادی۔چہارم:۔جنگل۔

(۸) عَلیٰ اَرْبَعٍ' یعنی چار چیزوں پر۔اول:۔پتھروں پر۔دوم:۔ٹھیکروں پر۔سوم:۔چمڑوں پر چہارم:۔ہڈیوں پر،لکھے جب تک کاغذ میسر نہ ہو۔

(۹) عَنْ اَرْبَعٍ' یعنی چار لوگوں سے۔اول،جو،ان میں سے عمر میں بڑے ہوں۔دوم،جوہم عمر ہوں۔ سوم،جوعمر میں کم ہوں۔چہارم،اپنے باپ کی کتاب سے اگر یہ یقین ہے کہ یہ اس کے باپ ہی کی کتاب ہے۔

(۱۰) لِاَرْبَعٍ' چار مقصد کے لئے۔اول:۔اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے۔دوم:۔اس پر عمل کرنے کے لئے بشرطیکہ جو کتاب اللہ کے موافق ہو۔سوم:۔طلبہ میں اسے پھیلانے کے لئے۔چہارم:۔تالیف کے لئے تاکہ اس کے بعد اس کا ذکر باقی رہے۔

یہ دس رباعیاں، بغیر ان دو رباعیوں کے پوری نہ ہوں گی وہ یہ ہیں۔

(۱۱) اِلّا بِاَرْبَعٍ' بغیر ان چار چیزوں کے پوری نہ ہونگی۔ اول:۔لکھنے کا ڈھنگ۔ دوم:۔علم لغت، سوم :۔علم نحو۔ چہارم:۔علم صرف۔

(۱۲) مَعَ اَرْبَعٍ' یعنی ان چار چیزوں کے ساتھ جو عطائی ہیں، اول:۔صحت۔ دوم:۔قدرت۔ سوم :۔شوق۔ چہارم:۔قوت حافظہ۔

جب یہ اڑتالیس باتیں کسی کو نصیب ہو جائیں تو پھر چار چیزیں اس کی نظروں میں ہیچ ہو جاتی ہیں۔

(۱۳) هَانَ عَلَيْهِ اَرْبَعٌ' یعنی اس پر چار چیزیں آسان ہو جاتی ہیں اول:۔بیوی۔ دوم:۔اولاد۔ سوم:۔ مال، چہارم:۔وطن۔

(۱۴) وَ ابْتُلِيَ بِاَرْبَعٍ' چار چیزوں میں آزمایا جاتا ہے، اول:۔دشمنوں کے تیر ونشتر سے۔
دوم:۔ دوستوں کی ملامت سے۔ سوم:۔جاہلوں کی طعن و تشنیع سے۔ چہارم:۔علما کے حسد سے۔
اور جب ان سب باتوں پر صبر کریگا تو۔۔۔۔

(۱۵) اَكْرَمَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا بِاَرْبَعٍ' اللہ عزوجل اسے دنیا میں چار نعمتوں سے نوازے گا۔ اول:۔قناعت کی عزت و دولت۔ دوم:۔وقار و ہیبت۔ سوم:۔علم کی لذت۔ چہارم:۔حیات ابد۔

(۱۶) وَ اَثَابَهُ فِي الْاٰخِرَةِ بِاَرْبَعٍ' اور آخرت میں چار نعمتیں عطا فرمائے گا، اول:۔اپنے متعلقین میں سے جسے چاہے اس کی شفاعت کا اذن۔ دوم:۔عرش کے نیچے سایہ میں ہوگا جس دن سوائے عرش کے اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ سوم:۔حضور سرور دوجہاں، مالک کوثر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوض کوثر سے جسے چاہے گا پلائے گا۔ چہارم:۔اعلیٰ علیین اور جنت میں حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کا جوار قدس عطا فرمائے گا۔

اس کے بعد حضرت امام بخاری نے فرمایا میں نے اپنے اساتذہ سے متفرق طور پر جو سنا تھا وہ سب اکٹھا تم کو بتادیا، اب تمھیں اختیار ہے علم حدیث حاصل کرو یا یہ ارادہ ترک کردو۔ قاضی ولید نے کہا یہ سب سن کر مجھ پر ہول سوار ہوگیا، میں غور کرتا رہا مگر کچھ نہ بول سکا، ادب سے گردن جھکا دی تو امام بخاری نے فرمایا اگر ان مشقتوں کے اٹھانے کی تم میں طاقت نہیں تو فقہ حاصل کرلو اس لئے کہ گھر بیٹھ کر فقہ کا حاصل کرنا ممکن ہے، اس کے لئے لمبے لمبے سفر، شہر شہر، قریہ قریہ گھومنے اور سمندروں و دریاؤں کے طے کرنے کی ضرورت نہیں، حالانکہ فقہ حدیث ہی کا ثمرہ ہے اور آخرت میں فقیہ کا ثواب محدث سے کم نہیں، اور نہ فقیہ کی عزت محدث سے کم ہے۔ قاضی ولید کہتے ہیں کہ جب میں نے یہ سنا تو میں نے طلب حدیث کا ارادہ ختم کردیا اور فقہ حاصل کرنے لگا یہاں تک کہ اس میں آگے ہوگیا۔

حضرت امام بخاری کے قول کہ فقہ کا حصول حدیث سے آسان تر ہے' پر شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق صاحب امجدی علیہ الرحمہ نے اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے۔ ''اس میں کوئی شک نہیں کہ اُس دور میں علم حدیث کی تحصیل کے لئے یہ بارہ رباعیاں لابدی تھیں، مگر آج اگرچہ یہ بارہ رباعیاں ضروری نہیں، مگر پھر بھی ان کی غالب اکثر ضروری ہیں۔ امام بخاری نے اپنے ذوق ووجدان کے مطابق علم فقہ کو حدیث سے بہت آسان بتایا مگر جو فقہ کی تحصیل میں قدم رکھ چکا ہے وہ جانتا ہے کہ فقہ کے لئے ان بارہ رباعیوں کے ساتھ اور بھی کتنی رباعیاں ضروری ہیں؟ اس لئے کہ فقہ کی بنیاد حدیث کے علاوہ تین اور چیزوں پر بھی ہے، کتاب اللہ، اجماع امت اور قیاس۔ تو حدیث کے لئے یہ رباعیاں ضروری ہیں ہی، کتاب اللہ کے لئے کتنی رباعیاں چاہئے؟ اجماع امت کے لئے کتنی رباعیاں چاہئے؟ اور قیاس کے لئے کتنی رباعیاں چاہئے اگر ہر ایک کی رباعیوں کی تفصیل کی جائے تو ہر ایک کے لئے اور بارہ بارہ رباعیاں اور ضروری نکل

آئیں گی۔اس کو اب یوں سمجھئے، کہ جب فقہ کی بنیاد چار چیزوں پر ہے ان میں ایک حدیث ہے تو علم حدیث علم فقہ کا ۱ / ۴۔یعنی ایک چوتھائی ہوا پھر یہ تو صرف حفظ حدیث کے لئے یہ بارہ رباعیاں ہوئیں۔اور فقیہ کے لئے صرف حفظ حدیث کافی نہیں۔اس کے لئے فقہ سے متعلق کتنے علوم کی حاجت ہے وہ بہت تفصیل طلب ہے۔اس لئے علم فقہ کو علم حدیث سے آسان کہنا اس بناء پر ہے کہ امام بخاری نے اس کی چاشنی نہیں چکھی تھی مگر ان کو بھی اخیر میں کہنا پڑا کہ فقیہ کا ثواب محدث سے کم نہیں اور اس کی عزت محدث سے کم نہیں، آخر کیوں؟ خدا کے یہاں تو العطایا بقدر البلایا ہے۔

مسامحات امام بخاری:۔ صحیح البخاری شریف کی کمال شہرت ومقبولیت ہونے اور اصح الکتب بعد کتب اللہ کہنے کی وجہ سے بہت سارے لوگوں خصوصاً غیر مقلدین کو غلط فہمی پیدا ہوگئی کہ بس جو بخاری میں ہے صرف وہی حق وصواب ہے اور جو صحیح ودرست ہے وہ صرف بخاری میں ہے، پس بقیہ احادیث کی کتابیں قابل استناد ولائق التفات نہیں وغیرہ، ان وجہوں سے شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق صاحب امجدی نے ''مسامحات بخاری'' کے عنوان کے ذیل میں نہایت ہی علمی تحقیقی، بڑی مفید اور کارآمد گفتگو فرمائی ہے۔

''اصح کتب کہنے سے جو غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے اس کے ازالے کی ایک سبیل یہ بھی ہے کہ لوگوں کو اصح الکتب کا مطلب سمجھا دیا جائے، اس لئے اس سلسلے میں چند باتیں معروض ہیں اصح الکتب بعد کتاب اللہ کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ قرآن مجید کی طرح اس کا حرف حرف، نقطہ نقطہ صحیح اور حق ہے۔اس کا حاصل صرف یہ ہے کہ اس وقت تک بلکہ اب یوں کہئے کہ آج تک حدیث میں جتنی کتابیں لکھی گئیں بلا استثنا سب میں صحیح کے ساتھ ضعیف احادیث بھی درج ہیں اس سے بخاری بھی مستثنیٰ نہیں، دوسری کتابوں کے بہ نسبت اس میں ضعیف حدیثیں کم ہیں دوسروں میں تناسب کے لحاظ سے زائد ہیں اب اصح الکتب کا مطلب یہ ہوا کہ حدیث کی دوسری تمام کتابوں کی بہ نسبت اس میں زیادہ صحیح حدیثیں ہیں ضعیف حدیثیں کم ہیں، نیز اس کی احادیث

صحت کی قوت میں بہ نسبت دوسری کتابوں کے زائد ہیں۔

یہ مطلب ہرگز نہیں کہ بخاری کے علاوہ یا صحاح ستہ کے علاوہ حدیث کی بقیہ کتابوں کی احادیث ،احادیث نہیں باطل وموضوع ہیں۔جس طرح بخاری اور صحاح ستہ کی احادیث صحیحہ واجب القبول ہیں اسی طرح بقیہ کتابوں کی احادیث صحیحہ بھی واجب القبول ہیں۔اصح کتب کا یہ مطلب نہیں کہ امام بخاری نے جو کچھ لکھا ہے وہ سب صحیح اور حق ہیں۔۔۔۔۔امام بخاری سے اس کتاب میں جگہ جگہ لغزش ہوئی ہے اس لئے اصح کتب کا یہ مطلب لینا کہ بخاری میں جو کچھ ہے خواہ وہ حدیث نہ ہو،امام بخاری کا قول،ان کی تحقیق ہو سب حق ہے۔اصح کتب کے معنی کی تحریف ہے،جس نے بھی بخاری کو اصح کتب کہا وہ صرف احادیث کے اعتبار سے کہا،امام بخاری کے فرمودات کو اس میں کسی نے داخل نہیں کیا مگر کیا کیجئے باطل پرستوں کو جب کوئی دلیل نہیں ملتی تو اسی قسم کی فریب کاری کرتے ہیں اس عنوان پر جو نظیریں پیش کریں گے وہ اپنی دریافت کردہ نہیں بلکہ اکابر محدثین وناقدین کی رائے ہوگی۔۔۔۔۔انسان بہر حال انسان ہے اس سے غلطی لغزش ہو ہی جاتی ہے،امام بخاری نے سولہ سالہ شب وروز کی تحقیق وتنقیح کے بعد اپنی وسعت بھر اس کی پوری کوشش کی کہ ان کی کتاب میں کوئی غیر صحیح ضعیف حدیث نہ آنے پائے اور کوئی لغزش نہ ہو مدۃ العمر اس کی تنقیح و تہذیب کرتے رہے مگر ''**الی اللہ العصمة الا لذاته و لرسوله فسبحان من لا ینسی**'پوری کوشش کرنے کے باوجود امام بخاری سے اس کتاب میں بھی لغزش ہو ہی گئی۔حتیٰ کہ علامہ ابن حجر جیسے محقق ومدقق کو بھی جنھوں نے امام بخاری پر کی گئیں تنقیدات کی جواب دہی میں اپنی ذہانت وذکاوت کا پورا سرمایہ صرف کرڈالا یہ کہنا ہی پڑا'**لکل جواد کبوة**' ہر تیز رو گھوڑے کے لئے ٹھوکر ہے۔اسی لئے علامہ ابن حجر نے لسان المیز ان میں امام عبد اللہ ابن مبارک کا یہ قول نقل کیا ہے ''**من ذا سلم من الوهم**''کون ہے جو وہم سے سلامت رہا نیز امام بخاری کے استاذ یحییٰ بن معین کا یہ قول بھی ذکر کیا۔

''**لست اعجب ممن یحدث فیخطی ،انی اعجب ممن یحدث فیصیب**''[لسان المیز ان ۱/۱۷] میں اس پر تعجب نہیں کرتا کہ کوئی حدیث بیان کرے اور خطا کر جائے ، مجھے اس پر تعجب ہے

جوحدیث بیان کرے اور کبھی غلطی نہ کرے۔اس قانون فطرت کے مطابق امام بخاری سے بھی لغزشیں ہوئی ہیں جن میں چند یہ ہیں۔(۱) **ضعاف سے روایت :۔** بخاری میں ایسے راویوں کی تعداد بہت ہے جو بدعقیدہ گمراہ تھے جیسے جہمی ،قدری، رافضی، ناصبی، خارجی، معتزلی، اس پر مستزاد یہ کہ مطعون راوی بھی کم نہیں ،منکر واہی، اور وہمی سبھی ہیں جسے اس کی تفصیل دیکھنی ہوتو وہ علامہ ابن حجر کا مقدمہ فتح الباری، ہدی الساری ،کا مطالعہ کرے اور اگر مزید دیکھنا چاہیں تو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کا رسالہ ”**حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلوتین**“ کا مطالعہ کرے۔جس میں غیر مقلدین اور حقیقت میں امام بخاری کے مقلدین کے شیخ الکل میاں نذیر حسین دہلوی کی جرح کے مطابق بخاری کے مجروح راویوں کی وافر مقدار میں نشاندہی فرمائی ہے۔ برا ہو اندھی تقلید کا، ان راویوں کے بارے میں یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ ان راویوں پر طعن دوسرے محدثین نے کئے ہیں، امام بخاری کی تحقیق میں یہ سب ثقہ ہیں، یہاں تک کہ یہ بھی کہہ دیا جاتا ہے کہ کسی مسلم الثبوت محدث کا کسی راوی سے روایت کرنا ہی اس کے ثقہ ہونے کی دلیل ہے، مگر یہی قاعدہ احناف کے مقابلے میں، یہ قاعدہ بنانے والے ہی بھول جاتے ہیں۔لیکن بخاری کے مطعون راوی صرف اسی قسم کے نہیں کہ ان پر امام بخاری کے علاوہ صرف دوسروں ہی نے جرح کی ہو ایسے بھی معتد بہ مقدار میں مطعون راوی ہیں جو خود امام بخاری کے طعن کے نشانہ ہیں، بخاری میں ایسے بھی مجروح راوی ہیں جن پر خود امام بخاری کی تنقید موجود ہے مثلاً **باب الاستنجاء بالماء** کے تحت امام بخاری نے ایک حدیث اس سند کے ساتھ ذکر کی ہے۔”حدثنا ابو الولید هشام بن عبد الملک قال حدثنا شعبة عن ابی معاذ و اسمه عطاء بن ابی میمونة قال سمعت انس بن مالک یقول کان النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم اذا خرج لحاجته“ الحدیث [بخاری،ص ۲۷/ج ۱] اس کی سند میں عطا بن ابی میمونہ ہے اس کے بارے میں ”کتاب الضعفاء الصغیر“ میں خود امام بخاری نے لکھا۔

”عطاء ابن ابی میمونة ابو معاذ مولیٰ انس و قال یزید بن هارون مولیٰ عمران بن حسین کان یری القدر“ [کتاب الضعفاء،ص ۲۷۱]

یعنی عطا بن ابی میمونہ ابو معاذ انس کا غلام تھا، اور یزید بن ہارون نے کہا، عمران بن حسین کا غلام تھا

جو قدریہ تھا۔

دوسری جلد "باب بعث ابی موسی و معاذ الی الیمن "میں ایک حدیث اس سند کے ساتھ ہے۔

"حدثنی عباس بن الولید ،قال حدثنا عبد الواحد عن ایوب بن عائذ ،قال حدثنا قیس بن مسلم قال سمعت طارق بن شہاب یقول حدثنی ابو موسی الاشعری قال بعثنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الیٰ ارض قومی "الحدیث ،[بخاری،ص ۶۲۳ / ج ۲]۔

اس حدیث کی سند میں ایوب ابن عائذ ہے اسے امام بخاری نے اسی کتاب الضعفاء میں لکھا 'ایوب بن عائذالطائی کان یری الارجاء' ایوب بن عائذ مرجئہ تھا۔

علامہ ذہبی اس پر تعجب کرتے ہوئے لکھتے ہیں،۔

"و کان من المرجئة قال له البخاری و اورده فی الضعفاء لا رجائیه و العجب من البخاری یغمزه وقد احتج به"

یعنی یہ مرجئہ تھا،مرجئہ ہونے کی وجہ سے امام بخاری نے اسے ضعفاء میں درج کیا ہے۔تعجب ہے اس پر کہ طعن بھی کرتے ہیں اوراس کی روایت بھی لیتے ہیں۔

یوں ہی ایک راوی اسماعیل بن ابان کوفی ہے اسی کتاب الضعفاء میں اس کو لکھا کہ یہ متروک ہے مگر اس سے ایک نہیں متعدد احادیث لی ہیں،علامہ ابن حجر "ہدی الساری" میں لکھتے ہیں "اسماعیل بن ابان الوراق الکوفی احد شیوخ البخاری ولم یکثر عنه' یہ امام بخاری کے اساتذہ میں سے ہیں مگر اس سے بہت زیادہ روایت نہیں کی ہے۔

ناظرین اپنی طمانیت خاطر کے لئے ایک بار امام بخاری کی کتاب الضعفاء کا مطالعہ کریں اور ان مندرجہ ذیل راویوں پر امام بخاری کی جرح دیکھ لیں، پھر انھیں تلاش کریں صحیح بخاری میں ان کی کتنی روایتیں ہیں۔ زبیر بن محمد تیمی، سعید بن عروبہ، عبداللہ بن لبید، عبدالملک بن امین، عبدالوارث بن سعید، عطابن یزید، قیس بن منہال، حد یہ ہے کہ مروان بن حکم جیسے مشہور زمانہ عیار شاطر سے بھی روایت لی ہے جس نے اسلام میں ایسے ایسے رخنے ڈالے کہ آج تک بند نہ ہوئے، جس کی شرارت اور دسیسہ کاری کی وجہ سے حضرت عثمان غنی شہید ہوئے، جس نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ، احد العشر ۃ المبشر ۃ کو تیر مار کر زخمی کیا جس کے صدمے سے وہ شہید ہوئے وغیرہ وغیرہ۔

سند میں تسامح: ۔ضعیف راویوں سے روایت کے علاوہ بہت سی جگہ امام بخاری سے راویوں کے نام، ان کی ولدیت میں لغزش ہو ہی گئی ہے مثلاً صفحہ ۹۱ پر باب ''اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ'' جو حدیث ہے اس کی سند اس طرح بیان کی ہے ''حدثنا عبد العزیز بن عبد اللہ قال حدثنا ابراھیم بن سعد عن ابیہ عن جعفر بن عاصم عن عبد اللہ بن مالک بن بُحَینۃ قال مر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم' الحدیث''۔

اس سند میں امام بخاری سے دو تسامح ہوا، ایک تو یہ کہ 'مالک بن بحینہ' کہا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بحینہ مالک کی ماں ہیں حالانکہ یہ مالک کی زوجہ ہیں اور عبداللہ کی ماں ہیں دوسرے یہ کہ تحویل سند کے بعد ہے، ''سمعت رجلا من الازد یقال لہ مالک بن بحینۃ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رأی رجلا، الحدیث'' تحویل والی سند میں حدیث کا راوی مالک کو بتایا حالانکہ اس کے راوی مالک کے بیٹے عبداللہ ہیں جیسا کہ پہلی سند سے ظاہر ہے، مالک کو تو ایمان بھی نصیب نہیں ہوا، یہ

حدیث مسلم،نسائی اورابن ماجہ میں بھی ہے مگر یہ خطانہیں۔علامہ ابن حجر نے لکھا"الوهم فيه موضعين احدهما ان بحينة والدة عبد الله لا مالک و ثانيهما ان الصحبة و الرواية لعبد الله لا لمالک۔ [فتح الباری،ص۲۹/ج۱]۔

یعنی اس میں دوجگہ وہم ہےایک یہ کہ بحینہ عبداللہ کی والدہ ہیں مالک کی نہیں،دوسرے یہ کہ صحابی اورراوی عبداللہ ہیں نہ کہ مالک۔

باب غزوۂ خیبر میں یہ حدیث ہے"ان ابا هريرة قال شهدنا الخيبر"اس کی ایک سندامام بخاری نے یہ ذکرکی"قال الزهری و اخبرنی عبد الله بن عبد الله و سعيد عن النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم"الحدیث۔[بخاری،ص۶۰۴/ج۲]۔

اس پرامام ابوعلی جبائی نے یہ اعتراض کیا کہ صحیح عبدالرحمٰن بن عبداللہ ہے مگرامام بخاری نے بجائے عبدالرحمٰن کے عبداللہ ذکرکیا ہے۔اور یہ کاتب کی غلطی نہیں ہوسکتی اس لئے کہ انھوں نے اپنی تاریخ میں بھی بجائے عبدالرحمٰن کے عبداللہ ہی لکھا ہے،علامہ ابن حجر مقدمہ میں لکھتے ہیں،"**لان عبد الله بن عبد الله لا يعرف و الصواب ان شاء الله عبد الرحمٰن بن عبد الله وهو ابن كعب،قال و كنت اظن ان الوهم فيه ممن دون البخاری الیٰ ان رأيته فی التاريخ قد ساقه فی الصحيح سواء**"۔[مقدمہ فتح الباری،ص۳۶۸]۔

جبائی نے کہا کہ عبداللہ بن عبداللہ کو پہچانانہیں جاتا،ان شاءاللہ صحیح عبدالرحمٰن بن عبداللہ ہے یہی ابن کعب ہیں،پہلے گمان کرتا تھا کہ یہ وہم کسی اور سے ہوا ہے،مگر جب ان کی تاریخ میں بھی ایسا ہی دیکھا تو یہ گمان ختم ہوگیا۔

متن میں تسامح:۔ کتاب الزکوۃ میں ایک حدیث ہے۔

”عن عائشة ان بعض ازواج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قلن للنبی صلی اللہ تعالی علیه وسلم اینا اسرع بک لحوقا،قال اطولکن یدافاخذوا قصبة یذرعونها فکانت سودة اطولهن یدا فعلمنا بعد انما کانت طول یدها الصدقة وکانت اسرعنا لحوقا به صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم وکانت تحب الصدقة“[بخاری،ص ۱۹۱/ج۱]۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعض ازواج نے عرض کیا کہ ہم میں سے سب سے پہلے کون حضور سے واصل ہوگی،فرمایا جس کا ہاتھ سب سے زیادہ لمبا ہے تو وہ ایک لکڑی لے کر اپنے اپنے ہاتھ ناپنے لگیں،ان میں سودہ کا ہاتھ سب سے زیادہ لمبا تھا،حالانکہ ہاتھ کی لمبائی سے مراد صدقہ تھا اور سودہ ہی کا سب سے پہلے وصال ہوا اور وہ صدقہ کو محبوب رکھتی تھیں۔اس حدیث میں ”وکانت اسرعنا لحوقا به“میں کانت کی ضمیر کا مرجع متعین ہے کہ وہ سودہ ہیں،اس سے ثابت کہ ازواج مطہرات میں سب سے پہلے حضرت سودہ کا وصال ہوا،حالانکہ تمام ارباب سیر واصحاب تاریخ کا اس پر اجماع ہے کہ ازواج مطہرات میں سب سے پہلے حضرت زینب کا وصال ہوا خود حدیث کا سیاق بھی بتارہا ہے کہ ”کانت اسرعنا لحوقا به“سے حضرت سودہ ہرگز مراد نہیں،نیز اگرچہ سبھی ازواج مطہرات بہت مخیر تھیں مگر حضرت زینب ان میں سب سے زیادہ مخیر تھیں،حضرت زینب بنت جحش کا وصال ۲۰ھ میں ہوا اور حضرت سودہ کا ۵۴ھ میں۔غرض اس حدیث میں یہ جملہ یوں ہونا چاہئے تھا”وکانت زینب اسرعنا لحوقا به“ چنانچہ مسلم شریف میں یوں ہے”وکانت زینب اطول یدا لانها کانت تعمل و تتصدق“ **باب احداد المرأة علیٰ غیر زوجها**،میں یہ حدیث ہے،”عن زینب بنت ابی سلمة قالت لما جاء نعی ابی سفیان من الشام دعت ام حبیبة بصفرة فی یوم الثالث

فمسحت عارضیھا و ذراعیھا" [بخاری،ص ۱۷۰/ج۱]۔

حضرت زینب بنت سلمہ کہتی ہیں کہ جب شام سے ابوسفیان کے وفات کی خبر آئی تو ان کی صاحبزادی ام المومنین حضرت ام حبیبہ نے تیسرے روز زرد رنگ کی خوشبو منگا کر اپنے چہرے اور دونوں کلائیوں پر ملیں۔ اس حدیث میں ہے کہ حضرت ابوسفیان کے وصال کی خبر شام سے آئی،اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کا انتقال شام میں ہوا تھا حالانکہ یہ غلط ہے،تمام مؤرخین اس پر متفق ہیں کہ حضرت ابوسفیان کی وفات مدینہ طیبہ میں ۳۲ سنہ ھ یا ۳۳ سنہ ھ میں ہوئی۔

استنباط مسائل کا حال:۔امام بخاری مجتہد مطلق تھے،اور صحیح بخاری کی تصنیف سے امام بخاری کا اہم مقصد احادیث سے مسائل کا استنباط ہے اسی مقصد کے لئے انھوں نے ہر حدیث پر باب باندھا ہے لیکن اس میں بھی ان سے لغزش ہوئی ہے جس کی تعداد بہت زیادہ ہے یہاں دو نظیریں پیش ہیں۔

(۱) **اذا شرب الکلب فی الاناء**، کے باب میں جہاں اور حدیث ذکر کی ہیں وہیں یہ حدیث بھی ہے "عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان رجلا رای کلبا یاکل الثریٰ من العطش ،فاخذ الرجل خفہ فجعل یغرف لہ بہ حتی اروٰہ فشکر اللہ لہ فادخلہ الجنۃ۔" [بخاری ،ص ۲۹/ج۱]۔

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص نے دیکھا کہ ایک پیاسا کتا کیچڑ چاٹ رہا ہے اس نے اپنا موزہ نکالا اور اس میں پانی بھر کر اسے چلو سے پلانے لگا،اللہ نے قبول فرمالیا اور اس شخص کو جنت میں داخل فرمادیا علامہ ابن حجر فرماتے ہیں "**استدل بہ المصنف علیٰ طھارۃ سور الکلب**" یعنی امام بخاری نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ کتے کا جھوٹا پاک ہے۔

اسی باب میں ایک اور حدیث یہ ہے۔

کانت الکلاب تقبل و تدبر فی المسجد فی زمان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فلم یکونوا یرشون شیئا من ذالک،،

یعنی حضور ﷺ کے زمانۂ اقدس میں کتے مسجد میں آتے جاتے تھے تو اس پر پانی نہیں ڈالتے تھے۔

اس حدیث کے ذکر سے بھی امام بخاری کا مقصود یہی ہے کہ کتے کا لعاب پاک ہے اور یہ مقصد بالکل ظاہر ہے حالانکہ یہ بالکل ابتدائی دور کی بات ہے جب مسجد میں دروازے نہیں تھے جب دروازے لگ گئے تو کتوں کا مسجد اقدس میں آنا جانا بند ہو گیا، جہاں تک کتوں کے آنے جانے کی بات ہے تو کوئی بھی کتوں کو نجس العین نہیں کہتا، اس لئے کتا اگر پاؤں رکھ دے اور پاؤں میں اور کوئی نجاست لگی نہ ہو تو وہ جگہ ناپاک نہیں ہوتی، رہ گیا لعاب تو ہر شخص جانتا ہے کہ لعاب، شراب، رقیق نجاست گر جائے تو سوکھنے سے زمین پاک ہو جاتی ہے لیکن اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ کتے کا لعاب پاک ہے۔

اسی طرح امام بخاری نے ایک باب باندھا ہے **'تقضی الحائض المناسک کلھا الا الطواف'** اس کے تحت یہ حدیث تعلیقا لائے ہیں۔

"کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یذکر اللہ علیٰ کل احیانہ "

[بخاری، ص ۴۴ / ج ۱]۔

یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے۔

اس تعلیق سے باب کا ثبوت اسی وقت ہو سکتا ہے کہ ذکر کو اپنے عموم کلی پر مانا جائے جس کا ایک فرد

ادائے مناسک بھی ہے اور قرآن مجید کی تلاوت بھی ،اسی طرح علیٰ کل احیانہ کو بھی اپنے عموم کلی پر رکھا جائے جس کا فرد جنب بھی ہے اور جنب کے حکم میں جو لوگ ہیں وہ بھی ہیں مثلا حائضہ،نفساء۔اگران دونوں عموم میں کوئی بھی تخصیص کی گئی تو باب ثابت نہ ہو پائے گا اس لئے لازم آیا کہ جنب مرد ہو یا عورت ،اور حائضہ اور نفاس والی عورت کو اس حالت میں بھی قرآن مجید کی تلاوت کرنا جائز ہے اسی لئے علامہ ابن حجر نے اس کے تحت لکھا، ''ان مراده الاستدلال علیٰ جواز قرأة الحائض''

[فتح الباری،ص ۳۴۷/ج۱]

یعنی امام بخاری کا مقصد حائضہ اور جنب کے لئے قرأت یعنی قرآن مجید کی تلاوت کے جواز پر اس تعلیق سے استدلال کرنا ہے۔

رضاعت کا مسئلہ:۔ مسئلہ رضاعت میں بھی حضرت امام بخاری منفرد المثال ہیں ،احوال بخاری کے ضمن میں گذر چکا ہے کہ، بخارا کی رائے عامہ امام بخاری کے خلاف اس وجہ سے ہوئی کہ انھوں نے اپنے مستخرج اس قسم کے مسائل عوام میں پھیلانے شروع کئے ،حالانکہ امام ابوحفص کبیر نے امام بخاری کو اس سے منع فرمایا تھا کہ وہ مسائل نہ بتائیں ،حدیث کا درس دیں مگر امام بخاری نہیں مانے اور انھوں نے اپنے اجتہاد سے امت کے خلاف جو مسائل استنباط فرمائے تھے ان کو بھی پھیلانا شروع کیا جس سے عوام میں شورش پیدا ہوگئی ،انھیں میں ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ ''اگر کسی لڑکے اور لڑکی نے ایام رضاعت میں کسی بکری کا دودھ پی لیا تو دونوں میں رشتۂ رضاعت پیدا ہو جائے گا''

آج کل امام بخاری کے نادان دوست اس کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ امام بخاری کی طرف غلط منسوب ہے،اس مسئلہ رضاعت سے تو انکار کر دیا،مگر خود صحیح بخاری میں یہ جو دو مسئلے مذکور ہیں ،ان

کی نسبت کیا کہیں گے؟امام بخاری کے ایک نادان دوست لکھتے ہیں،'' حالانکہ اس فتویٰ کے ناقل بجز اہل الرائے کے اور کوئی نہیں،اوران کو جو تعصب دوسروں سے ہے وہ ظاہر ہے،محدثین کی ایذارسانی میں ان کو خاص قسم کا مزہ آتا ہے اس لئے اس واقعہ کے صدق پر کیوں کر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔

[سیرت بخاری،ص٦٦]

بکری کے دودھ والا فتویٰ آپ (غیر مقلدین) کے نزدیک صرف اس لئے صحیح نہیں کہ اسے صرف اہل الرائے نے لکھا مگر مذکورہ بالا دونوں مسائل جو صحیح بخاری میں آج بھی ہیں ان کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ کیا امام بخاری کے یہ دونوں استنباط صحیح ہیں؟

تعصب اور ہٹ دھرمی کی یہ انتہائی حد ہے کہ چونکہ امام بخاری کا یہ فتوی احناف نے نقل کیا ہے اس لئے قابل اعتماد نہیں، یہ احناف کے ساتھ انتہائی بغض وعناد نہیں تو اور کیا ہے اگر احناف کو یہی کرنا تھا تو صرف ایک ہی ایسا فتویٰ کیوں مشہور کرتے وہ چاہتے تو سینکڑوں مشہور کردیتے اگر احناف کو امام بخاری سے کوئی تعصب ہوتا تو وہ امام بخاری کو''امیر المومنین فی الحدیث'' ہرگز نہیں تسلیم کرتے،ان کی جامع کو''اصح الکتب بعد کتاب اللہ'' ہرگز نہ مانتے،خصوصا جب کہ امام بخاری نے اسی کتاب میں احناف کی طرف غلط مسائل منسوب کرنے سے نہیں باز آئے احناف اسے کہہ سکتے تھے کہ یہ افتراء و بہتان ہے جو شخص افتراء و بہتان باندھے وہ ثقہ نہیں ہوسکتا مگر احناف نے انصاف اور اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا،احناف اس کے باوجود یہی کہتے ہیں کہ امام بخاری کو غلط اطلاع ملی اس لئے انھوں نے ایسا کیا،غور کرنے کی بات ہے کہ جہاں گنجائش وہاں احناف نے،تعصب سے کام نہیں لیا اور تعصب سے فرضی فتوی منسوب کردیا؟

امام بخاری کتنے ہی جلیل اجل،عظیم اعظم ہوں مگر خطا لغزش انسان کی فطری سرشت ہے اور وہ بھی

انسان ہی تھے اس لئے ان سے بھی لغزش ہوئی، چند لغزشوں سے ان کی عظمت وجلالت پر کوئی اثر نہیں پڑسکتا

باب وحدیث میں عدم مطابقت :۔ یہ واضح ہو چکا ہے کہ امام بخاری کا مقصد صرف احادیث صحیح کا جمع کرنا نہیں تھا بلکہ وہ جن عقائد واعمال کو حق مانتے تھے ان کا اثبات، اور جسے غلط مانتے تھے ان کا رد بھی مقصود ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ یہی ان کا مقصود بالذات ہے اور احادیث کی تدوین ثانوی درجے میں ہے تو کوئی بیجا بات نہ ہوگی ۔اس پر دو مستحکم اور ٹھوس دلیل ہے، ایک یہ کہ جب امام بخاری کو ایک لاکھ صحیح احادیث یاد تھیں اور صحیح بخاری میں بمشکل ڈھائی ہزار سے کچھ زائد احادیث کو درج فرمایا تو اب سوال یہ ہے کہ آخر وجہ ترجیح کیا ہے؟ کیوں ان ڈھائی ہزار کو درج فرمایا اور ساڑھے ستانوے ہزار احادیث کو چھوڑ دیا ؟اس کا جواب صرف یہ ہوگا کہ بقیہ ساڑھے ستانوے ہزار احادیث ان کے مستخرجہ مسائل کے مطابق نہ تھیں ،اس کے علاوہ اور کوئی وجہ نہیں ہوسکتی۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ امام بخاری نے التزام تو اس کا کیا ہے کہ اس کتاب میں کوئی غیر صحیح حدیث نہیں لائیں گے پھر کیا وجہ ہے کہ تعلیقات میں بے دھڑک ضعاف ذکر کرتے ہیں۔ وہی باب کی تائید، جب تائید میں صحیح حدیث نہیں ملی تو ضعیف کو ذکر فرمادیا اگر چہ تعلیقا سہی۔ کہیں کہیں تو ابواب میں یہ بھی صنعت ہے کہ حدیث کا جو ٹکڑا لائے ہیں اس سے باب کی کوئی مطابقت نہیں مگر اسی حدیث کو جب کسی دوسرے محدث نے لایا ہے جو مفصل ہے اس سے بخاری کے باب کی مطابقت ہوتی ہے۔ مثلا امام بخاری نے ایک باب باندھا ہے۔ **طول الصلوٰۃ فی قیام اللیل ۔۔۔۔۔۔ رات کو نماز میں قیام کو دراز کرنا۔**

اس کے تحت حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث لائے ہیں، "ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان اذا قام للتھجد من اللیل یشوص فاہ بالسواک"

[بخاری، ص ۱۵۳/ج ۱]

یعنی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب تہجد کے لئے اٹھتے تو اپنا منہ مسواک سے صاف کرتے اس حدیث سے باب کو کیا مطابقت؟ اہل علم پر واضح ہے، مگر کہا جاتا ہے کہ حضرت حذیفہ ہی سے مسلم شریف میں ایک حدیث مفصل مذکور ہے اس میں یہ ہے کہ حضور ﷺ نے تہجد کی ایک رکعت میں سورہ بقرہ، سورہ نساء، سورہ آل عمران پڑھی، لیکن یہ حصہ چونکہ امام بخاری کی شرط پر نہیں اس لئے اس کو ذکر نہیں کیا، اب سوال یہ ہے کہ جب یہ حصہ امام بخاری کی شرط پر نہیں تو ان کے نزدیک یہ حصہ ضعیف ہوا۔ کیا امام بخاری احکام میں احادیث ضعاف کو حجت مانتے ہیں؟ اگر یہ توجیہ صحیح ہے تو ماننا پڑیگا کہ امام بخاری کا مقصود اصلی اپنے عقائد ومسائل کی تدوین، پھر اس کی تقویت ہے اور اس پر ان کا اتنی شدت سے عمل ہے کہ اگر حدیث صحیح سے کام نہ چلے تو ضعیف سے کام لے لیتے اگر چہ بقول بعضے اشارۃ ہی سہی۔ اسی طرح امام بخاری نے باب باندھا، باب فضل صلوٰۃ الفجر فی جماعۃ' اور حدیث لائے یہ، "والذی ینتظر الصلوٰۃ حتیٰ یصلیھا مع الامام اعظم اجرا من الذی یصلی ثم ینام" اس شخص کو زیادہ اجر ملے گا جو جماعت کا انتظار کرتا ہے یہاں تک کہ جماعت سے پڑھتا ہے بہ نسبت اس کے جو نماز پڑھ کر سو رہتا ہے۔

اس حدیث میں عشاء کا ذکر ہے اور جماعت سے نماز پڑھنے کی فضیلت مذکور ہے تو فجر کی نماز سے اس حدیث کا کیا علاقہ؟ ایک باب باندھا ہے "الماء الذی یغسل بہ شعر الانسان" اس پانی کا بیان جس سے انسان کا بال دھویا جائے۔ اور دو حدیث لائے دونوں کو باب سے کوئی تعلق نہیں، ایک حدیث یہ ہے۔

"عن ابن سیرین قال قلت لعبیدۃ عندنا من شعر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اصبناہ من قبل انس او من قبل اھل انس فقال لان تکون عندی شعرۃ منہ احب

الیَّ من الدنیا و ما فیھا‘‘[بخاری،ص۲۹/ج۱]

ابن سیرین نے کہا میں نے عبیدہ سے کہا کہ ہمارے پاس نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کچھ موئے مبارک ہیں یہ ہمیں انس یا ان کے اہل سے ملا ہے،حضور کا ایک بال مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ عزیز ہے ۔دوسری حدیث یہ ہے،

’’عن انس ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لما حلق راسہ کان ابو طلحۃ اول من اخذ من شعرہ‘‘حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب بال اتروائے تو سب سے پہلے ابوطلحہ نے اسے لیا۔

ان دونوں حدیثوں کو باب سے کیا تعلق ہے معمولی پڑھا لکھا انسان اسے سمجھ سکتا ہے۔ **تدلیس**:۔امام بخاری نے باں جلالت شان وعظمت مکان کے،کہیں کہیں بالقصد یا بلا قصد تدلیس سے بھی کام لیا ہے،مثلا چونکہ امام ذہلی سے یہ ناراض ہو گئے تھے مگر پھر بھی ان سے روایت لی ہے تقریبا بیس جگہ ہو گی مگر کہیں ان کا مشہور نام محمد بن یحییٰ نہیں لیا کہ لوگ جان جائیں کہ یہ فلاں ہے،بدل بدل کر نام لیا ہے کہیں صرف محمد کہا ،کہیں دادا کی طرف نسبت کر کے محمد بن عبداللہ لکھا،تو کہیں پردادا کی طرف نسبت کر کے محمد بن خالد کہا۔اس میں دو خرابی پیدا ہوئی ایک تو اصل راوی کو سننے والے سمجھ نہ پائے،دوسرے یہ وہم ہوتا ہے کہ یہ محمد،محمد بن عبداللہ،محمد بن خالد،الگ الگ تین راوی ہیں۔یہ بھی تدلیس ہے کہ راوی اپنے شیخ کا وہ نام وہ کنیت،وہ لقب،وہ نسبت نہ ذکر کرے جس سے وہ مشہور ہے۔طبقات المدلسین و بخاری۔علاوہ ازیں ابوعبداللہ بن مندہ نے امام بخاری کو مدلس کہا،کیوں کہ جب ان کا کسی سے سماع نہیں ہوتا تو قال فلاں کہتے ہیں،اور سماع ہوتا ہے تو اگر چہ وہ موقوف مقطوع کچھ بھی خواہ ان کی شرط پر نہ ہو قال لنا فلاں کہتے ہیں اگر چہ اتنی بات ہے کہ امام بخاری کی عظمت کے پیش نظر ہم یہی کہیں گے کہ انھوں نے تدلیس کسی مصلحت کے پیش نظر کی ہے

جیسا کہ امام ذہلی کے بارے میں جو مصلحت تھی اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

جامع صحیح بخاری کا ایک مجمل تعارف پیش ہوا، ان سب باتوں کو ذہن میں رکھنے کے بعد یہ بات روشن ہوجاتی ہے کہ صحیح بخاری کی جو بھی پذیرائی ہے وہ صرف ان احادیث کی وجہ سے ہے جو اسمیں درج ہیں اور انھیں احادیث کے اعتبار سے کہا گیا ہے کہ بخاری اصح کتب بعد کتاب اللہ ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی کل کی کل احادیث صحیح ہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ دیگر کتب احادیث کی بہ نسبت بخاری میں ضعاف بہت کم ہیں۔ رہ گئے ابواب اور ابواب کی تائید میں امام بخاری کے ارشادات تو ان کو نہ کسی نے اصح کہا ہے اور نہ ان کی پذیرائی کی ہے ان ابواب پر پوری امت نے پوری گفتگو کی ہے، یہ ابواب نہ ارشادات رسول ہیں، اور نہ شریعت کے اٹل قانون، وہ امام بخاری کے مستخرجہ ہیں، امت کے ہر ذی علم کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ امام بخاری کے استنباطات واستخراجات پر کلام کرے اور کرتے آئے ہیں یہی وجہ ہے کہ امام بخاری جن مسائل میں متفرد ہیں ان کو تلقی بالقبول حاصل نہ ہوسکی۔

جامع صحیح بخاری کی قرأت اور اس کا ختم باعث برکات

جامع صحیح بخاری، حضرت مصنف امام بخاری کے علمی جاہ وجلال، فضل وکمال، ان کے تقویٰ وطہارت، عفت و پاکدامنی اور دیگر اوصاف وکمالات کی وجہ سے، اور صحیح بخاری کی تدوین وتالیف میں کمال حزم واحتیاط، پاس ادب کا مکمل لحاظ، ساتھ ہی حرمین شریفین کے برکات کے سبب بڑی ہی بابرکت، محترم اور مقدس ہوگئی اس لئے نہ یہ کہ اس کا صرف پڑھنا اور ختم کرنا باعث برکات ہے بلکہ اس کا رکھنا بھی دافع بلیات وآفات اور قاضیٔ حاجات ہے۔ حضرت صدر العلماء مولانا سید غلام جیلانی اشرفی میرٹھی، اپنی شرح

بخاری میں فرماتے ہیں۔''اسی اہتمام مذکور کے باعث بارگاہ الٰہی میں اس درجہ مقبول ہوئی کہ حصول منافع، اور دفع مصائب کے لئے اس کا ختم مجرب ہے، محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ القوی اپنی کتاب اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ کے مقدمہ میں فرماتے ہیں کہ بہت سے مشائخ اور علمائے ثقات نے حصول مرادات، کفایت مہمات، قضائے حاجات، دفع بلیات، کشف کربات اور بغرض صحت وشفائے بیماراں، اس کا ختم کیا اور مرادیں پائیں اور اس کا ختم مذکورہ مقاصد کے واسطے تریاق ومجرب سمجھتے تھے۔ یہ بات محدثین کے نزدیک بطریق شہرت واستفاضہ ثابت ہے جس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں ،حضرت میر جمال محدث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے استاد سید اصیل الدین قدس سرہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ فرماتے تھے' میں نے اپنے لئے اور دوسروں کے واسطے تقریبا ایک سوبیس مرتبہ بخاری شریف کا ختم کیا، ہر مرتبہ جس مقصد کے لئے بھی پڑھا اللہ تعالیٰ نے کامیابی عطا فرمائی۔ اور طبقۂ علما میں یہ بات حد شہرت تک پہنچ چکی ہے کہ بخاری شریف کو جس مصیبت کے لئے پڑھیں گے وہ دفع ہوگی اور جس مکان میں بخاری شریف ہوگی وہ آتش زدگی سے محفوظ رہے گا اور جس کشتی میں بخاری شریف ہوگی اللہ تعالیٰ اس کو ڈوبنے سے مامون رکھے گا۔[بشیر القاری، ص٢٩]

صرف صحیح بخاری ہی نہیں بلکہ حضرت امام بخاری کی بارگاہ الوہیت ورسالت میں اس قدر مقبولیت اور محبوبیت ہے کہ آپ کی جس کتاب کے توسل سے بھی کسی نہ کسی بزرگ کے آستانہ پر دفع بلیات وقضائے حاجات کے لئے دعا کی جائے تو اللہ رب العٰلمین قبولیت کا شرف عطا فرماتا ہے، حضرت صدر العلما اپنی اسی شرح کے صفحہ ٧٧ پر فرماتے ہیں ۔''عارف باللہ سیدی حافظ احمد ابن مبارک قدس سرہ کتاب مستطاب ''ابریز شریف''، صفحہ ١٥٩ پر تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے بعض حاضرین سے ایک عمل کا تذکرہ کیا جس کو

لوگ بیان کرتے تھے کہ جو شخص امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کوئی کتاب لیکر کسی ولی کے مزار پر انوار پر حاضر ہو پھر اسے کھول کر اس کی سند کے راویوں اور ان ولی کے توسل سے بارگاہ الٰہی میں اپنی حاجت پیش کرے تو اس کی حاجت پوری کی جائے گی بالخصوص جب کہ ان کی آخری کتاب کو لیجائے۔ پھر میں نے اس عمل کے متعلق اپنے پیر دستگیر قطب الارشاد سیدنا السید عبدالعزیز دباغ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استصواب کیا، فرمایا ہر شہر میں کچھ فرشتے رہتے ہیں جن کی خدمت یہ ہے کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ سے کچھ طلب کرتا ہے اور انھیں تقدیر الٰہی کے سازگار ہونے کا علم ہوتا ہے تو یہ اس بندے کے ساتھ ہو جاتے ہیں اور اس کو طریق سداد تلقین کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ شیطان راستہ سے ہٹ جاتا ہے اور توفیق الٰہی نصیب ہو جاتی ہے ۔اور اگر تقدیر الٰہی کے مخالف ہونے کا علم ہوتا ہے تو اس بندے سے علیحدہ ہو جاتے ہیں اور شیطان قابو پا جاتا ہے۔ پھر بر تقدیر اول اگر وہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کوئی کتاب لیکر کسی ولی کے مرقد پاک پر حاضر ہوتا ہے تو اس کے قلب میں اپنی طلب پر اندوہ اور سوال میں مبالغہ کرنے کا القا کرتے ہیں اور خود بھی اس کے ساتھ ان ولی کے مرقد پاک تک پہنچتے ہیں مگر اس طرح کہ اس کے ہاتھ میں کتاب کا جرم ہوتا ہے اور ان کے ہاتھ میں اس کے اسرار، جب وہ بندہ دعا کرتا ہے تو یہ فرشتے آمین کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ دعا قبول کر کے حاجت پوری فرما دیتا ہے، اور اگر انھیں علم ہے کہ تقدیر الٰہی موافق نہیں، بلکہ مخالف ہے تو کتاب کے اسرار اخذ کر لیتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ نہیں جاتے وہ تنہا جرم کتاب لیکر جاتا ہے راستہ میں شیطان وسوسے ڈالتا ہے جس سے قلب میں پراگندگی پیدا ہو جاتی ہے، دعا کی حلاوت جاتی رہتی ہے، پھر میں نے عرض کیا جرم کتاب کے علاوہ وہ سر کیا ہے؟ جس کو فرشتے اخذ کر لیتے ہیں فرمایا شہد اور کولتار کے جرم میں امتیاز کس چیز سے ہوتا ہے؟ عرض کیا حلاوت سے، فرمایا یہ چیز جرم شہد کے علاوہ ہے عرض کیا ہاں ۔ فرمایا اسی طرح ہر

کتاب میں اس کے جرم کے علاوہ ایک چیز ہوتی ہے جس کو سِر کتاب کہتے ہیں اور جس طرح حلاوت جانے کے بعد شہد نافع نہیں رہتا اسی طرح اس سِر کے اخذ کر لینے سے کتاب نافع نہیں رہتی، راستوں میں ایسے کاغذ پڑے دیکھتے ہو جن پر اسمائے الٰہی لکھے ہوتے ہیں اور لوگ ان پر پاؤں رکھ کر گذر جاتے ہیں اگر فرشتے ان اسماء کے اسرار اخذ نہ کر لیتے تو ان پر تمام گذرنے والے ہلاک کر دیئے جاتے۔اقول:۔اللہ تعالیٰ نے اولیائے کرام کو بھی یہ قدرت عطا فرمائی ہے کہ اشیاء کے سِر کو سلب فرمالیں اور سلب کردہ سِر کو واپس کرالیں، چنانچہ فقیر کاتب الحروف (سید غلام جیلانی) کے جدامجد (یعنی حقیقی جدامجد کے حقیقی خالہ زاد بھائی) سید المفسرین سند المحدثین حافظ کلام باری وصحیح البخاری حضرت الحاج مولانا سید شاہ عبدالصمد صاحب مودود چشتی نظامی فخری سلیمانی قدس سرہ النورانی کا ایک واقعہ اسی قبیل سے ہے کہ آپ نے سلب کردہ سِر کو اپنی خداداد قدرت سے واپس کرالیا تھا جس کو سفر وحضر میں ہمراہ رہنے والے آپ کے شاگرد رشید حضرت مولانا حافظ محمد اسمٰعیل صاحب محمود آبادی علیہ رحمۃ الباری نے بایں طور بیان کیا کہ حضرت، کوٹھی عثمان پور تشریف لے جارہے تھے، لکھنؤ سے چکھ کر ایک ٹوکرے شیریں خربوزے خریدے کہ خود کھائیں گے اور احباب کو تقسیم بھی فرمائیں گے، ٹرین بارہ بنکی شب میں پہونچی جہاں اتر کر کوٹھی عثمان پور جانا تھا، اسٹیشن کے باہر ایک شہید صاحب کا مزار ہے اور ایک وسیع چبوترہ بنا ہوا ہے جس پر اکثر مسافر آرام کرتے ہیں حضرت نے سامان وہیں رکھوا دیا اور خود استنجے کے واسطے تشریف لے گئے، مولانا حافظ محمد اسمٰعیل صاحب مذکور، پرمذاق انسان تھے انھوں نے وہ ٹوکرے مزار کے قریب کر کے کہا کہ لیجئے حضرت یہ آپ کی نذر ہیں۔آپ استنجا کر کے وضو فرمایا پھر نماز سے فارغ ہو کر کھانا طلب کیا جو ہمراہ تھا اس سے فراغت کے بعد خربوزے طلب فرمائے ،اب خربوزہ کاٹا جاتا پھیکا نکلتا حتیٰ کہ جو خربوزے کاٹ کر چکھ لئے گئے تھے وہ بھی پھیکے ہو گئے، آپ نے

تعجب کے ساتھ دریافت کیا کہ اس کا کیا سبب؟ حافظ صاحب مذکور نے بے تکلف کہہ دیا کہ یہ حرکت تو مجھ سے ہوئی تھی آپ فورا کھڑے ہوئے اور فاتحہ پڑھی پھران شہید صاحب کومخاطب کر کے بلند آواز سے فرمایا کہ حضرت یہ نذر کرنے والا ان خربوزوں کا مالک نہیں تھا ان کا مالک میں ہوں میں نے نذر نہیں کئے ہیں ،پھر فرمایا کہ اب تو کھا کر دیکھو چنانچہ پھر جو خربوزہ کھایا گیا شیریں نکلا جو پھیکے ہو گئے تھے شیریں ہوگئے۔[بشیر القاری،ص ۷۷،۷۸]

مختصر یہ کہ حضرت امام بخاری علیہ الرحمہ کی جامع کمالات ،ستودہ صفات ،ذات بابرکات نہایت ہی مقدس تھی ،اور آپ کی جامع صحیح بخاری بھی بڑی ہی متبرک تھی اور ہے جس کی دینی ودنیاوی برکتوں سے لوگ ہمیشہ فیضیاب ہوتے رہیں گے ،مولائے کریم کی بارگاہ میں دعا ہے کہ ہم سب کو فیضان صحیح بخاری سے مالا مال فرمائے آمین۔

✵✵✵✵✵

صحیح البخاری

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بَابُ کَیۡفَ کَانَ بَدۡءُ الۡوَحۡیِ اِلٰی رَسُوۡلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَقَوۡلُ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ،

''اِنَّآ اَوۡحَیۡنَآ اِلَیۡكَ كَمَآ اَوۡحَیۡنَآ اِلٰی نُوۡحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ ۚ''

قَوۡلُہٗ:۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ،اللہ کے نام سے شروع جونہایت مہربان رحمت والا۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب جامع صحیح بخاری شریف کو بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ سے شروع فرمایا، تاکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد مبارک کی تعمیل ہوجائے جس کو حسب بیان امام نووی وعلامہ عینی محدثین کرام شیخ عبدالقادر رہاوی نے اپنی کتاب ''اربعین'' اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور خطیب بغدادی نے اپنی جامع میں سند حسن کے ساتھ حضرت ابوہریرہ اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہما سے بایں الفاظ روایت کیا ہے۔''کل امر ذی بال لا یبدء فیه ببسم الله الرحمن الرحیم فهو اقطع'' خطیب بغدادی کی جامع میں 'فهو ابتر' ہے یعنی جس شاندار کام کی ابتدا **بسم اللہ الرحمٰن الرحیم** سے برکت حاصل کرکے نہ کی جائے وہ بے برکت رہیگا۔

سوال:۔ اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس طرح بسم اللہ سے شروع کرنے پر برکت ہوتی ہے اسی طرح الحمدللہ سے بھی شروع کرنے پر برکت کا وعدہ ہے اور نہ شروع کرنے پر بے برکتی کی وعید ہے چنانچہ حدیث پاک میں ارشاد ہے ''کل کلام لا یبدأ فیه بحمد الله فهو اجزم ''کسی کلام کو حمد الٰہی سے نہ شروع کیا جائے تو وہ اجزم یعنی بے برکت ہے، ایک روایت میں بایں الفاظ مروی ہے ''کل امر ذی بال لا یبدأ فیه بِحَمدِ اللهِ فهو اقطع ''یعنی جس ذی شان کام کی ابتدا حمد الٰہی سے برکت حاصل کرکے نہ کی جائے گی وہ بے برکت رہیگا، اس حدیث کو ابوداؤد، نسائی و ابن حبان وغیرہ ائمۂ حدیث نے اپنی تصانیف میں تخریج کی ہیں۔تو پھر حضرت امام بخاری نے بسم اللہ کی طرح الحمدللہ کو کیوں نہیں بیان فرمایا؟

جواب:۔ اس سوال کا حضرات محدثین نے مختلف جوابات دیئے ہیں۔

(۱) علامہ عینی شارح بخاری فرماتے ہیں اس سوال کا بہترین جواب یہ ہے جس کو میں نے اپنے بعض اساتذہ سے سنا کہ امام بخاری نے اپنی دیگر تصانیف کی طرح جامع بخاری کے مسودہ میں بھی بسم اللہ کے بعد حمد الٰہی ذکر کی تھی مگر وقت تبییض بعض حضرات سے مبیضہ میں نقل ہونے سے رہ گئی، پھر اسی مبیضہ سے باقی نقول اب تک ہوتی رہیں، لہذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ امام بخاری علیہ الرحمہ نے بسم اللہ کے بعد حمد نہیں لکھی۔ لیکن شارح بخاری امام ابن حجر عسقلانی نے اس جواب کو ابعد فرمایا اور اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ امام بخاری سے سابق اور ان کے ہمعصر اکثر محدثین اپنی تصانیف میں صرف بسم اللہ ہی پر اکتفا فرماتے تھے چنانچہ مؤطا امام مالک، مصنف عبدالرزاق، مسند امام احمد اور سنن ابوداؤد سے یہ چیز ظاہر ہے۔ تو کیا بسم اللہ کے بعد حمد تحریر نہ کرنے کی معذرت ان تمام محدثین کی جانب سے بھی یوں ہی کی جائے گی کہ حمد مسودہ میں تھی، مبیضہ میں نقل ہونے سے رہ گئی پھر اسی مبیضہ کے مطابق ابتک عمل ہوتا چلا آیا، ہرگز نہیں بلکہ یوں کہا جائے گا کہ ان حضرات نے حمد کو زبان سے ادا فرمالیا تھا۔

اس مقام پر حضرت علامہ غلام جیلانی میرٹھی لکھتے ہیں کہ بخاری کی جملہ تصانیف میں اگر بسم اللہ کے بعد حمد لکھی ہوئی ہے جیسا کہ الفاظ جواب بتا رہے ہیں تو علامہ عینی کا جواب فقیر کے نزدیک احسن اور امام ابن حجر عسقلانی کا جواب غیر مستحسن ہے۔ **کما لا یخفی علیٰ من تأمل و امعن۔**

(۲) مذکورہ بالا حدیث صرف خطبے کے حق میں وارد ہے کہ جب کوئی شخص خطبہ دے تو اولاً حمد الٰہی بجالائے، اس لئے کہ ایک اعرابی نے بغیر حمد کے خطبہ دیا تو اس وقت سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تھا "کل امر ذی بال لا یبدأ فیہ بحمد اللہ فھو اقطع" مگر یہ جواب ضعیف ہے اس لئے کہ اصول میں ثابت ہو چکا ہے کہ عموم الفاظ کا اعتبار ہے، خصوص مورد معتبر نہیں۔ حدیث میں خطبہ کی تخصیص نہیں ہر شاندار کام کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ اس سے پیشتر حمد الٰہی بجالانا چاہئے خواہ وہ خطبہ ہو یا کچھ اور۔

(۳) اس حدیث کا حکم منسوخ ہو چکا ہے اس لئے کہ حدیبیہ میں جو صلح نامہ سید انبیاء حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثناء کی جانب سے تحریر کیا گیا تھا اس میں بسم اللہ کے بعد حمد نہ تھی جس سے معلوم ہوا کہ وہ حکم منسوخ ہو چکا ہے ورنہ حمد ہرگز ترک نہ کی جاتی۔ لیکن یہ جواب بھی ضعیف ہے کیونکہ صلح نامہ میں حمد کے نہ ہونے سے حکم کا منسوخ ہونا لازم نہیں آتا ممکن ہے کہ صلح نامہ میں حمد کا ترک بیان جواز کے لئے ہو۔

(۴) حدیث حمد ضعیف ہے اس لئے کہ اس کی سند میں ایک راوی قرہ بن عبد الرحمن ہیں جن کے متعلق تہذیب التہذیب میں فرمایا "قال ابن ابی خیثمة عن ابن معین ضعیف الحدیث" مگر یہ جواب ضعیف ہے کہ حدیث حمد ضعیف نہیں، کیونکہ یہ حدیث نہ صرف حسن بلکہ صحیح ہے ابن حبان اور ابوعوانہ نے اس کی تصحیح فرمائی اور سعید بن عبد العزیز نے قرہ کی متابعت بھی کی ہے جس کی تخریج امام نسائی نے فرمائی۔

(۵) امام بخاری علیہ الرحمہ نے حمد اس لئے تحریر نہیں کی کہ اللہ عز وجل اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلام پر اپنے کلام کی تقدیم لازم آتی اور یہ ممنوع ہے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ' یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ یعنی اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو، نہ قول میں نہ فعل میں، تمہیں لازم ہے کہ اصلاتم سے تقدیم واقع نہ ہو کیوں کہ تقدیم کرنا آداب بارگاہ رسالت کے خلاف ہے۔ اسی واسطے حمد تحریر نہیں کی اور صرف بسم اللہ پر اکتفا کیا جو کلام الٰہی ہے، مگر یہ جواب بھی ضعف سے خالی نہیں۔ اولا:۔ اس لئے کہ قرآنی الفاظ سے حمد ممکن تھی مثلا یوں کہتے ' اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ ' یا ' اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۫ وَ مَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْ لَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ ' پس اس صورت میں اللہ اور اس کے رسول کے کلام پر اپنے کلام کی تقدیم لازم نہ آتی۔ ثانیاً:۔ اس لئے کہ تقدیم حمد کی ممانعت پر آیت مذکورہ سے استدلال درست نہیں کیوں کہ قول وفعل میں تقدیم اللہ عز وجل اور اس کے رسول ﷺ کی اجازت کے بغیر ممنوع ہے آیت میں اسی تقدیم کا ذکر ہے جو بغیر اجازت ہو اور اجازت سے ہو تو ممنوع نہیں، حمد اسی قبیل سے ہے اللہ عز وجل نے اپنے رسول کی اطاعت کا حکم فرمایا اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہر شاندار کام سے پہلے حمد بجالانے کا حکم دیا پس تقدیم حمد اجازت پر مبنی ہوئی لہذا درست ہے ممنوع نہیں ہوسکتی۔ ثَالِثاً:۔ اس لئے کہ اپنے کلام کی تقدیم اگر مطلقا تسلیم کرلی جائے تو امام بخاری علیہ الرحمہ پر آیت مذکورہ کے خلاف عمل کرنے کا الزام قائم ہوجائے گا اس لئے کہ خود انھوں نے آیت پر ترجمة الباب کو اور حدیث پر سند کو مقدم فرمایا ہے اور یہ دونوں انھیں کا کلام ہے۔

(۶) سب سے پہلے سورہ اقرأ نازل ہوئی اور اس سے پیشتر حمد نازل نہیں کی گئی حالانکہ سورہ اقرأ کا امر ذی شان ہونا بدیہی ہے پس اگر شاندار امر سے پیشتر حمد کرنا باعث برکت ہوتا تو کتاب الٰہی اس کے خلاف نہ ہوتی، نظر برآن امام بخاری نے حمد تحریر نہیں فرمائی۔ لیکن اہل علم پر ظاہر ہے کہ یہ جواب بھی ضعیف ہے اس

لئے کہ شاندار امر پر تقدیم حمد کا حکم سورۂ اقرأ کے نزول سے متأخر ہے، لہذا اس موقع پر سورہ اقرأ کو پیش کرنا درست نہیں، نیز ترتیب عثمانی کا اعتبار ہے اور اس میں بسم اللہ کے بعد حمد موجود ہے، حالت نزول کا اعتبار نہیں، مگر ترتیب عثمانی میں بھی حمد کا ذکر حصول برکت کے لئے نہیں بلکہ بندوں کی تعلیم کے واسطے ہے کہ احکام بندوں ہی کے لئے ہوتے ہیں پس یہی جواب سورہ اقرأ کا بھی ہوگا کہ سورۂ اقرأ اگرچہ نہایت ہی امر ذیشان ہے لیکن پھر بھی اس کا آغاز حمد سے نہیں فرمایا کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کسی شئ سے حصول برکت سے پاک ہے یہ تو بندوں کو حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد سے امر ذیشان کا آغاز کر کے اس امر کو متبرک بنالے۔

(۷) تسمیہ اور تحمید کی حدیثیں چونکہ متعارض تھیں اس لئے یہی مناسب تھا کہ بسم اللہ پر اکتفا کیا جائے کیوں کہ اگر حمد کو مقدم اور بسم اللہ کو مؤخر کرتے تو خلاف عادت ہونے کے علاوہ، بسم اللہ اول نہ رہتی اور اگر بسم اللہ کو مقدم اور حمد کو مؤخر کرتے، تو حمد کو اولیت حاصل نہ ہوتی جبکہ حدیث میں دونوں کے لئے اولیت ہی کا حکم ہے۔ ترک حمد کی وجہ میں یہ جواب بھی ضعیف ہے کیوں کہ تسمیہ اور تحمید کی حدیثوں کا تعارض اگر دور نہ ہوسکتا تب تو یہ جواب دے سکتے تھے لیکن جب تعارض دور ہوسکتا ہے جیسا کہ حضرات علمائے کرام نے دفع تعارض میں چند وجوہ کا افادہ فرمایا ہے تو بسم اللہ پر اکتفا کرنے کی کوئی وجہ نہیں؟

حدیث تسمیہ وتحمید میں دفع تعارض کے وجوہ

وجہ اول:۔ اولیت یا ابتدا کی تین قسمیں ہیں،

(۱) **ابتدائے حقیقی**، یعنی کسی چیز کے شروع میں ایسی شئ لانا جو اپنے جمیع ماسوا پر مقدم ہو، بلفظ دیگر جو سب پر مقدم ہو۔

(۲) **ابتدائے اضافی**، کسی چیز کے شروع میں ایسی شئ لانا جو بعض اشیاء سے مقدم اور بعض اشیاء سے مؤخر ہو اور بعض حضرات نے ابتدائے اضافی کی تعریف یوں فرمائی 'کسی چیز کے شروع میں ایسی شئ لانا جو دیگر اشیاء پر مقدم ہو خواہ کسی سے مؤخر بھی ہو یا کسی سے مؤخر نہ ہو۔

(۳) **ابتدائے عرفی**، کسی چیز کو شروع میں لانا جو مقصود پر مقدم ہو۔ یہ واضح رہے کہ ابتدائے حقیقی اور ابتدائے اضافی کے درمیان معنی اول کے اعتبار سے تباین کی نسبت ہے، اور معنیٔ ثانی کے اعتبار سے دونوں میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے یعنی حقیقی خاص اور اضافی عام ہے۔ اور ابتدائے حقیقی و ابتدائے عرفی میں

بھی عموم وخصوص مطلق ہے کہ حقیقی خاص اور عرفی عام ہے،اور ابتدائے اضافی باعتبار معنی اول،اور ابتدائے عرفی کے درمیان بھی عموم وخصوص مطلق ہے کہ اول خاص اور ثانی عام ہے۔اور ابتدائے اضافی بمعنی ثانی اور ابتدائے عرفی میں تساوی کی نسبت ہے کہ جو چیز شروع میں لائی جائے گی اس کا مقصود پر مقدم ہونا مقسم یعنی مطلق ابتداء میں معتبر ہے تو لازم ہے کہ تینوں اقسام میں بھی معتبر ہو پس ایسا مادہ متحقق نہ ہوگا جس میں ابتدائے اضافی بمعنی ثانی اور عرفی میں سے کسی ایک کا تحقق بغیر دوسرے کے ہوسکے حدیث تسمیہ اور تحمید کے تعارض کو اس طرح اٹھایا جاسکتا ہے کہ حدیث تسمیہ میں ابتدائے حقیقی مراد لی جائے اور حدیث تحمید میں اضافی بمعنی اول یا عرفی، یا دونوں میں عرفی یا اضافی بمعنی ثانی۔حدیث تسمیہ میں ابتدائے اضافی بمعنی اول مراد لینے سے تعارض اٹھ سکتا ہے مگر علمائے کرام نے اس کو بایں خیال نظرانداز فرمادیا کہ اس تقدیر پر بسم اللہ کا حمد سے تأخر صحیح ہوگا اور یہ مناسب نہیں اس لئے کہ بسم اللہ میں اسم ذات کا ذکر ہے اور اس سے تبرک واستعانت مقصود،اور حمد سے اثبات صفات کا قصد کیا جاتا ہے اور مرتبۂ صفات،مرتبۂ ذات سے مؤخر ہے لہٰذا بسم اللہ جو اسم ذات پر مشتمل ہے اس کو حمد سے مؤخر نہ ہونا چاہیے جو صفات پر مشتمل ہوتی ہے بلکہ مرتبۂ ذات کا تقدم مقتضی ہے کہ بسم اللہ کو حمد پر مقدم رکھا جائے۔

تنبیہ:۔تسمیہ وتحمید ذی شان امر میں داخل ہوتے ہیں یا اس سے خارج،ایک جماعت علماء نے دخول اور جزئیت اختیار کی اور محققین نے خروج اور عدم جزئیت اختیار فرمایا۔یہ اختلاف اس پر مبنی ہے کہ حدیث تسمیہ وتحمید میں ببسم اللہ ، اور بحمد اللہ،کو ظرف لغو قرار دیا جائے یا ظرف مستقر،ظرف لغو قرار دے کر اگر 'لا یبدأ' کے متعلق کریں تو جزئیت مفہوم ہوگی اور اگر ظرف مستقر قرار دے کر 'مستعینا یا متبرکا' سے متعلق کریں تو عدم جزئیت مفہوم ہوتی ہے چونکہ فقیر کاتب الحروف (صدر العلماء سید غلام جیلانی میرٹھی) کے نزدیک قول ثانی اظہر تھا اس لئے حدیث تسمیہ وتحمید کے الفاظ کریمہ کا وہ ترجمہ کیا جس سے عدم جزئیت مفہوم ہوتی ہے اور جزئیت کی تقدیر پر حدیث کا ترجمہ اس طرح ہوگا''جس شاندار کام کی ابتدا بسم اللہ سے نہ کی گئی وہ بے برکت رہیگا''اور حدیث تحمید کا ترجمہ بایں طور ہوگا''جس ذی شان امر کی ابتدا حمد الٰہی سے نہ کی گئی وہ بے برکت رہے گا۔

الغرض، دفع تعارض کی وجہ اول جزئیت پر مبنی ہے اور وجہ ثانی عدم جزئیت پر۔

وجہ ثانی، پر حدیث تسمیہ اور تحمید میں 'ببسم اللہ' اور 'بحمد اللہ' ظرف مستقر ہے اور مستعینا مقدر کے

متعلق اس تقدیر پر حدیث تسمیہ وتحمید کے معنی یہ ہونگے کہ جس شاندار کام کو بسم اللہ اور حمد الٰہی سے استعانت حاصل کر کے شروع نہ کیا گیا وہ بے برکت رہے گا عام ازیں کہ بسم اللہ سے استعانت پہلے ہو یا حمد سے۔اب یہ سوال بھی پیدا نہ ہوگا کہ تسمیہ اور تحمید میں ایک کی تقدیم سے دوسرے کی اولیت فوت ہو جاتی ہے ، یا بالفاظ دیگر ابتدا بالتسمیہ سے ابتدا بالتحمید اور ابتدا بالتحمید سے ابتدا بالتسمیہ باقی نہیں رہتی ،تو پھر دونوں حدیثوں پر عمل کیوں کر کیا جائے ، کیوں کہ اس تقدیر پر دونوں حدیثوں سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ ہر شاندار کام کو تسمیہ اور تحمید سے استعانت کر کے شروع کیا جائے ورنہ وہ بے برکت رہے گا اور ایک کام کے کرنے میں بہت سے امور سے استعانت ہوسکتی ہے لہٰذا استعانت بالتسمیہ ، استعانت بالتحمید کے منافی نہیں ۔لیکن اس تقدیر پر یہ ضروری ہے کہ استعانت بالتسمیہ والتحمید اور امر ذیشان کی ابتدا میں کوئی چیز فاصل نہ ہو یعنی تسمیہ اور تحمید سے استعانت کرنے کے بعد بلا فصل امر ذیشان کو شروع کر دے پس دونوں میں تعارض نہ رہا اور دونوں قابل عمل رہیں۔

وجہ ثالث :۔ حدیث تسمیہ وتحمید میں 'ببسم اللہ اور بحمد اللہ 'کی' با' کو ملابست کے لئے قرار دیا جائے جیسا کہ وجہ ثانی میں استعانت کے واسطے لیا تھا اور متلبسا ،مقدر سے متعلق کریں اس تقدیر پر دونوں حدیثوں کا مفہوم یہ ہوگا کہ ہر شاندار کام کو بسم اللہ اور حمد کے ساتھ متلبس کر کے شروع کیا جائے ورنہ وہ کام بے برکت رہے گا یعنی اگر کسی شاندار کام کو کیا گیا اور بروقت ابتدا بسم اللہ اور حمد الٰہی کے ساتھ متلبس نہیں تو اس میں برکت نہ ہوگی ،شروع میں ہر امر کی ملابست کسی شئ کے ساتھ دو طرح ہوسکتی ہے،اول یہ کہ وہ شئ اس امر سے پیشتر بلا فصل ہو۔دوم یہ کہ وہ شئ اس امر کی جز و اول قرار دی جائے ، ان دونوں صورتوں میں کہا جا سکتا ہے کہ فلاں امر فلاں شئ سے ملابس ہے،نظر برآں امر ذیشان کا بروقت ابتدا تسمیہ وتحمید دونوں کے ساتھ تلبس اس طرح ہوسکتا ہے کہ تحمید کو امر ذیشان کا جز و اول قرار دیں اور تسمیہ کو اس سے پیشتر بلا فصل ذکر کریں ،اس تقدیر پر بروقت شروع یہ صادق آئیگا کہ امر ذیشان تسمیہ اور تحمید دونوں کے ساتھ متلبس ہے اور یہی حدیث میں حکم تھا اس طریقے سے تعارض دفع ہوا اور دونوں حدیثیں قابل عمل ہوگئیں ۔لہذا یہ کہنا درست نہ رہا کہ بوجہ تعارض دونوں حدیثوں پر عمل ممکن نہ تھا اس لئے امام بخاری نے صرف بسم اللہ پر اکتفا فرمایا اور

حمد تحریر نہیں فرمائی۔(جیسا کہ بعض دوسرے وہابی شارح بخاری نے کہا)[بشیر القاری]

(۸) ترک حمد کا آٹھواں جواب یہ ہے''حسب بیان امام نووی حافظ الحدیث شیخ عبدالقادر رہاوی کی کتاب اربعین میں ایک روایت بایں الفاظ ہے'کل امر ذی بال لا یبدأ فیه بذکر الله فهو اجزم'یعنی جس شاندار کام کو ذکر الٰہی سے استعانت حاصل کر کے شروع نہ کیا جائے وہ بے برکت رہے گا،حدیث تحمید میں بطور اطلاق خاص وارادہ عام بحمد الله،سے بذکر الله مراد ہے۔پس جب کہ حمد الله سے ذکر الله مراد ہے اور وہ بسم اللہ تحریر کرنے سے حاصل تو یہ اعتراض ساقط ہو گیا کہ امام بخاری نے بمقتضائے حدیث تحمید بسم اللہ کی طرح حمد کیوں نہیں تحریر کی۔مگر یہ جواب بھی خالی از ضعف نہیں،اس لئے کہ یہ مجاز ہے جو بروقت ضرورت اختیار کیا جاتا ہے اور یہاں پر ضرورت بدوں اس کے مندفع ہو جاتی ہے۔

حمد کے معانی کا بیان

(۹) حمد کے تین معنی ہیں،لغوی،عرفی،اصطلاحی۔

لغوی:۔زبان سے کسی کی خوبی تعظیما بیان کرنا۔

عرفی:۔انعام کے باعث منعم کی تعظیم کرنا خواہ قلب سے،خواہ زبان سے خواہ اعضاء سے۔

اصطلاحی:۔مولیٰ تعالیٰ نے بندے کو جس قدر نعمتیں عطا فرمائی ہیں سب کو ان کے مقصد تخلیق کے مطابق بقدر طاقت بشری صرف کرنا۔

شکر کے دو معنی ہیں،لغوی،عرفی۔حمد کے معنی عرفی،شکر کے معنی لغوی ہیں۔اور حمد کے معنی اصطلاحی،شکر کے معنی عرفی ہیں۔حمد لغوی اور شکر لغوی میں عموم وخصوص من وجہ کی نسبت ہے اس لئے کہ حمد کا متعلق عام یعنی نعمت اور غیر نعمت دونوں کو شامل ہے اور مورد خاص یعنی زبان ہے اور شکر اس کے برعکس،پس نعمت کے مقابل زبان سے کسی کی خوبی بیان کرنے میں دونوں متحقق اور غیر نعمت کے مقابل زبان سے خوبی بیان کرنے میں صرف حمد متحقق ہے۔اور قلب اور اعضاء سے انعام کے باعث تعظیم کرنے میں صرف شکر پایا جاتا ہے تو اول مادۂ اجتماع اور ثانی حمد کی جانب سے اور ثالث شکر کی جانب سے مادۂ انفراد ہوا،حمد عرفی اور شکر عرفی

میں عموم خصوص مطلق ہے اس لئے کہ حمد عرفی میں انعام عام ہے خواہ حامد پر ہو یا غیر پر، نیز اس میں منعم عام ہے خالق ہو یا مخلوق، اور شکر عرفی اس کے برعکس ہے کہ اس میں انعام شاکر پر ہوتا ہے اور منعم کا خالق ہونا معتبر ہے پس ہر شکر عرفی پر حمد عرفی صادق ہوگی اور عکس نہیں، تو شکر عرفی خاص اور حمد عرفی عام ہوئی۔ حمد لغوی اور شکر عرفی میں بھی عموم خصوص مطلق ہے اول عام اور ثانی خاص مگر یہ عموم وخصوص باعتبار تحقق ہے۔ حمد عرفی اور شکر لغوی میں بھی عموم وخصوص مطلق ہے۔ اول عام اور ثانی خاص ہے بشرطیکہ انعام کا شاکر پر ہونا معتبر ہو اور حمد کو عام رکھا جائے ورنہ دونوں متحد ہونگے۔ امر ذیشان سے پہلے بسم اللہ دل میں پڑھی گئی یا زبان سے یا لکھ دی گئی ان تینوں صورتوں میں ہر ایک سے حدیث تسمیہ کی تعمیل ہوجائے گی اس لئے کہ حدیث میں کسی صورت کی تعیین نہیں ہے۔ اور حدیث تحمید میں حمد سے حمد لغوی مراد لینے پر حکم حدیث کا امتثال صرف ایک صورت میں ہوگا جبکہ امر ذیشان سے پہلے مولیٰ تعالیٰ کی خوبی زبان سے بیان کی جائے، دل سے حمد کرنے یا لکھنے سے تعمیل حکم نہ ہوگی کہ یہ حمد لغوی نہیں، اور حمد عرفی مراد لینے پر تینوں صورتوں میں ہر ایک سے تعمیل ہوجائے گی۔ اور حمد اصطلاحی مراد لینے پر تینوں صورتوں میں ہر ایک سے نہ ہوگی بلکہ دل، زبان، حواس، اعضاء جملہ نعمتوں کو مقصد تخلیق میں صرف کرکے امر ذیشان کو شروع کیا جائے تو تعمیل ہوگی۔ **الغرض** حدیث تحمید میں اگرچہ حمد عرفی مراد ہے کما فی الشامی لیکن قطع نظر اس کے جو معنی بھی مراد لئے جائیں کسی صورت میں امام بخاری پر ترک حمد کا الزام قائم نہیں ہوسکتا کیوں کہ ممکن ہے کہ صرف زبان سے حمد ادا کی ہو یا صرف دل سے، یا دل وزبان دونوں سے یا جملہ نعمتوں کو مقصد تخلیق میں صرف کرکے کتاب بخاری شروع فرمائی ہو۔ البتہ حدیث میں حمد لکھنے کا حکم ہوتا تو حکم حدیث کی تعمیل نہ کرنے کا اعتراض ضرور وارد ہوتا و اذ لیس فلیس۔ (۱۰) حضرت امام بخاری نے اپنی کتاب کا آغاز بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سے تحریر کیا ہے تو حمد الٰہی بھی ہوگئی کہ اس میں اللہ عزوجل کی صفت رحمانیت اور صفت رحیمی کا بھی بیان ہے اور شک نہیں کہ صفت رحمانیت ورحیمی سے اللہ عزوجل کی ثنا کرنا کمال حمد ہے لہذا بسم اللہ کے تحریر کرنے سے حمد بھی ہوگئی بلکہ اگر بسم اللہ تحریر کرتے وقت زبان سے بھی پڑھی تھی تو حمد لغوی بھی ادا ہوگئی ورنہ حمد عرفی تو بہرحال

ہے۔(بشیر القاری)

اس طرح اردو وعربی کے اکثر شارحین بخاری نے امام بخاری کے ترک حمد کے وجوہات اپنے اپنے انداز میں بیان کئے ہیں البتہ کچھ شارحین نے اس مسئلہ کو مطلقا نہیں چھیڑا شاید اس لئے کہ کافیہ جیسی کتابوں کی ابتدائی بحثوں میں ترک حمد کے وجوہ پر کافی طویل بحث ہوجاتی ہے۔شارح بخاری حضرت مولانا سید محمود احمد صاحب (لاہوری) نے اپنی شرح فیوض الباری میں امام بخاری کی طرف سے ترک حمد کے نو جوابات دیئے ہیں جنمیں اکثر وہی ہیں جو حضرت صدر العلماء کے حوالے سے گذرے، البتہ دو جواب ان کا اوروں سے علیحدہ ہے ذیل میں ان کے دونوں جواب کو ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱۱)''علامہ نووی نے فرمایا ہے، یہ حدیث مختلف الفاظ سے مروی ہے کہیں لا یبدأ بحمد الله آیا ہے کہیں لا یبدأ فیه بسم الله، آیا اور کہیں لا یبدأ فیه بذکر الله، تو اس سے واضح ہوتا ہے ترغیب خاص طور پر حمد ہی کی نہیں ہے بلکہ ترغیب اس امر کی ہے کہ آغاز میں اللہ تعالیٰ کا ذکر آنا چاہئے، چاہے بسم اللہ سے ہو، چاہے الحمد للہ سے یا سبحان اللہ وغیرہ سے۔حافظ ابن حجر نے اس جواب کو قوی قرار دیا ہے۔(فتح الباری)

(۱۲)امام زرقانی فرماتے ہیں کہ 'کل امر ذی بال' میں واقعی بسم الله اور حمد کی ترغیب دی گئی ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطوط میں صرف بسم الله ملتی ہے، خود قرآن مجید میں ملکہ بالقیس کے نام حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط ہے۔اس میں بھی صرف بسم الله ہے۔اس کے برخلاف حضور علیہ السلام کے خطبات میں بسم الله نہیں ملتی صرف الحمد للہ کے لفظ ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ تحریر میں خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سابق انبیائے کرام نے بسم الله ہی کو آغاز کے لئے کافی جانا، اس لئے امام بخاری نے تحریر میں بسم الله پر اکتفا کر کے سنت نبوی کا اتباع کیا ہے۔[فیوض الباری، ص ۶۷/ ج ۱]

سوال:۔اس مقام پر حضرت امام بخاری پر ایک اور سوال قائم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھی نہیں بھیجا جب کہ سلف صالحین کی عادت ہے کہ حمد وثناء کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کرتے ہیں اور

اس کی وجہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ حضور ﷺ کا ذکر بھی ملا ہوا ہے، اسی لئے مفسرین کرام نے 'وَ رَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ' کے معنی یہ کئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ذکرت حیثما ذکرت" محبوب جہاں میرا ذکر کیا جائے گا وہاں تمھارا بھی ذکر کیا جائے گا حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے اپنے رسالہ میں امام مجاہد کے متعلق لکھا ہے کہ انھوں نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرمایا، جو شخص لَا اِلٰهَ اِلاَّ الله، پڑھے گا وہ محمّد رسول الله، بھی پڑھتا ہے یہی معنی رفع ذکر کے حضرت جبریل علیہ السلام نے دربار نبوی میں بیان کئے جسے امام نووی نے شرح مسلم میں ذکر کیا ہے [عینی، ص ۱۵۰ / ج۱] [فیوض الباری، ص ۶۸ / ۱]

بشیر القاری میں یہی سوال بایں الفاظ مذکور ہے 'امام بخاری نے بسم اللہ کی طرح درود شریف تحریر نہیں فرمایا حالانکہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب شفاء شریف میں اور محدث طبرانی نے اپنی کتاب اوسط میں بسند جید ایک حدیث بیان فرمائی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "مَنۡ صَلیّٰ علیَّ فِیۡ كِتَابِهٖ لم تزَلِ الملٰئكَةُ تَسۡتَغۡفِرُ لَهٗ مَا دَامَ اِسۡمِیۡ فِیۡ ذَالِكَ الكِتَابِ،، یعنی سید عالم نور مجسم ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے اپنی کتاب میں درود لکھا تو جب تک اس کتاب میں میرا نام پاک باقی رہے گا فرشتے اس شخص کے لئے استغفار کرتے رہیں گے۔

جواب:۔ حضرت امام بخاری نے سید عالم ﷺ کے نام پاک کے ساتھ درود شریف تحریر فرمایا ہے، چنانچہ صرف ایک حدیث نہیں بلکہ ہر مرفوع حدیث میں 'النبی' کے ساتھ کلمات صلوٰۃ "ﷺ" التزاما ذکر کیا ہے اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے اپنی کتاب میں درود شریف نہیں ذکر کیا ہے، رہا حدیث مذکور سے اعتراض تو اس حدیث میں یہ کہاں ہے کہ بسم اللہ کی طرح امر ذی شان کو درود سے شروع کیا جائے حتیٰ کہ اعتراض وارد ہو۔ البتہ مفتاح الحصن شریف میں ابو موسیٰ مدنی سے ایک روایت منقول ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "کل کلام لا یبدأ فیه بالصلوٰة علیَّ فهو اقطع" یعنی حضور سید عالم، سردار انبیاء ﷺ نے ارشاد فرمایا 'جس کلام کے شروع میں مجھ پر درود نہ ہو وہ بے برکت رہیگا۔ اور

بخاری کے شروع میں درودشریف نہیں ،لہذا اعتراض بہرحال قائم رہے گا کہ انھوں نے درودشریف سے اپنی اہم جامع تصنیف کوشروع نہیں کیا؟اس اعتراض کا بھی جواب شارحین نے اپنے اپنے الفاظ میں دیا ہے ،حضرت صدرالعلماء بشیرالقاری میں رقمطراز ہیں۔

جواب ،اس حدیث میں درود لکھنے کا حکم نہیں حتیٰ کہ اعتراض وارد ہو،(یہ بات ذہن نشیں رہے کہ)بخاری نقوش کا نام نہیں ہے جو کاغذ پر لکھے ہوئے ہیں بلکہ یہ نقوش جن الفاظ پر دلالت کرتے ہیں ان کا نام بخاری ہے اور حدیث میں بھی کلام کو درود سے شروع کرنے کا حکم ہے اور کلام از قبیل الفاظ ہے نہ از قسم نقوش،تو یہ کس طرح کہا جاسکتا ہے امام بخاری نے بروقت شروع درودشریف زبان سے نہ پڑھا تھا حسب ارشاد نبوی 'ظنوا المو منین خیرا'مومنین کے ساتھ اچھا گمان رکھو ایسے جلیل القدر محدث کے متعلق یہی ظن رکھا جائے کہ بروقت شروع زبان سے درود پڑھ کر اس حدیث کی بھی تعمیل کی تھی۔ظاہر ہے جو ذات ستودہ صفات ہر حدیث مصطفےٰ لکھتے وقت تازہ غسل و وضو کرے اور دو رکعت نماز پڑھتے رہے ہوں بھلا وہ درودشریف نہ پڑھے ہوں ہو ہی نہیں سکتا، پھر جب ہر حدیث لکھتے وقت نماز پڑھتے تھے تو نماز میں خدائے ذوالجلال کی تسبیح وتہلیل اور حمد وثنا کے ساتھ درود وسلام بھی ہے اس لئے صرف ظن نہیں بلکہ یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ آپ نے درود وسلام پڑھا ہے۔

درود وسلام کے فضائل وبرکات اور بارگاہ رسالت میں پیشی کے طریقے :۔ درود وسلام کے فضائل وبرکات کسی اہل محبت مسلمان سے پوشیدہ نہیں،اس باب میں اس کثرت سے روایتیں موجود ہیں جو شمار سے باہر ہیں،اس سلسلے میں درجنوں مستقل کتابیں بھی موجود ہیں جو متقدمین ومتاخرین علمائے فحول کے رشحات قلم سے منصۂ شہود پر آئیں پس اس عنوان پر اب مزید کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں مگر صرف اس لئے کہ درود وسلام کی برکتوں کی کچھ چھینٹیں ،اس کتاب اور مرتب کتاب کو بھی مل جائیں اس لئے ذیل میں درود وسلام کے فضائل وبرکات اور بارگاہ رسالت میں پیشی کے طریقے سے متعلق چند جملے پیش ہیں۔

حضور سید المرسلین، خاتم النبیین، محبوب رب العلمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجنے کی فضیلت وعظمت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتی کہ خود خالق کائنات اللہ رب العلمین جل جلالہ اور اس کے فرشتے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں، ارشاد الٰہی ہے ''اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾ [الاحزاب ۵۶]

بیشک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے نبی پر، اے ایمان والو! ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد پاک ہے۔

(۱) عن أبی بن کعب قال، قلتُ یا رسول اللہ انی اکثر الصلوٰۃ علیک فکم اجعل لک من صلاتی ؟ فقال 'ما شئتَ، قلتُ: الربع ؟ قال: ما شئت فان زدت فھو خیر لک' قلتُ، النصف، قال: ما شئت فانْ زدتَ فھو خیر لک، قلتُ: فالثلثین ؟ قال: 'ما شئت فان زدتَ فھو خیر لک، قلتُ اجعل لک صلاتی کلھا ؟ قال ''اذا یکفی ھمک و یکفر لک ذنبک [رواہ الترمذی]

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا، یارسول اللہ میں آپ پر بہت درود پڑھتا ہوں تو درود کتنا مقرر کرلوں، فرمایا جتنا چاہو، میں نے کہا چہارم فرمایا جتنا چاہو اگر درود بڑھادو تو تمھارے لئے بہتر ہے، میں نے کہا آدھا فرمایا جتنا چاہو اگر درود بڑھادو تو تمہارے لئے بہتر ہے، میں نے کہا دو تہائی، تو فرمایا جتنا چاہو لیکن اگر اور بھی بڑھادو تو تمھارے لئے بہتر ہی ہے، میں نے کہا تب تو میں سارا درود ہی پڑھونگا، ارشاد فرمایا تب تو تمھارے غموں کو کافی ہوگا اور تمھارے گناہ مٹادیگا

(۲) عن ابی طلحۃ ان رسول اللہ ﷺ جاء ذات یوم و البشر فی وجھہ فقال: انہ جاءنی جبریل فقال: ان ربک یقول أما یرضیک یا محمد أن لا یصلی علیک احد من امتک الا صلیتُ علیہ عشرا و لا یسلم علیک أحد من أُمتک الا سلمتُ علیہ عشراً [رواہ النسائی

والدارمی]

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف لائے اور خوشی آپ کے چہرۂ انور سے ظاہر تھی، فرمایا کہ میرے پاس جبریل آئے عرض کیا کہ آپ کا رب فرماتا ہے اے محمد! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تمہارا کوئی امتی تم پر ایک بار درود نہ بھیجے مگر میں اس پر دس بار رحمتیں بھیجوں اور تمھارا کوئی امتی تم پر سلام نہ بھیجے مگر اس پر دس مرتبہ سلام بھیجوں۔ نسائی کی روایت میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔ (۳) قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "من صلیّ علیَّ صلاۃ واحدۃ صلی اللہ علیہ عشر صلوات وحطت عنہ عشر خطیئات ورفعت لہ عشر درجاتٍ"۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو مجھ پر ایک بار درود پڑھے گا اللہ اس پر دس رحمتیں کرے گا اور اس کے دس گناہ معاف کئے جائیں گے اور اس کے دس درجات بلند کئے جائیں گے۔

حضور سرور دو جہاں نبی کون و مکاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر درود پڑھنے والوں کے لئے اگر دارین میں حصول سعادت و برکت کی بشارت ہے تو نہ پڑھنے والوں کے لئے محرومی، حسرت بھی ہے۔

مولائے کائنات حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا "البخیل الذی ذکرت عندہ فلم یصل علیَّ" [رواہ الترمذی و رواہ احمد عن الحسین بن علی رضی اللہ عنہما]۔

وہ شخص بڑا کنجوس ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہوا اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

"رغم انف رجل ذکرت عندہ فلم یصل علیَّ، و رغم انف رجل دخل علیہ رمضان ثم انسلخ قبل ان یغفر لہ، ورغم انف رجل ادرک عندہ ابواہ الکبر او احدہما

فلم یدخلاہ الجنۃ،،[رواہ الترمذی]

یعنی اس کی ناک خاک آلود ہو جس کے پاس میرا ذکر ہو اور مجھ پر درود نہ پڑھے، اس کی ناک خاک آلود ہو جس پر رمضان آئے پھر اس کی بخشش سے پہلے گذر جائے، اس کی ناک گرد آلود ہو جس کے سامنے اس کے ماں باپ یا ان میں سے ایک بڑھاپا پائے اور اسے جنت میں نہ پہنچائیں۔

بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں درود و سلام کی پیشی کے متعدد طریقے ہیں۔

پہلا طریقہ:۔ اللہ رب العلمین نے ایک ایسا ملک مقرب مقرر فرمایا ہے جس کی قوت سامعہ کا یہ عالم ہے کہ ہر مخلوق کی ہر آواز سنتا ہے، اس فرشتہ کے ذمہ یہ خدمت سپرد ہے کہ امت کے درود کو بارگاہ رسالت میں پیش کرتا رہے چنانچہ ہر امتی جس وقت بھی درود شریف پڑھتا ہے وہ فرشتہ اس کو بارگاہ رسالت میں پیش کر دیتا ہے، جیسا کہ امام بخاری نے اپنی تاریخ میں اور محدث ابوالقاسم اصبہانی نے ترغیب میں اور محدث بزار نے العظمۃ میں سند حسن کے ساتھ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بالفاظ ذیل روایت کیا ہے،

"قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان للہ ملکا اعطاہ سماع الخلائق فھو قائم علیٰ قبری (زاد الاصبھانی حتی تقوم الساعۃ) فلیس احد یصلی علی صلاۃ (ولفظ البزار فلا یصلی علیَّ احد الیٰ یوم القیمۃ) الا قال یا محمد صلی علیک فلان ابن فلان فیصلی الرب تبارک وتعالیٰ علیٰ ذالک الرجل بکل واحدۃ عشرا"

یعنی حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جس کو تمام مخلوق کے برابر قوت سماعت عطا فرمائی ہے وہ میری قبر پر قیامت تک قائم رہیگا، پس تا قیام قیامت جو بھی مجھ پر درود بھیجے گا وہ فرشتہ کہے گا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فلاں ابن فلاں نے آپ کی خدمت میں درود شریف پیش کیا ہے تو رب تبارک وتعالیٰ اس شخص کو ہر درود کے بدلے میں دس درود (رحمتوں) سے نوازے گا۔

دوسرا طریقہ:۔ یہ کہ ہر مومن کے ساتھ ایک فرشتہ مقرر ہے جس کی خدمت یہ ہے کہ اس مومن کے ہدیۂ درود وسلام کو لکھ کر بارگاہ رسالت میں پیش کرتا رہے، امام ابن امیر الحاج نے اپنی کتاب حلیہ میں بحوالۂ نہایہ اور کافی وغیر ہما کتب معتبرہ ایک حدیث عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت شدہ ذکر کی کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر مومن کے ساتھ پانچ فرشتے رہتے ہیں ایک دائیں جانب جو نیکیاں لکھتا ہے اور ایک بائیں جانب جو برائیاں لکھتا ہے اور ایک سامنے جو بھلائیوں کی تلقین کرتا ہے اور ایک پس پشت جو مکروہات کو دفع کرتا ہے اور ایک پیشانی کے پاس جو درود (وسلام) لکھ کر نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کرتا ہے۔ **تیسرا طریقہ:۔** کچھ فرشتے عالم میں گشت کرنے والے ہیں ان کے متعلق یہ خدمت سپرد ہے کہ امت کا ہدیۂ درود وسلام بارگاہ نبوی میں پیش کریں، چنانچہ امام احمد وغیرہ محدثین کرام نے بسند صحیح، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بایں الفاظ روایت ذکر فرمائی۔

"عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال ان للہ ملئکۃ سیاحین یبلغونی عن امتی السلام" نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالی کے کچھ گشتی فرشتے میری امت کے (درود وسلام مجھ کو پہنچاتے رہتے ہیں)۔

چوتھا طریقہ:۔ یہ ہے کہ ہر "یوم" اللہ تعالیٰ کی جانب سے مامور ہے کہ امت کے جملہ اعمال لیلی ہوں یا نہاری، بارگاہ رسالت میں پیش کرے، جس میں ہدیۂ درود وسلام بھی داخل ہے کیوں کہ یہ دونوں بھی از قبیل اعمال ہیں چنانچہ اس بارے میں امام عبداللہ ابن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک روایت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے بایں الفاظ ذکر کی ہے "لیس من یوم الا وتعرض علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اعمال امتہ غدوۃ وعشیا فیعرفھم بسیماھم واعمالھم،، یعنی ہر یوم (دن) نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آپ کی امت کے جملہ اعمال (لیلی) صبح کے وقت اور (نہاری) شام کے وقت پیش کرتا ہے تو آپ امت کو ان کی مخصوص علامات اور اعمال کے ذریعہ جانتے ہیں۔

پانچواں طریقہ:۔ یہ کہ ہفتہ بھر کے درود وسلام کی پیشی بروز جمعہ ہوتی ہے اس بارے میں بیہقی نے بسند

جید حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بایں الفاظ روایت ذکر کی ہے۔

”قال رسول اللہ ﷺ اکثروا علیَّ من الصلوٰۃ فی کل جمعۃ فان صلوٰۃ امتی تعرض علیَّ فی کل یوم جمعۃ فمن کان اکثرھم علیَّ صلوٰۃ کانَ اقربھم منی منزلۃ،، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر جمعہ میں مجھ پر بکثرت درود وسلام بھیجو کہ میری امت کا ہدیۂ درود وسلام ہر جمعہ کو میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے تو جس کا ہدیۂ درود وسلام زیادہ ہوگا وہ مجھ سے اتنا ہی زیادہ قریب ہوگا۔ بارگاہ رسالت میں درود وسلام کی پیشی کے اور بھی طریقے ہیں مگر بخوف طوالت صرف مذکورہ پانچ طریقوں کے ذکر پر اکتفا کیا گیا جن میں پہلے چار طریقوں سے ظاہر ہے کہ بارگاہ رسالت میں روزانہ درود وسلام پیش ہوتے ہیں اور پانچواں آخری طریقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہفتہ وارانہ درود وسلام کا نذرانہ بارگاہ رسالت میں پیش ہوتا ہے۔اس کا مطلب واضح ہے کہ روزانہ تو درود وسلام پیش کیے ہی جاتے ہیں لیکن پورے ہفتے کا مجموعی طور پر بھی ایکبارگی پیش کیا جاتا ہے۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی سنتے ہیں:۔ بارگاہ رسالت میں حضرات ملئکہ یا ایام کے وساطت سے درود وسلام کی پیشی سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بذات خود درود شریف نہیں سن سکتے تھے ، بلکہ حق وصواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مشرق ومغرب اور دنیا جہاں کے جس کسی گوشے سے درود وسلام شریف پیش کیا جاتا ہے ہر کسی کے درود وسلام کو بنفس نفیس، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سماعت فرماتے ہیں پھر بطور اکرام فرشتوں کے ذریعے بھی بارگاہ رسالت میں پیش کر دیا جاتا ہے اس لئے یہ نظریہ فاسد اور خیال باطل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دور سے درود وسلام پڑھنے والوں کے درود وسلام کو سنتے نہیں ،اور اگر سنتے ہیں تو پھر فرشتوں کے ذریعے پیشی عبث وبیکار ہے۔

پہلا دعویٰ: یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دور ونزدیک سے درود وسلام خود سنتے ہیں اس پر کئی دلائل موجود ہیں **دلیل اول:۔** ایک مرتبہ مجمع صحابہ میں حضور سرور کونین، محبوب رب المشرقین والمغربین صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم نے بطور تحدیث نعمت اپنی جہانگیر قوت بصر اور عالمگیر قوت سماع کا انکشاف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تمام وہ مبصرات جن تک نظروں کی رسائی نہیں ہوتی میں ان کو دیکھتا ہوں اور تمام وہ مسموعات جن سے تمھارے کان آشنا نہیں میں ان کو سنتا ہوں، چنانچہ اس واقعہ کو مؤرخین اسلام اور محدثین کرام امام ترمذی، امام ابن ماجہ، امام ابونعیم جلیل القدر صحابی ابوذر رضی اللہ عنہ سے بایں الفاظ نقل فرماتے ہیں۔

”قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اِنِی اَریٰ ما لا ترونَ و اسمع ما لا تسمعون اَطّت السماء و حق لھا اَن تئِطَ لیس فیھا موضع اربع اصابع الا و ملک واضع جبھتہ ساجد لِلّٰہ ،، یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں ہر اس شئ کو دیکھتا ہوں جس کو تم نہیں دیکھتے اور ہر اس آواز کو سنتا ہوں جس کو تم نہیں سنتے (چنانچہ بطور تمثیل ایک آواز کا ذکر فرمایا جس کو ہم نہیں سنتے وہ یہ ہے کہ آسمان چرچرایا اور اس کا چرچرانا درست ہے کیونکہ اس میں بقدر چار انگشت بھی ایسی جگہ نہیں جس پر فرشتہ پیشانی ٹیکے ہوئے اللہ کے لئے سجدہ نہ کر رہا ہو۔

دلیل دوم :۔ دیقی اور طبرانی وغیرہ محدثین کرام فرماتے ہیں کہ سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ میرے جد کریم سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ۔

”ان اللہ عز وجل و کل بی ملکین فلا اذکر عند عبد مسلم فیصلی علیَّ الا قال ذالک الملکان غفر اللہ لک و قال اللہ و ملئکتہ جوابا لذینک الملکین آمین ، و لا اذکر عند عبد مسلم فلا یصلی علیَّ الا قال ذالک الملکان لا غفر اللہ لک و قال اللہ عز وجل جوابا لذینک الملکین آمین“

یعنی بیشک اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ دو فرشتے ایسے تعینات کئے ہیں کہ جب کسی بندۂ مسلم کے نزدیک میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود بھیجے تو وہ فرشتے (اس بندہ کو دعا دیتے ہوئے کہتے ہیں) کہ اللہ تیری مغفرت فرمائے، ان فرشتوں کی اس دعا پر اللہ تعالیٰ اور باقی فرشتے آمین کہتے ہیں۔ اور اگر جس بندۂ مسلم

کے نزدیک میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے تو وہ فرشتے (اس بندہ کے حق میں بددعا کرتے ہوئے کہتے ہیں) کہ اللہ تیری مغفرت نہ کرے، اللہ تعالیٰ اور باقی فرشتے اس بددعا پر آمین کہتے ہیں۔ اسی طرح امام ترمذی اور ابن ماجہ نے معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور پرنور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے "لا توذی امرأۃ زوجھا فی الدنیا الا قالت زوجتہ من الحور العین لا توذیہ قاتلک اللہ فانما ھو عندک دخیل یوشک ان یفارقک الینا،، یعنی دنیا میں جب کوئی عورت اپنے شوہر کو ایذا پہنچاتی ہے (تو اس کی ایذا کو دیکھ کر یا سنکر) حوروں میں سے اسکی جنتی بیوی کہتی ہے کہ اللہ تمھیں قتل کرے، اسے ایذا مت دے یہ تو تیرے پاس مہمان ہے عنقریب تجھ سے جدا ہو کر ہمارے پاس آئیگا۔

مندرجہ بالا دونوں حدیثوں کا مفہوم بہت واضح ہے کہ بارگاہ رسالت میں مقرر دونوں فرشتوں اور جنت کی حوران بہشت کی قوت سماعت و بصارت اس قدر بلند ہے کہ فرشتے دنیا کے جس کسی گوشہ سے درود شریف پڑھنے والے مسلمان کی آواز کو بارگاہ نبوی سے سن لیتے ہیں اور حوران بہشت، جنت سے دنیا کی عورتوں کی ہنگامہ آرائی کو سن لیتی ہیں۔ جب فرشتوں اور حوران بہشت کی قوت سماعت کا یہ عالم ہے تو حضور رحمۃ للعٰلمین، محبوب رب العٰلمین کی قوت سماعت کا کیا عالم ہوگا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اعلیٰ حضرت امام اہلسنت فاضل بریلوی قدس سرہ نے اسی لیے فرمایا۔

دور ونزدیک کے سننے والے وہ کان
کان لعل کرامت پہ لاکھوں سلام

دلیل سوم:۔ دلائل الخیرات شریف کی پہلی فصل کے آخر میں ایک حدیث نقل فرمائی، جس کے الفاظ یہ ہیں "قیل لرسول اللہ ﷺ ارأیتَ صلوٰۃ المصلین علیک ممن غاب عنک و من یاتی بعدک ما حالھما عندک فقال اسمع صلوٰۃ اہل محبتی واعرفھم و تعرض علیَّ صلوٰۃ غیرھم عرضا،، یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ جو درود بھیجنے والے اس

وقت آپ سے (بظاہر) غائب ہیں اور جو وفات شریف کے بعد پیدا ہونگے ان کے درود حضور کے نزدیک کس حال میں ہیں آپ انہیں سنتے ہیں اور سنیں گے یا نہ سنتے ہیں اور نہ سنیں گے، اس پر جواباً ارشاد فرمایا کہ میں اہل محبت کا درود بگوش خود 'حسن توجہ' کے ساتھ سنتا ہوں اور انھیں پہچانتا بھی ہوں اور دوسروں کا درود میرے پاس پیش کیا جاتا ہے **دلیل چہارم:**۔ حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ولادت طیبہ کے بعد جب پالنہ میں تھے اس وقت آپ کی سماعت کا کیا عالم تھا روایت ذیل سے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اس روایت کو امام بیہقی ،صابونی، خطیب بغدادی، ابن عساکر اور ابن طغربک سیاف جیسے اجلۂ محدثین کرام نے حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے تخریج کی ہیں "قال قلتُ یا رسولَ اللہ دعانی الی الدخول فی دینک امارۃ لنبوتک رأیتک فی المھد تناغی القمر و تشیر الیہ بأصبعک فحیث أشرت الیہ مال قال :إنی کنت أحدثه و یحدثنی و یلھینی عن البکاء واسمع وجبته حین یسجد تحت العرش [المواھب اللدنیة، ص۷۶،۲۷۵]۔

یعنی حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے دین میں، میرے داخلہ کا سبب یہ بنا کہ میں نے آپ کی ایک علامت نبوت دیکھی تھی جب آپ پالنے میں تھے چنانچہ میں نے آپ کو پالنہ میں چاند سے باتیں کرتے اور انگشت مبارک سے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دیکھا ہے، پس آپ جس طرف اشارہ فرماتے چاند اس طرف جھک جاتا تھا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک میں چاند سے باتیں کرتا تھا اور وہ مجھ سے باتیں کرتا تھا اور وہ مجھے رونے سے باز رکھتا تھا اور جب وہ عرش کے نیچے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنے کے لئے گرتا تھا تو میں اس کے گرنے کی آواز کو بھی سنتا تھا۔ اعلیٰ حضرت امام اہلسنت فاضل بریلوی قدس سرہ نے اس حدیث کی ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

چاند جھک جاتا جدھر انگلی اٹھاتے مہد میں
کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا

دلیل پنجم :۔ حکیم الامت حضرت علامہ مفتی احمد یار خاں نعیمی اشرفی قدس سرہ نے شامی، مدارج النبوۃ ،اشعۃ اللمعات اور مرقات وغیرہ کے حوالے سے اپنی معرکۃ الآراء تصنیف تفسیر نعیمی میں تحریر فرمایا۔

''امتی کہیں ہو حضور سے کتنی ہی دور ہو جب التحیات میں یا کسی اور وقت سلام عرض کرتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنفس نفیس اس کا سلام خود سنتے ہیں اس لئے نمازی کو چاہئے کہ التحیات میں سلام کے وقت معراج کے سلام کی نقل کی نیت نہ کرے بلکہ خود سلام کرنے کی نیت کرے (شامی) بلکہ یہ سمجھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا سلام خود سن رہے ہیں اور جواب دے رہے ہیں (مدارج النبوۃ، واشعہ، مرقات وغیرہ) کسی حدیث سے ثابت نہیں ہوتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دور کا سلام نہیں سنتے، وہ جو روایت میں ہے کہ جو میری قبر انور پر سلام عرض کرتا ہے تو میں اسے خود سنتا ہوں اور جو دور سے سلام عرض کرتا ہے تو مجھ تک پہنچایا جاتا ہے، اس سے لازم یہ نہیں کہ آپ دور کا سلام سنتے نہیں، بلکہ دور والے کا سلام سنتے بھی ہیں اور پہنچایا بھی جاتا ہے، رب تعالیٰ کی بارگاہ میں بندوں کے اعمال دعائیں پہنچائی جاتی ہیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ رب تعالیٰ ان چیزوں سے بے خبر ہے دیکھتا سنتا نہیں۔

وہابیوں کے پیشوا ابن قیم نے اپنی کتاب جلاء الافہام میں صفحہ ۷۳ پر بحوالہ طبرانی ایک حدیث نقل کی۔

''قال الطبرانی حدثنا یحیی ابن ایوب العلاف حدثنا سعید ابن ابی مریم خالد ابن زید عن زید عن سعید ابن ابی ھلال عن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ ﷺ اکثروا الصلوٰۃ علیَّ یوم الجمعۃ فانہ مشھود تشھدہ الملٰئکۃ لیس من عبد یصلیِ عَلَیَّ الا بلغنی صوتہ حیث کان قلنا وبعدو فاتک قال وبعد وفاتی ان اللہَ حرَّمَ علی الارض ان تاکلَ اجساد الانبیاءِ،،

طبرانی نے کہا، ہم کو یحییٰ ابن ایوب علاف نے خبر دی انھیں سعید ابن مریم نے، انھوں نے خالد ابن زید سے روایت کی، انھوں نے سعید ابن ابی ہلال سے، وہ حضرت ابوالدرداء سے، فرماتے ہیں، فرمایا رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ مجھ پر جمعہ کے دن زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھا کرو کہ وہ حاضری کا دن ہے جس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں، کوئی ایسا بندہ نہیں جو مجھ پر درود پڑھے مگر اس کی آواز مجھ کو پہنچ جاتی ہے وہ جہاں بھی ہو، ہم نے عرض کیا حضور آپ کی وفات کے بعد! فرمایا میری وفات کے بعد بھی کہ اللہ نے زمین پر حرام فرما دیا ہے کہ وہ انبیاء کرام کے جسم کو کھائے۔ [از تفسیر نعیمی، ص ۳۳۲ / ج ۵]۔

مندرجہ بالا تمام روایات صحیحہ سے روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے کہ اللہ رب العزت نے حضور سرور دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو از ابتدائے ولادت تا وفات اور بعد وفات بھی سماعت کی ایسی حیرت انگیز قوت عطا فرمائی ہے کہ عالم کے ہر گوشے سے درود وسلام پڑھنے والوں کے درود وسلام کو سنتے بھی ہیں اور اہل محبت کے سلام کا جواب بھی عنایت فرماتے ہیں۔

بارگاہ الٰہی میں درود شریف کی مقبولیت:۔ امام جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب مستطاب ''الکنز المدفون'' کے شروع میں ایک حدیث تحریر فرمائی ہے جس کا مضمون یہ ہے حضور سید انبیاء محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں 'اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جس کے اتنے بڑے دو بازو ہیں کہ ایک مشرق میں اور ایک مغرب میں، اس کا سر زیر عرش اور پیر ساتویں زمین کے نیچے، تمام مخلوقات کی تعداد کے برابر اس کے پر ہیں جب میری امت سے کوئی مرد یا عورت مجھ پر درود بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس فرشتے کو حکم دیتا ہے کہ دریائے نور میں غوطہ لگائے جو زیر عرش ہے، وہ غوطہ لگانے کے بعد باہر نکل کر دونوں بازو جھاڑتا ہے تو ہر ایک پَر سے ایک قطرہ ٹپکتا ہے اللہ تعالیٰ ہر قطرے سے ایک فرشتہ پیدا فرماتا ہے جو قیامت تک اس درود پڑھنے والے کے لئے دعائے مغفرت کرتا رہے گا۔ [بشیر القاری، ص ۱۷]

دہ ہزاری درود شریف:۔ یہ درود شریف حضرت سلطان محمود غزنوی کی طرف منسوب ہے جسے ایک بار پڑھنے سے دس ہزار بار پڑھنے کے برابر شمار کیا جاتا ہے، خاتم المفسرین علامہ شیخ اسمٰعیل حقی قدس سرہ القوی اپنی تفسیر روح البیان شریف جلد ہفتم صفحہ ۲۳۴ میں اس کے متعلق ایک واقعہ تحریر فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ''ایک صاحب نے سلطان محمود غزنوی علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ زمانۂ

دراز سے تمنا تھی کہ محبوب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت نصیب ہوتو اپنی زبوں حالی کی داستان خدمت اقدس میں پیش کروں ، بفضلہٖ تعالیٰ شب گذشتہ دیدار پرانوار کی زیارت سے مجھ کو مشرف کیا گیا میں نے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہشاش بشاش دیکھ کر اپنی درخواست پیش کی کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایک ہزار روپے کا مقروض ہوں ادائیگی پر قدرت نہیں یہ خوف دامنگیر رہتا ہے سبکدوشی سے پہلے موت آگئی تو یہ بار عظیم میری گردن پر باقی رہ جائیگا حضور پرنور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ محمود سبکتگیں کے پاس جا کر ان سے یہ رقم طلب کرو میں نے عرض کیا کہ شاید انھیں باور نہ ہو کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بھیجا ہے اور نشانی طلب کریں تو میں کیا کروں فرمایا کہہ دینا کہ سونے سے پیشتر تیس ہزار بار درود پڑھتے ہو اور تیس ہزار بیدار ہوکر ، یہی نشانی ہے میرا قرض ادا کردیجئے (چنانچہ وہ خوش نصیب شخص حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایات کے مطابق سلطان محمود سبکتگیں کے پاس گیا اور خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کرنے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلطان غزنی کو اس شخص کے قرض ادا کرنے کی بابت تفصیل بتائی) یہ سن کر سلطان محمود پر گریہ طاری ہوگیا ، ان کا قرض ادا کر کے ایک ہزار روپئے مزید پیش کئے ، ارکان دولت نے متعجب ہوکر عرض کیا عالی جاہا: حضور نے اس شخص کی ایسی بات میں تصدیق فرمادی جو ناممکن ہے ہم خدمت والا میں شب و روز حاضر رہتے ہیں ہم نے تو کبھی حضور کو درود پڑھنے میں مشغول نہیں دیکھا ، پھر یہ بات عقل میں نہیں آتی کہ اتنی قلیل مدت میں ساٹھ ہزار درود کی مقدار کس طرح پوری ہوجائے گی ، سلطان نے فرمایا کہ میں نے علمائے کرام سے سنا تھا کہ جو شخص درود ذیل ایک مرتبہ پڑھے گا تو وہ دس ہزار بار پڑھنے کے برابر ہوتا ہے ، میں اس کو تین مرتبہ سوتے وقت پڑھتا ہوں اور تین مرتبہ بیدار ہوکر ۔ اور یقین رکھتا ہوں کہ ساٹھ ہزار بار پڑھنے کی سعادت حاصل ہوگئی ، اور مجھ پر گریہ اس خوشی میں طاری ہوا کہ علمائے کرام کا ارشاد مذکور صحیح تھا کیونکہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تصدیق فرمادی ، وہ درود مندرجہ ذیل ہے

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ مَا اخْتَلَفَ الْمَلَوَانِ وَ تَعَاقَبَ الْعَصْرَانِ وَ کَرَّ الْجَدِیْدَانِ وَاسْتَقَلَّ الْفَرْقَدَانِ وَ بَلِّغْ رُوْحَہٗ وَ اَرْوَاحَ اَھْلِ بَیْتِہٖ مِنَّا التَّحِیَّۃَ وَالسَّلَامَ وَ بَارِکْ وَسَلِّمْ عَلَیْہِ کَثِیْراً ،،

مختصر یہ کہ حضور اقدس سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر درود وسلام پیش کرنا دنیا وآخرت میں بیشمار خیرات وبرکات کا ذریعہ اور اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رضا جوئی اور خوشنودی کا باعث ہے اس لئے ہر مسلمان اہل محبت کو چاہئے کہ بارگاہ رسالت میں درود وسلام پیش کرنے کو وظیفۂ ہر ساعت بنالے پس ناچیز راقم الحروف بھی اپنی زبان وقلم سے مندرجہ ذیل درود شریف پیش کر کے اس بحث کو تمام کرتا ہے،

"اَللّٰھم صَلِّ عَلیٰ سَیِّدِنَا وَ مَولیناَ وماوینا وملجانا وَ نَبِیِّنَا وَ شَفِیْعِنَا وَ حَبِیْبِنَا وَ کَرِیْمِنَا وَ رَحِیْمِنَا وَ رَؤُفِنَا وَ رَسُوْلِنَا محمّدٍ ﷺ وَ عَلیٰ اٰلِہٖ وَ اَزْوَاجِہٖ وَ صَحْبِہٖ اَجْمعِین صَلٰوۃ وَ سَلَا مًا دَائِمًا سَرْ مَداً اَبَداً

مقدمۃ العلم:۔ مؤلفین کتاب کی یہ بھی عادت ہوتی ہے کہ وہ شروع فی العلم والکتاب سے پہلے وجہ تالیف، فن کی اہمیت وعظمت، ابواب کی تفصیل اور کیفیت، علم کی تعریف، موضوع اور غرض وغایت کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں مگر حضرت امام بخاری نے ابتداء کتاب میں ان امور کے متعلق کچھ نہیں لکھا اور بسم اللہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حدیث بیان کرنی شروع کردی اس کی کئی وجہیں ہیں، اولاً:۔ یہ کہ امام بخاری علیہ الرحمہ عاشق رسول تھے اور فنافی الرسول کے مرتبہ پر فائز تھے، انھیں مقدمۃ العلم اور مقدمۃ الکتاب کی لفظی بحثوں سے کچھ مطلب نہ تھا ان کا مقدمہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تھے اور تعریف بھی، موضوع بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تھے اور غایت بھی، ان کی نظر تو محض محبوب رب العلمین کی صورت وسیرت اور آپ کے کردار اور اقوال پر تھی ، اس لئے انھوں نے ان لفظی بحثوں سے اپنے دامن کو نہیں الجھایا اور قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اپنی تالیف کی ابتدا فرمادی۔ ثانیا:۔ امام بخاری نے فن حدیث کے مبادیات کا ذکر نہ کر کے عملی طور پر اس امر کا اظہار فرمایا ہے کہ علم حدیث ایسا فن نہیں ہے جس کی تعریف اور غرض وغایت اور وجہ تالیف کو بیان کرنے کی ضرورت ہو، یہ بخاری میری تصنیف نہیں ہے یہ تو اللہ تعالیٰ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اقوال واعمال ، صورت وکردار کا مجموعہ ہے جو منزل من اللہ ہے وحی خفی ہے، انسانیت کی فطرت اور آدمیت کی جان ہے اگر یہ میری تصنیف ہوتی یا میں انسان کے ساختہ فنون پر کوئی تصنیف کرتا تو ضرور فن کے مبادیات کو بیان کردیتا۔ مگر بخاری تو اللہ تعالیٰ کے محبوب کی گفتگو اور سیرت وکردار پر مشتمل ہے جس کی غرض وغایت مجھے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ اس کی غرض وغایت تعریف اور عظمت ورفعت کو خود خالق کائنات

نے اپنی وحی جلی قرآن مجید میں تفصیل سے بیان فرمادیا ہے اس لئے علم حدیث کے مبادیات مجھ سے نہیں بلکہ قرآن سے پوچھو۔ **ثالثا:۔** حضرات متقدمین مصنفین کی کتابوں کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانے میں کتابوں کے آغاز میں مقدمات ومبادیات کے لکھنے کا عام رواج نہیں تھا چنانچہ تفسیر وحدیث اور فقہ کی اکثر تصنیفوں میں حضرات مصنفین نے اپنی اپنی کتابوں کو حمد وصلوٰۃ کے بعد مقصود علم وفن سے شروع کردیا، فن کی تعریف اور موضوع وغرض وغایت کو ہاتھ تک نہ لگایا، اس لئے حضرت امام بخاری نے بھی مقدمۃ کو نہیں ذکر کیا البتہ حضرات متأخرین مصنفین نے اپنی اپنی کتابوں میں وہ بھی حدیث وتفسیر اور فقہ کے علاوہ نحو، صرف، بلاغت، منطق وفلسفہ اور اصول فقہ جیسے فنون کی کتابوں میں مبادیات فن اور مقدمۃ الکتاب تحریر فرمائے ہیں اس لئے یہ سوال بیکار ہے کہ امام بخاری نے مقدمہ کیوں نہیں تحریر فرمایا۔

✵ ✵ ✵ ✵ ✵

ارشاد بخاری: بَابُ كَيْفَ كَانَ بَدْءُ الْوَحْيِ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ

یعنی یہ باب اس امر کے بیان میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کی ابتدا کیسے ہوئی۔

حضرت امام بخاری کا یہ پہلا عنوان ہے جس کو اصطلاح میں ترجمۃ الباب سے تعبیر کرتے ہیں، اس عنوان میں آغاز وحی اور اس کے متعلقات کا بیان کرنا مقصود ہے۔

سوال:۔ اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرات محدثین کرام بالعموم کتاب الایمان، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، اور کتاب الطہارۃ وغیرہ سے علی الترتیب اپنی تالیفات کی ابتدا کرتے ہیں لیکن تنہا امام بخاری نے اپنی تالیف کی ابتداء معروف طریقے کو چھوڑ کر آغاز وحی سے کیوں کی؟

جواب:۔ یہ ہے کہ جن محدثین کرام نے مذکورہ بالا عنوانات سے ان کی عظمت واہمیت کے پیش نظر کتاب کا آغاز کیا ہے ان سب کے نقطۂ نظر کی پاکیزگی اور صالحیت بھی مسلم ہے لیکن امام بخاری علیہ الرحمہ نے جس نقطہ کی طرف اشارہ کیا ہے وہ سب سے اہم ہے، امام نے اپنی تالیف کو وحی سے شروع کر کے یہ بتایا ہے کہ ایمان ہو یا عمل، عقائد ہوں یا احکام ان سب کی بنیاد واساس صرف وحی ہے اور جب تک یہ چیزیں اصلا وحی کی طرف منسوب نہ ہوں دین وشریعت نہیں بن سکتیں، چنانچہ کشف والہام اور بڑے سے بڑے مفسر، امام

ومجتہد کی ذاتی رائے اور وہ قیاس واجتہاد جو وحی سے ماخوذ نہ ہو دین کے کسی بھی عقیدہ کے ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں ہے حتیٰ کہ نفس ایمان بھی وہی معتبر ومفید ہے جس کو وحی کی توثیق وتائید حاصل ہو،خوارج و معتزلہ اور دیگر گمراہ فرقے اور ملحدین کو چھوڑ کر ہر مذہب وملت کے ماننے والوں میں بھی کسی نہ کسی نوعیت کا ایمان پایا ہی جاتا ہے مگر یہ اس لئے نا قابل اعتبار اور لا حاصل ہے کہ وحی الٰہی سے اس کی مطابقت نہیں ہے ،غرض کہ حضرت امام بخاری نے وحی سے کتاب کا آغاز کر کے اس اہم نکتہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اصل الاصول صرف وحی ہے اور جب تک کسی چیز کو وحی کی تائید وتوثیق حاصل نہ ہو دین اسلام میں وہ نا معتبر ہے۔

سوال دوم:۔ یہاں ایک دوسرا سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ جب عنوان یہ ہے کہ وحی کا آغاز کیوں کر ہوا؟ تو زیر عنوان وہ روایات آنی چاہئیں تھیں جن میں وحی اور آغاز وحی کا ذکر ہو مگر اس عنوان کے ذیل میں ذکر کردہ چھ احادیث مبارکہ میں سے صرف ایک روایت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے جس میں وحی وآغاز وحی کا ذکر ہے بقیہ پانچ روایتوں میں سے صرف تین میں وحی کا ذکر آیا ہے آغاز وحی کا نہیں ،اور دو روایتیں تو وحی اور آغاز وحی کے ذکر ہی سے خالی ہیں حالانکہ کہ عنوان کا اقتضاء یہ تھا کہ تمام روایتوں میں وحی اور آغاز وحی کا ذکر ہو۔

جواب:۔ یہ ہے کہ حضرت امام بخاری کی عادت کریمہ یہ ہے کہ وہ کسی چیز کا ذکر کرتے ہیں تو اس کی ضروری تفصیلات اور اس کے مناسبات کو بھی ذکر دیتے ہیں امام کے اس طرز فکر کی متعدد مثالیں خود بخاری میں موجود ہیں ،مثلا باب ہے 'بدء الخلق' یعنی پیدائش کی ابتدا کیوں کر ہوئی ،مگر امام بخاری نے اس میں جو روایتیں ذکر کی ہیں ان میں صرف آغاز پیدائش ہی کا ذکر نہیں بلکہ وسط وآخر تک کے حالات ،ملٰئکہ اور آسمانوں وغیرہ کا تذکرہ بھی موجود ہے،اسی طرح امام بخاری نے باب باندھا ہے 'بدء الاذان' کا تو اس میں صرف اذان ہی کا بیان نہیں ہے بلکہ اس عنوان میں امام بخاری نے وہ روایتیں بھی ذکر کردی ہیں جن میں اذان کی ابتدائی کیفیت ،وسط اور آخر کا ذکر ہے۔غرضیکہ امام بخاری کا انداز فکر اور طرز تحریر یہ ہے کہ جب وہ کسی شی کے آغاز کا عنوان قائم کرتے ہیں تو صرف اس شی کے آغاز کے عنوان بیان پر ہی اکتفا نہیں فرماتے

بلکہ اس کے اسباب وعلل، متعلقات وملحقات اور دیگر تفصیلات بھی ذکر کر دیتے ہیں۔

اب ظاہر ہے کہ جب حضرت امام بخاری نے آغاز وحی کا عنوان قائم کیا تو اس کی عظمت واہمیت کے اظہار کے لئے یہی اسلوب بہتر تھا کہ وحی اور آغاز وحی کے ساتھ ساتھ وحی نازل فرمانے والی ذات مستجمع صفات وکمالات، اس کے لانے والے اور جس ہستی مقدس پر نازل ہوئی اس کا تعارف بھی کرائیں، اور یہ بھی بتائیں کہ جس ذات کریم کو وحی نبوت کے لئے خاص کیا جاتا ہے اس کی فطرت سلیم ہوتی ہے، اخلاق نہایت عمدہ ہوتے ہیں، ان کا فہم و ذکاء، صدق و امانت، عادات واطوار بڑے عظیم الشان ہوتے ہیں، خصوصا امام بخاری کے نزدیک جبکہ وحی صرف قرآن حکیم ہی نہیں ہے بلکہ سنت رسول ﷺ بھی وحی ہے ایسی صورت میں تو صاحب وحی کے اوصاف حمیدہ کا تذکرہ وتعارف اور اہم ہوجاتا ہے بہر حال اس تقریر سے یہ واضح ہوگیا کہ عنوان اور زیرعنوان روایات میں کیا تعلق اور مناسبت ہے جس میں وحی اور آغاز وحی کا ذکر ہی نہیں ہے۔ [فیوض الباری]

ترجمہ الباب کے الفاظ کی تشریح:۔ ''بَابٌ'' کتاب، باب، فصل:۔ حضرات مصنفین عموما حدیث وفقہ کی کتابوں کی تالیف وتصنیف کے وقت تین عنوانات کتاب، باب اور فصل سے اپنی کتابوں کا آغاز کرتے ہیں، اس لئے ذیل میں ان تینوں الفاظ کی تعریف لکھی جاتی ہے۔

کتاب:۔ مسائل کے اس مجموعہ کو کہتے ہیں جو بمنزلۂ جنس ہو اور اس کے تحت کئی انواع واصناف مندرج ہوں جیسے کتاب الطہارت، اس میں وضو غسل اور تیمم کے ابواب مذکور ہوتے ہیں۔

باب:۔ مسائل کے اس مجموعہ کو کہتے ہیں جو بمنزلۂ نوع ہو اور اس کے تحت کئی اصناف واشخاص مندرج ہوں جیسے وضو کے باب میں فرائض وضو، سنن وضو اور مستحبات وضو وغیرہ کی فصول مذکور ہوتی ہیں۔

فصل:۔ بمنزلۂ صنف ہے اس کے تحت کئی اشخاص مندرج ہوتے ہیں جیسے فرائض وضو کی فصل میں مذکور ہوتا ہے کہ وضو کے چار فرض ہیں وغیرہ۔

حضرت امام بخاری علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب میں بسم الرحمٰن الرحیم کے بعد جو پہلا لفظ لکھا ہے وہ باب ہے ،کتاب نہیں ذکر کیا کہ مقصود بالذکر نوع وحی سے متعلق احادیث کوذکر کرنا ہے اس لئے باب سے تعبیر فرمایا اور کتاب سے اس لئے تعبیر نہیں فرمایا کہ اس کو جنس قرار دے کر اس کے تحت میں انواع کا ذکر بعنوان ابواب مقصود نہ تھا غرض باب بمعنی نوع ہے۔

کَیْفَ: کیف کا استعمال متعدد معنوں میں ہوتا ہے۔۱:۔کیف استفہام حقیقی کے لئے آتا ہے جیسے کیف زید ،زید کیسا ہے۔۲:۔کبھی اظہار تعجب کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسے کیف تکفرون باللہ،تم اللہ سے کیوں کر کفر کرتے ہو۔۳:۔کبھی خبر واقع ہوتا ہے جیسے کیف انتَ، ۴:۔کبھی حال واقع ہوتا ہے جیسے کیف جاءزید ،زید کس حال میں آیا۔ **کَانَ**:۔افعال ناقصہ ہے جو زمانۂ ماضی پر دلالت کرتا ہے۔

بَدْءٌ:۔فَعْلٌ کے وزن پر،ب کے زبر، دال کے ساکن اور ہمزہ کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کے معنی ابتداء کے ہونگے اور اگر بغیر ہمزہ کے،دال کے پیش،واو پر تشدید 'بُدُوٌّ' بروزن فُعُوْلٌ و قُعُوْدٌ' پڑھیں تو اس کے معنی ظہور کے ہونگے یہاں دونوں معنی مراد ہوسکتے ہیں پس امام بخاری کی عبارت کا مطلب بر تقدیر اول یہ ہوگا 'حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کی ابتدا کیسے ہوئی' اور بر تقدیر ثانی معنی یہ ہوگا 'حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کا ظہور کیسے ہوا'۔بعض راویان بخاری نے بُدُوٌّ بمعنی ظہور اور بعض نے ابتدا روایت کیا مگر روایت اول یعنی بَدْء بالہمزہ بمعنی ابتدا معروف بین المشائخ ہے۔

الوحی:۔علامہ سید محمد مرتضی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ نے ''وحی'' کا لغوی معنی اس طرح بیان کیا ہے ،وحی کا معنی ہے:اشارہ کرنا،لکھنا،لکھا ہوا، پیغام پہنچانا،کلام خفی،ہر وہ چیز جس کو تم اپنے غیر کی طرف پہنچاؤ، یہ لفظ کا اصل معنی ہے پھر الہام کے معنی میں منحصر ہوگیا۔

[تاج العروس،ص ۳۸۵ / ج ۱۰۔نعمۃ الباری،ص ۱۱۶ / ج ۱]

فیوض الباری میں ہے وحی کے لغوی معنی تیزی کے ساتھ اشارہ کرنے کے ہیں الاعلام فی خفاء

یعنی انتہائی پوشیدگی کے ساتھ اپنے دلی منشاء کو ظاہر کر دینا۔[ص ۱۷/ج ۱] تقریبا ایسے ہی ملتے جلتے معانی بشیر القاری میں بھی لکھا ہے فرماتے ہیں ''الوحی''مخفی طور پر کسی چیز کو بتانا، بمعنی کتابت، مکتوب، الہام، امر، ایماء۔شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق صاحب امجدی فرماتے ہیں، وحی کے لغوی معنی چھ ہیں اشارہ کرنا، لکھنا، پیغام بھیجنا، دل میں بات ڈالنا، خفیہ بات کرنا، ذبح میں جلدی کرنا۔[ص ۱۷۹/ج ۱]

وحی کا شرعی معنی:۔ علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں۔

اصطلاح شرع میں وحی ان کلمات الٰہیہ کو کہتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء اور (رسولوں) کی طرف القاء فرماتا ہے، یہ القاء یا تو اس فرشتے کے واسطے سے ہوتا ہے جو دکھائی دے اور اس کا کلام سنائی دے جیسا کہ حضرت جبریل علیہ السلام کا کسی خاص صورت میں اللہ تعالیٰ کا کلام پہنچانا، یا بغیر مشاہدہ کے اللہ کا کلام سنائی دے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کا کلام سنا، یا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں کوئی بات ڈال دی جائے جیسے کہ حدیث میں ہے کہ جبریل نے یہ بات میرے دل میں ڈال دی۔

[المفردات، ص ۶۶۸/ج ۲]

حضرت علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۸۵ھ لکھتے ہیں۔

''ھو کلام اللہ المنزل علی نبی من انبیائہ یعنی وحی وہ کلام ہے جو اللہ تعالیٰ کے کسی نبی پر نازل کیا گیا ہو۔

وحی کے اقسام:۔ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے حق میں وحی تین قسم پر ہے (۱) بلا واسطۂ ملک، بنفس نفیس باری عز اسمہ کا کلام قدیم سننا جیسے شب معراج میں ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنا اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے کوہ طور پر سنا۔(۲) فرشتے کی وساطت سے کلام ربانی کا نزول ہو۔(۳) انبیاء کرام کے قلوب میں معانی کا القاء کیا جائے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''اِنَّ رُوْحَ الْاَمِین نَفَثَ فِی رُوْعِیْ'' جبریل امین نے میرے دل میں القاء فرمایا۔

وحی کی صورتیں:۔ وحی کی مندرجہ بالا تینوں قسمیں درج ذیل سات قسموں میں منحصر ہیں، جیسا کہ سہیلی

نے ذکر فرمایا (عینی) (۱) خواب میں ہو جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی کا حکم ہوا۔ (۲) قلب میں کسی معنی کا القاء کیا جانا (۳) صلصلۃ الجرس یعنی گھنٹی کی آواز کی صورت میں وحی کا نزول ہونا جیسا کہ اسی باب کی دوسری حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "احیانا یاتینی مثل صلصلۃ الجرس و ھو اشد علیَّ" (۴) فرشتہ کسی مرد کی شکل میں آ کر کلام ربانی پیش کرے جیسا کہ اسی حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا "وَ اَحیاناً یَتَمَثَّلُ لِی الملکُ رَجُلاً فَیُکلمُنِی فَاَعِیْ مَا یقُولُ" چنانچہ حضرت جبریل امین حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتے۔ (۵) حضرت جبریل امین علیہ السلام اپنی ملکوتی شکل میں حاضر ہوں کہ ان کے چھ سو بازو ہیں جن سے یاقوت اور موتی جھڑتے ہیں۔ (۶) حضرت اسرافیل علیہ السلام وحی لے کر حاضر ہوں جیسا کہ امام شعبی نے فرمایا کہ ابتداء تین سال حضرت اسرافیل علیہ السلام وحی لانے پر مقرر تھے پھر حضرت جبریل امین علیہ السلام کے سپرد یہ خدمت ہوئی، انھیں کی وساطت سے پورا قرآن نازل ہوا۔ (۷) اللہ عزوجل کا کلام قدیم سنیں، خواہ بیداری میں جیسا کہ شب معراج میں ہمارے حضور ﷺ نے سنا اور کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سماعت فرمایا، خواہ خواب میں جیسا کہ ترمذی شریف کی حدیث میں ہے "اَتَانِی رَبِّی فِی اَحسَنِ صُورَۃٍ فَقَالَ فِیما یَختَصِمُ الملأُ الاَعْلٰی "یعنی میرے پروردگار نے مجھ پر بہترین تجلی فرمائی پھر ارشاد فرمایا ملأ اعلیٰ کس بارے میں بحث کر رہے ہیں۔ پھر یہ سماع حجاب کے ساتھ ہوا ہو یا بلا حجاب۔ [نزھۃ القاری، ص ۱۷۹، ۱۸۰ / ج۔ بشیر القاری، ص ۱۹۔ عمدۃ القاری، ص ۷۸۔ ۷۹ / ج ۱ بحوالہ نعمۃ الباری، ۱۱۶ / ج ۱]

رسول اللہ ﷺ:۔ نبی و رسول کی تحقیق۔ حضرات علمائے دین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ نبی و رسول ہم معنی ہیں یا ان میں کچھ فرق ہے اس بارے میں علماء کے چار اقوال ہیں۔ **۱:**۔ دونوں ہم معنی ہے یعنی تساوی کی نسبت ہے۔ **۲:**۔ دونوں مغائر ہیں یعنی دونوں میں تباین ہے۔ **۳:**۔ ان دونوں

میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے یعنی نبی عام ہے اور رسول خاص۔ ۴:۔ان میں عام خاص من وجہ کی نسبت ہے اس میں ایک مادہ اجتماع کا اور دو مادے افتراق کے ہونگے۔مادۂ اجتماع جیسے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ،حضرت موسیٰ وعیسیٰ اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہم السلام وغیرہم رسولان عظام کہ یہ حضرات نبی ورسول دونوں ہیں ،اور دونوں مادے افتراق کی مثال ،حضرات رسل ملٰئکہ جبریل ومیکائیل اور عزائیل واسرافیل علیہم السلام کہ یہ فرشتے رسول تو ہیں مگر نبی نہیں ہیں اور جیسے حضرت زکریا ویحییٰ اور شعیا علیہم السلام کہ یہ حضرات نبی تو ہیں لیکن رسول نہیں ہیں۔ جو لوگ نبی ورسول کو ہم معنی کہتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم میں متعدد جگہ رسول بولا گیا ہے اور مراد انبیاء ہیں مثلا فرمایا ،وَ قَفَّیۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِہٖ بِالرُّسُلِ ۫ ۔۔۔یعنی موسیٰ کے بعد ہم نے مسلسل رسول بھیجے۔ حالانکہ نبی ورسول کے درمیان فرق کرنے والے جو معنی رسول کا بتاتے ہیں اس معنی کر ان میں کوئی رسول نہ تھے بلکہ سب ان میں نبی ہی تھے۔اور ارشاد ہے،لَا نُفَرِّقُ بَیۡنَ اَحَدٍ مِّنۡ رُّسُلِہٖ ۔ ان رسولوں کے درمیان ہم تفریق نہیں کرتے۔اور فرمایا وَ رُسُلًا قَدۡ قَصَصۡنٰہُمۡ عَلَیۡکَ مِنۡ قَبۡلُ وَ رُسُلًا لَّمۡ نَقۡصُصۡہُمۡ عَلَیۡکَ ؕ وَ کَلَّمَ اللّٰہُ مُوۡسٰی تَکۡلِیۡمًا ﴿۱۶۴﴾ۚ اور ان سے پہلے کچھ رسولوں کے واقعات ہم نے تم سے بیان فرمائے اور کچھ کے ابھی نہیں بیان فرمائے۔اور اللہ نے موسیٰ سے حقیقتا کلام فرمایا۔

ان آیتوں میں اور ان کے علاوہ کثیر آیتوں میں ''رسول'' سے مراد تمام انبیاء کرام ہیں خواہ بمعنی مصطلح رسول ہوں ،خواہ نہ ہوں۔وہ لوگ جو نبی ورسول کے درمیان مغایرت کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ وَّ لَا نَبِیٍّ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰۤی اَلۡقَی الشَّیۡطٰنُ فِیۡۤ اُمۡنِیَّتِہٖ ۚ ''یعنی تم سے پہلے جتنے نبی اور رسول ہم نے بھیجے سب کا یہ حال ہوا کہ ان کی تلاوت میں کبھی کبھی شیطان نے دخل دیا۔

اس آیت میں نبی پر رسول کا عطف ہے اور عطف دلیل مغایرت ہے اس لئے ان دونوں میں

مغایرت ہے۔

جولوگ نبی ورسول کے درمیان عموم وخصوص مطلق مانتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت اسماعیل اورحضرت موسیٰ علیہما السلام کے بارے میں فرمایا'' اِنَّہٗ کَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَ کَانَ رَسُوْلًا نَّبِیًّا ؁ یعنی بیشک وہ وعدہ کے سچے تھےاوررسول، نبی تھے۔

علاوہٗ ازیں حدیث میں ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا کہ انبیاء کی تعداد کتنی ہےفرمایاایک لاکھ چوبیس ہزار،عرض کیاان میں رسول کتنے ہیں ارشادفرمایا تین سو دس سے کچھ زائد۔اورایک روایت میں ہے تین سو پندرہ ،تیسری روایت میں ہے تین سو تیرہ ۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہررسول نبی ہےمگر ہر نبی رسول نہیں۔جس سے بہت واضح کہ نبی و رسول کے درمیان عموم وخصوص مطلق ہے۔اور جولوگ عموم خصوص من وجہ مانتے ہیں ان کی دلیل گذرچکی ہے کہ فرشتوں پرقرآن حکیم اوراحادیث میں رسول کا اطلاق آیاہے،حضرت علامہ عبد العزیز فرہادی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں''ان من المَلٰئکۃرُسُلاً قال اللہ تعالیٰ ، اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ ١،وَ ھُمْ الْمُقَرَّبُوْنَ اَلَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ الاَمْرَ و النھیَ اِلیٰ عَوَامِ المَلٰئِکَۃِوالیٰ اَنبیاء البشر ''یعنی فرشتوں میں سےبھی رسول ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہےاللہ چن لیتاہےملائکہ سےرسول اورانسانوں سےاور(رسول ملکی)اللہ کے وہ مقرب ہیں جواللہ کےامر ونہی کوعوام ملٰئکہ اورانبیاء بشرتک پہنچاتے ہیں۔[نبراس،ص ۴۲۵]

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں''مگر کسیکہ پسندمی کندوآں کس رسول می باشدخواہ ازجنس ملک مثل حضرت جبرئیل وخواہ ازجنس بشرمثل حضرت محمدوموسیٰ وعیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام''[تفسیرعزیزی،صفحہ ۲۰۵]

تفسیرجلالین،مدارک،بیضاوی ومظہری وغیرہا کتب تفسیرمیں ہےتفسیرجلالین کے الفاظ

یہ ہیں ''رُسلاً کجبرئیل و میکائیل و ابراھیم ومحمد وغیرھم'' رسول جیسے حضرت جبرئیل ومیکائیل و ابراہیم ومحمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعلیہم السلام ۔تفسیر مظہری میں ہے ''اعم من البشر والملٰئکۃ'' مدارک میں ہے ''رسل اللہ علیٰ ضربین ملک وبشر'' حضرت علامہ قاضی عیاض فرماتے ہیں۔

''اتفق ائمۃ المسلمین ان حکم المرسلین منھم ای من الملٰئکۃ حکم النبیین سواء فی العصمۃ وتعظیم الحرمۃ مما ذکرنا عصمتھم منہ و انھم فی حقوق الانبیاء والتبلیغ الیھم کالانبیاء'' یعنی ائمہ مسلمین کا اس پر اتفاق ہے کہ ملائکہ مرسلین کا حکم وہی ہے جو انبیاء کا ہے اور عصمت اور تعظیم حرمت میں برابر ہیں جیسے انبیاء بشری اپنی امتوں کو احکام خداوندی پہنچاتے ہیں، اسی طرح مرسلین ملائکہ انبیاء بشری کو اللہ کے احکام پہنچاتے ہیں اور مرسلین ملائکہ کو حقوق انبیاء حاصل ہے۔مگر ان پر نبی کا اطلاق کہیں نہیں تو معلوم ہوا کہ فرشتے رسول ہیں مگر نبی نہیں، جیسے حضرت زکریا، یحییٰ، شعیا وغیرہ نبی ہیں مگر رسول نہیں اور حضرت ابراہیم وحضرت موسیٰ وغیرہ رسول بھی ہیں اور نبی بھی ہیں تو ثابت ہوا کہ عموم خصوص من وجہ ہے۔

جو لوگ نبی اور رسول میں عموم خصوص مطلق مانتے ہیں وہ نبی کی تعریف یہ کرتے ہیں، **نبی:**۔ وہ بشر ہے جس کے پاس من جانب اللہ وحی آتی ہو خواہ صاحب شریعت جدیدہ ودین جدید ہو خواہ نہ ہو، اور **رسول** وہ نبی ہے جو صاحب شریعت جدیدہ ودین جدید ہو، اس تعریف پر فرشتے بمعنی مصطلح رسول نہ ہونگے ۔اطلاق کا جواب یہ لوگ یہ دیتے ہیں کہ یہ بمعنی لغوی ہے۔مگر اس تعریف پر یہ اعتراض وارد ہوگا کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام رسول نہ ہوں کہ شریعت جدیدہ یا دین جدید لے کر نہیں آئے بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے پابند تھے حالانکہ قرآن حکیم سے گذرا کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام رسول تھے ۔نیز گذرا کہ رسولوں کی تعداد تین سو تیرہ یا پندرہ تھی اور صحیفے کل ایک سو چار نازل ہوئے، دس صحیفے

حضرت آدم علیہ السلام پر، پچاس حضرت شیث علیہ السلام پر، تیس حضرت ادریس علیہ السلام پر، دس حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام پر، توریت حضرت موسیٰ علیہ السلام پر، زبور حضرت داؤد علیہ السلام پر، انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اور قرآن حکیم ساری کائنات کے رسول ہمارے حضور سرور دو جہاں محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا۔ اس کے مطابق صاحب کتاب صرف نو انبیاء کرام ہوئے اس لئے محققین نے یہی اختیار فرمایا ہے نبی ورسول کی مذکورہ تعریف جامع نہیں بلکہ جامع ومانع تعریف یہ ہے۔

نبی: ۔ وہ بشر ہے جس کی طرف وحی ربانی آتی ہو وہ تبلیغ کا مامور ہو یا نہ ہو۔

رسول: ۔ وہ ہے جس کے پاس وحی بھی آئے اور وہ تبلیغ کا بھی مامور ہو۔

رسول کی یہ تعریف فرشتوں پر بھی بلا تکلف صادق ہے، فرشتوں پر جو رسول کا اطلاق ہوا ہے اسے معنی لغوی کی طرف پھیرنا ظاہر کے خلاف ہے اس لئے نبی ورسول میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہی مناسب معلوم ہوتی ہے۔ [نزھۃ القاری وغیرہ]

ارشاد بخاری: ۔ وقول اللہ عزوجل ''اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ'' [النساء/۱۶۳]

(قول) کلام اور لفظ باعتبار اصل لغت حروف مبانی اور معانی میں سے ایک ایک حرف پر بھی بولے جاتے ہیں اور ایک سے زیادہ پر بھی، خواہ مفید ہو یا غیر مفید مگر ''قول'' مفید میں مشہور ہوا اور کلام مرکب میں اور لفظ اپنے اطلاق پر رہا۔ بعض کے نزدیک قول اس مرکب کو کہتے ہیں جس سے فائدۂ تامہ حاصل ہو اور کلام اس مرکب کو کہتے ہیں جس سے فائدۂ تامہ نہ حاصل ہو۔ اور بعض کے نزدیک قول وہ لفظ ہے جو زبان سے نکلے خواہ تام ہو یا ناقص، خواہ مفید ہو یا غیر مفید، قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ''مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ''، اور بعض کے نزدیک قول کا اصل استعمال مفرد میں ہے باقی میں خلاف اصل، کذا فی الرضی، اور قول مصدری معنی میں بھی آتا ہے دونوں تقدیر پر لفظی اور نفسی کو شامل، بقرینۂ اضافت الی اللہ یہاں پر قول سے مراد قول نفسی ہے لفظی نہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے لئے زبان نہیں جس سے قول لفظی صادر ہوتا ہے۔ [بشیر القاری]

اور فیوض الباری میں ہے (قول) ما ینطق بہ اللسان کو کہتے ہیں یعنی زبان سے جو بولی جائے ،قول کا اطلاق کلمہ ،کلام اور کلم پر آتا ہے خواہ وہ تام ہو یا ناقص ،اور مجازاً رائے اور اعتقاد کو بھی قول کہتے ہیں جیسے بولتے ہیں یقول فلاں ،یقول ابو حنیفہ ،یذھب الی قول مالک۔ یہاں قول کا لفظ اعتقاد یا رائے کے معنی میں مستعمل ہے ،کبھی قول کا اطلاق غیر نطق پر بھی آتا ہے ،ارشاد ربانی ہے۔۱۔ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ۝ [النحل/۴۰] جو چیز ہم چاہیں اس سے ہمارا فرمانا یہی ہوتا ہے کہ ہم فرمائیں ہوجا وہ فوراً ہوجاتی ہے۔۲۔ فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَآ اَتَیْنَا طَآىٕعِیْنَ ۝ [حم سجدہ/۱۱] تو اس سے اور زمین سے فرمایا دونوں حاضر ہو خوشی سے چاہے ناخوشی سے ،دونوں نے کہا ہم رغبت کے ساتھ حاضر ہوتے ہیں۔

ان دونوں آیتوں میں قول کا اطلاق غیر نطق پر آیا ہے کیوں کہ خدا زبان سے پاک ہے اور زمین کی زبان نہیں ہے ،خدا کا حکم فرمانا بے کیف ہے اور زمین نے اطاعت کا جو اقرار کیا وہ بھی بے نطق ہے [صفحہ ۷۴/ج۱]

قولہ تعالیٰ، اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ كَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّ النَّبِیّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ [النساء/ ۱۶۳۔] حضرت امام بخاری علیہ الرحمہ نے آغاز باب میں آیت کریمہ کا ایک حصہ بقدر ضرورت ذکر فرمایا ہے ،چونکہ ان کی عادت یہ ہے کہ وہ عنوان ہی میں حسب موقع ومحل کوئی آیت درج کردیتے ہیں جس کو ترجمۃ الباب سے مناسبت ہوتی ہے چنانچہ عنوان مذکورہ بالا ''باب کیف بدؤ الوحی'' کے ماتحت آیت متلوہ ذکر کی ہے ،انھوں نے اس آیت کریمہ کو سرنامۂ سخن اس لئے بنایا ہے کہ اس میں مضمون وحی کی جس قدر تفصیل ہے قرآن مجید کے کسی اور جز میں نہیں ،اہل کتاب نے وحی ہی سے متعلق سوال کیا تھا اس لئے تفصیلی طور پر اس رکوع میں اہل کتاب کے سوال کا ایسا تشفی بخش جواب دیا گیا کہ انھیں مجال انکار نہ ہوسکا ،پوری آیت اس طرح ہے، اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ كَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّ النَّبِیّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَوْحَیْنَآ اِلٰٓى

اِبۡرٰهِيۡمَ وَ اِسۡمٰعِيۡلَ وَ اِسۡحٰقَ وَ يَعۡقُوۡبَ وَ الۡاَسۡبَاطِ وَ عِيۡسٰى وَ اَيُّوۡبَ وَ يُوۡنُسَ وَ هٰرُوۡنَ وَ سُلَيۡمٰنَ‌ ۚ وَاٰتَيۡنَا دَاوٗدَ زَبُوۡرًا ﴿۱۶۳﴾ [النساء/۱۶۳]

یقیناہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی کی ہے جیسے کہ نوح (علیہ السلام) اوران کے بعد والے نبیوں کی طرف، اور ہم نے وحی کی ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق اور یعقوب اوران کی اولاد پراور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف وحی کی ہم نے داؤد (علیہ السلام) کو زبور عطا فرمائی۔

شان نزول: ۔تفسیر خزائن العرفان میں ہے کہ ''یہود ونصاریٰ نے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو یہ سوال کیا تھا کہ ان کے لئے آسمان سے یکبارگی کتاب نازل کی جائے تو وہ آپ کی نبوت پر ایمان لائیں گے اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اوران پر حجت قائم کی گئی کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوا بکثرت انبیاء ہیں جن میں سے گیارہ کے اسمائے شریفہ یہاں آیت میں بیان فرمائے گئے ہیں اہل کتاب ان سب کی نبوت کو مانتے ہیں، ان سب حضرات میں سے کسی پر یکبارگی کتاب نازل نہ ہوئی تو جب اس وجہ سے ان کی نبوت تسلیم کرنے میں اہل کتاب کو کچھ پس وپیش نہ ہوا تو سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت تسلیم کرنے میں کیا عذر ہے، اور مقصود رسولوں کے بھیجنے سے خلق کی ہدایت اور ان کو اللہ تعالیٰ کی توحید ومعرفت کا درس دینا اور ایمان کی تکمیل اور طریق عبادت کی تعلیم ہے، کتاب کے متفرق طور پر نازل ہونے سے یہ مقصد بروجہ اتم حاصل ہوتا ہے کہ تھوڑا تھوڑا بہ آسانی دلنشیں ہوتا چلا جاتا ہے اس حکمت کو نہ سمجھنا اور اعتراض کرنا کمال حماقت ہے۔

واضح ہو کہ قرآن مجید ایک ہی مرتبہ نازل نہیں ہوا بلکہ حسب ضرورت ومصلحت وقتاً فوقتاً تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا، اس کے برعکس حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توریت ایکبارگی نازل ہوئی، یہود نے یہی سوال کیا

تھا کہ آپ پر یکبارگی قرآن کیوں نہیں نازل ہوا اگر یکبارگی نازل ہوتا تو ہم ایمان لاتے ،تو اس پر آیت متلوہ میں ان کی جہالت وحماقت پر تنبیہ کی گئی کہ کتاب کا ایک بارگی نازل ہونا، یا نجما نجما اس کا اترنا یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے نبی کی نبوت میں کوئی نقص پیدا ہوسکے،وحی نازل فرمانا اللہ تعالیٰ کی سنت ہے اور جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح وغیرہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام پر وحی نازل کی تھی اسی طرح حضور اکرم سید عالم ﷺ پر بھی وحی نازل کی ہے پس جب ان انبیاء کرام کی نبوت میں تم کو تأمل نہیں ہے تو محمد ﷺ کی نبوت میں بھی تأمل نہیں ہونا چاہئے ان حضرات انبیاء کرام کی نبوت کو ماننا اور اِن کی نبوت سے انکار کرنا کمال درجہ کی حماقت اور حسد وعناد کا نتیجہ ہے۔

آیت کریمہ میں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر، وجہ:۔ آیت متلوہ میں حضرت نوح علیہ السلام کا نام خصوصیت سے اس لئے لیا گیا کہ وہ آدم ثانی ہیں، دوبارہ نسل انسانی انھیں سے چلی ہے کیوں کہ جب طوفان نوح آیا تھا تو اس وقت روئے زمین کے رہنے والے سب ہلاک ہوگئے تھے صرف کشتی میں سوار افراد باقی بچے تھے (عینی) حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ کشتی میں صرف آٹھ افراد تھے،حضرت نوح،ان کی بیوی،ان کے تین بیٹے سام،حام اور یافث اوران کی تین عورتیں۔ابن اسحاق کہتے ہیں کہ ان کی عورتوں کے علاوہ دس افراد تھے،مقاتل کہتے ہیں بہتر نفوس تھے۔حضرت ابن عباس نے فرمایا کل اسّی تھے۔ بہر حال جب یہ لوگ کشتی سے باہر آئے تو سوائے حضرت نوح علیہ السلام اوران کے تین فرزند اوران کی عورتوں کے سب ہی ہلاک ہوگئے۔اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کا بھی وصال ہوگیا صرف آپ کے تین فرزندوں سے نسل انسانی دوبارہ جاری ہوئی قرآن حکیم میں ہے ''وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبٰقِيْنَ ۝ [الصافات] یعنی اور ہم نے اسی کی اولاد باقی رکھی پس حضرت نوح علیہ السلام طوفان کے بعد سب سے

پہلے رسول قرار پائے اس لئے ان کا نام خصوصیت سے لیا گیا۔

اس کی ایک وجہ یہ بھی بتائی گئی ہے کہ نوح علیہ السلام ایسے پہلے رسول ہیں جن کو ان کی امت نے ستایا اور سخت تکلیفیں پہنچائیں، اور آپ کی قوم پر اس لئے عذاب آیا کہ اس نے آپ کی دعوت قبول نہیں کی آپ سے پیشتر ایسے رسول نہیں گذرے کہ دعوت قبول نہ کرنے کی بنا پر ان قوم پر عذاب نازل ہوا ہو اس لئے اس آیت میں ان کا نام خصوصیت سے لیا گیا۔

[فتح الباری وعمدۃ القاری بحوالہ فیوض الباری، ص ۷۵، ۷۶ / ج ۱]

ترجمۃ الباب سے حدیث کی مطابقت:۔ ترجمۃ الباب ہے "باب کیف بدؤ الوحی" اس عنوان کے ماتحت حضرت امام بخاری نے سب سے پہلے حدیث "انما الاعمال" لکھی ہے جس میں نیت وہجرت کا بیان ہے لیکن سوال پیدا ہوگا کہ آخر ترجمۃ الباب سے اسے کیا نسبت ہے یا حدیث مذکور کو عنوان باب سے کس طرح مطابقت ہے، ذکر تو ظہور وحی کا ہے مگر نیت اور ہجرت سے متعلق حدیث کیوں ذکر کردی، حالانکہ عنوان کا اقتضاء یہ ہے کہ اس کے ماتحت صرف وہ روایات درج ہوں جن کا تعلق وحی اور اس کے اسباب وعلل سے ہو مگر حضرت امام بخاری نے اس عنوان کے ماتحت جو چھ حدیثیں ذکر کی ہیں ان میں پہلی حدیث میں نیت اور ہجرت خالصہ کا بیان ہے اور باقی پانچ میں نزول وحی کی کیفیت، ابتدائے وحی، جبرئیل علیہ السلام سے قرآن کریم کا دور کرنا اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات کا بیان ہے ان پانچوں احادیث کی عنوان سے مناسبت تو ظاہر ہے مگر حدیث اول جس میں نیت اور ہجرت کا مضمون ہے وہ عنوان سے مطلقا میل نہیں کھاتا، کیوں کہ وحی اور نیت وہجرت میں کوئی جوڑ نہیں ہے، شارحین بخاری نے اس سوال کے متعدد جواب دیئے ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔حضرت علامہ خطابی نے فرمایا محض حصول برکت کے لئے ذکر کی ہے۔

۲۔بعض لوگوں نے کہا چونکہ یہ حدیث متواتر المعنی ہے اس لئے ذکر کردی۔

۳۔علامہ محمد اسماعیل تیمی نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حدیث کو خطبہ میں بیان کیا اس لئے حضرت امام بخاری نے بھی بطور خطبہ کتاب حدیث ہذا کو ذکر کردیا۔

۴۔بعض نے یہ توجیہ کی چونکہ اسلام میں اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اس لئے امام بخاری نے یہ حدیث بطور دیباچہ کتاب ذکر کرکے یہ بتایا ہے کہ نیت اصل ہے اور اعمال اس کی فرع ہیں اور یہ کتاب حدیث کی کتاب ہے،اس کا پڑھنا پڑھانا عبادت ہے اور عبادت میں نیت درست رکھنا ضروری ہے،خلاصہ یہ کہ امام بخاری نے،صحیح البخاری پڑھنے اور پڑھانے والوں کو نیت درست رکھنے کی طرف متوجہ کرنے کے لئے سب سے پہلے اس حدیث کو ذکر کیا۔

۵۔بعض علماء نے یہ توجیہ کی ہے کہ جیسے سورۂ فاتحہ قرآن کریم کا خلاصہ ہے اسی طرح یہ حدیث بھی احادیث نبویہ کا خلاصہ ہے،اس لئے حضرت امام نے سب سے پہلے اسی حدیث کو لکھ دیا۔

۶۔ بخاری کی تالیف کا مقصود وحی سنت کو جمع کرنا ہے اس لئے وحی کا باب مقرر کیا اور وحی سے چونکہ شرعی اعمال بیان ہوتے ہیں اس لئے اس باب میں سب سے پہلے حدیث اعمال ذکر کی ہے۔

۷۔سب سے عمدہ توجیہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ امام بخاری کے لئے اس حدیث کو یہاں لانے کا محرک وہی انداز فکر ہے جو اس عنوان کے ماتحت بیان کی ہوئی دیگر روایات میں ہورہا ہے،یعنی وحی کے تعارف کے لئے اس ہستی مقدس کا تعارف جن پر وحی نازل ہورہی ہے،اللہ تعالیٰ نبوت کے لئے ہر کہ ومہ کا انتخاب نہیں فرماتا ہے بلکہ اس کو منتخب فرماتا ہے جس میں نبوت کی سزاوری کے لئے فطری طور پر صلاحیتیں ہوتی ہیں

،چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ جو افراد نبی بنائے گئے وہ قبل نبوت بھی کبائر وصغائر سے پاک وصاف اور اخلاق حسنہ سے متصف رہے۔اب ظاہر ہے کہ تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہے تو نیک نیتی بجائے خود ایک اعلیٰ درجہ کی صفت حسنہ ہوئی پس حضرت امام بخاری نے اس حدیث کو ذکر کر کے نبی کریم کی اس صفت حسنہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ نبی کریم کے تمام افعال واعمال، اخلاق وکردار خلوص نیت پر مبنی ہوتے ہیں۔ یہ نہیں ہوتا کہ وہ دنیاوی منفعت یا مادی جاہ واقتدار کی غرض پورا کرنے کے لئے حسن اخلاق اور نیک کرداری کا مظاہرہ کرے،لہٰذا مبادیات وحی میں نیت کی درستگی سب سے مقدم ہے۔

۸:۔اس حدیث میں ہجرت الی اللہ کا بھی ذکر ہے اور عنوان کا مقصود بھی اول شان رسالت کو بیان کرنا ہے یعنی وحی کا آغاز کیسے ہوا،تو حضور اکرم ﷺ پر وحی کی ابتدا ہجرت الی اللہ سے ہوگی،نزول وحی سے قبل آپ سب کو چھوڑ کر غار حرا میں تشریف لے جاتے اور مناجات میں مشغول رہتے تو غار حرا میں خلوت فرمانا اور اللہ عزوجل کی طرف متوجہ ہونا (ہجرت کرنا) حضور پرنور ﷺ کے حق میں مقدمۂ نبوت بنا تا آنکہ وحی کا آغاز ہوگیا پس حدیث اعمال کو ترجمۃ الباب سے مناسبت یہ ہے کہ اس میں ترجمۃ الباب کا مقدمہ مذکور ہے۔[فیوض الباری،ص۷۶،۷۷/ج۱]

کلمات الحدیث:۔ ”حَدَّثَنَا الحمَیدِیُّ قَالَ حَدَّثَنَا سُفیَانُ قَالَ حَدَّثَنَا یَحیٰی بنُ سَعِیدٍ الانصَارِیُّ قَالَ اَخبَرَنِی مُحَمَّدُبنُ اِبرَاھِیمَ التَّیمِیُّ اَنَّه سَمِعَ عَلقَمَةَبنَ وَقَّاصٍ اللَّیثِیّ یَقُولُ سَمِعتُ عُمَرَبنَ الخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنه عَلَی المِنبَرِیَقُولُ سَمِعتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ یَقُولُ اِنَّمَا الاَعمَالُ بِالنِّیاتِ وَاِنَّمَا لِامرِءٍ مَا نَوٰی فَمَن کَانَت هِجرَتُه اِلٰی دُنیَا یُصِیبُهَا اَواِلٰی اِمرَأَةٍ یَنکِحُهَا فَهِجرَتُه اِلٰی

مَاهَاجَرَاِلَیْہِ" **ترجمہ**:۔(امام بخاری فرماتے ہیں کہ) حدیث بیان کی ہم سے حمیدی نے، انھوں نے کہا کہ حدیث بیان کی ہم سے سفیان نے، انھوں نے کہا کہ حدیث بیان کی ہم سے یحییٰ بن سعید انصاری نے، انھوں نے کہا مجھ کو خبر دی محمد بن ابراہیم تیمی نے کہ انھوں نے علقمہ بن وقاص لیثی کو سنا کہتے تھے میں عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سنا منبر پر فرماتے ہوئے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا کہ کل اعمال کے ثواب کا مدار نیک نیتوں پر ہے اور بیشک ہر آدمی کے لئے اس کی نیت کے مطابق ثواب ہے پس جس کی ہجرت دنیا حاصل کرنے کی ہو یا کسی عورت سے نکاح کرنے کی ہو تو اس کی ہجرت اسی کے لئے ہوگی جس کے لئے کی ہے۔

اَسْمَاءُالرِّجَال:۔اس حدیث پاک کے رجال میں ،حمیدی،سفیان،یحییٰ بن سعید انصاری،محمد بن ابراہیم تیمی،علقمہ بن وقاص لیثی اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں ذیل میں ان سب کا مختصر تعارف پیش ہے۔

(الحمیدی) حمید بن اسامہ کی طرف نسبت ہے جو ان کی چھٹی پشت کے جد اعلیٰ ہیں، ان کی کنیت ابو بکر اور نام عبداللہ بن زبیر ہے پورا نام ابو بکر عبداللہ بن زبیر القرشی الاسدی ہے بمقام مکہ معظّمہ ۲۱۹ھ میں وفات پائی۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ ہیں ان کے ہمراہ مصر گئے جب انھوں نے وصال فرمایا تو مکہ معظّمہ واپس آ گئے تھے۔صحاح ستہ میں عبداللہ بن زبیر نام کے صرف تین راوی ہیں ایک تو یہی عبداللہ بن زبیر حمیدی ہیں جو امام بخاری کے شیخ ہیں دوسرے عبداللہ بن زبیر حمیدی صحابی ہیں اور تیسرے عبداللہ بن زبیر بصری ہیں، ان سے ابن ماجہ نے اپنی سنن میں روایت کی ہے اور امام ترمذی نے شمائل میں ،اور امام ابو داؤد ونسائی نے بھی روایت کی ہے اور امام مسلم نے بھی صحیح مسلم کے مقدمہ میں ان کی ایک

حدیث روایت کی ہے۔صحابہ میں اس نام کے صرف ایک وہی صاحب ہیں یعنی عبداللہ بن زبیر بن مطلب بن ہاشم۔

(سفیان) یہ سفیان بن عیینہ ہیں پورا نام ابومحمد سفیان بن عیینہ بن میمون ہلالی ہے،حدیث وفقہ اور فتاوی میں امام جلیل ہیں،حضرت امام شافعی کے مشائخ میں سے ہیں ۱۰۷ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے،اسی وجہ سے زیادہ تابعین کرام کی صحبت پائی اوران سے حدیثیں سنیں،ان کے مشائخ میں مالک بن انس،ایوب سختیانی،ابان بن تغلب،ثور بن یزید حمصی،جابر بن یزید جعفی،ابوالزناد،ابن ابی لیلیٰ،محمد بن سائب کلبی اور عبداللہ بن کثیر مکی وغیرہم ہیں اوران سے روایت کرنے والے،اور سماع حدیث کرنے والے کی تعداد بھی بے شمار ہے جن میں سفیان ثوری،عبداللہ ابن مبارک،محمد بن ادریس شافعی،امام احمد بن حنبل،علی ابن مدینی اور یحییٰ بن معین جیسے اجلۂ فقہاء ومحدثین ہیں غرضیکہ بہت بڑے محدث،فقیہ اور نقاد رواۃ حدیث گذرے ہیں،صحاح ستہ وغیرہ کتب احادیث میں آپ کی روایات موجود ہیں آخری عمر میں مکہ معظّمہ تشریف لے گئے اور وہیں اکانوے سال کی عمر میں یکم رجب ۱۹۸ھ میں وصال فرمایا۔اور کوہ حجون میں سپرد خاک ہوئے۔

(یحییٰ بن سعید الانصاری) انصاری،انصار کی طرف نسبت ہے اور انصار ناصر یا نصیر کی جمع ہے مگر معنئ جمعیت مراد نہیں،قبیلۂ اوس اور خزرج کا اسلامی لقب ہے اسی واسطے یائے نسبتی لاحق ہوجاتی ہے ورنہ جمع کے ساتھ یائے نسبت کا لحوق درست نہیں،یحییٰ بن سعید مدنی مشہور تابعی اور ائمۂ مسلمین سے ہیں بڑے متقی پرہیزگار اور زاہد گذرے ہیں فقہ وحدیث کے مشہور امام تھے،حضرت انس ابن مالک اور حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہما وغیرہم سے سماع حدیث کی ہے اوران سے ہشام بن عروہ،مالک بن انس،شعبہ،ثوری ابن عیینہ اور عبداللہ ابن مبارک وغیرہم نے روایت کی ہیں بنی امیہ کے دور میں مدینہ طیبہ کے والی رہے پھر خلیفہ منصور نے عراق بلاکر مقام ہاشمیہ میں عہدۂ قضا پر مامور کیا تھا اور وہیں ۱۴۳ھ یا

۱۴۴ھ میں وفات پائی، کتب حدیث میں اس نام کے راوی سولہ ہیں۔

[اکمال فی اسماء الرجال/ بشیر القاری]

(محمد بن ابراھیم التیمی) تیم کی طرف نسبت ہے اور تیم بہت سے قبیلوں کا نام ہے ان میں ایک تیم قریش بھی ہے یہاں پر اسی کی طرف نسبت ہے، کنیت ابوعبداللہ تھی، اور لقب قرشی تیمی مدنی تھا پورا نام محمد بن ابراہیم القرشی التیمی ہے شجرۂ نسب یہ ہے محمد بن ابراہیم بن الحارث بن خالد بن صخر بن عامر بن کعب بن سعد بن تیم بن مرۃ'' آپ کی والدہ کا نام حفصہ بنت ابی یحییٰ تھا اور آپ کے جد کریم حارث بن خالد مہاجرین اولین میں سے ہیں، تابعی مدنی ہیں، مدینہ کے علما وفقہاء میں شمار ہوتا ہے، حضرت سالم بن عبد اللہ بن عمر فاروق اور حضرت نافع مدنی کی صحبت رہی، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا ہے حضرت علقمہ بن وقاص اور ابوسلمہ سے سماع حدیث کیا ہے اور بہت سے بزرگوں سے روایت کی ہے، ان سے اسامہ بن زید اللیثی، حمید بن قیس الاعرج، سعد بن سعید انصاری، عبداللہ بن طاؤس، عبدربہ بن سعید الانصاری، عبدالرحمٰن اوزاعی، محمد بن مسلم بن شہاب الزہری، ان کے فرزند موسیٰ بن محمد بن ابراہیم التیمی وغیرہم خلق کثیر نے روایت کی ہیں امام ترمذی نے ان کی ایک حدیث ''رکعتی الفجر'' کے بیان میں ذکر کی ہے۔ ۱۲۰ھ میں وفات پائی۔ یحییٰ بن معین، ابوحاتم رازی اور امام نسائی نے ثقہ قرار دیا ہے البتہ امام احمد فرماتے ہیں کہ ان کی حدیث میں کچھ ہے وہ احادیث منکرہ روایت کرتے ہیں، علامہ ابن حجر عسقلانی نے کہا ثقہ ہیں ان کے لئے بہت سے افراد ہیں اسی طرح **(علقمہ بن وقاص اللیثی)** ابو عمرو ابن مندہ نے انھیں صحابہ میں شمار کیا ہے، اکمال فی اسماء الرجال میں شیخ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی فہرست صحابہ میں شمار کرتے ہوئے کہا ہے کہ علقمہ بن وقاص لیثی عہد نبوی میں پیدا ہوئے اور خندق میں حاضر رہے ان

سے ان کے فرزند عمرو ،عبداللہ ،اوردوسرے علما جیسے زہری ،ابن ابی ملیکہ ،عمرو بن یحییٰ مازنی اور محمد بن ابراہیم تیمی وغیرہم نے روایت کی ہیں اور انھوں نے حضرت عمر،حضرت عائشہ صدیقہ، بلال بن حارث المزنی،عمرو بن العاص،ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی ہےلیکن ابونعیم نے کہا ہے کہ ابن مندہ سے وہم ہوگیا ہے کہ جمہور علماء نے ان کا ذکر تابعین میں کیا ہے ۔لیث بن بکر کی جانب نسبت ہے ابوواقد کنیت ہے، ان کا شجرۂ نسب کچھ اس طرح ہے علقمۃ بن وقاص بن محصن بن کلدۃ بن عبد یالیل بن طریف بن عتوارۃ بن عامر بن مالک بن لیث بن بکر بن عبدمناۃ بن کنانۃ اللیثی ،حسب بیان امام واقدی عہد نبوی میں ولادت ہوئی اور عبدالملک بن مروان کے عہد حکومت میں بمقام مدینہ منورہ وفات پائی،صحاح ستہ میں علقمہ بن وقاص نام کا بجزان کے اور کوئی راوی نہیں،امام نسائی نے کہا ہے کہ ثقہ ہیں۔

[سیر اعلام النبلاء،الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ،تہذیب الکمال]

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ:۔ صحیح البخاری شریف کی حدیث اول کے اول راوی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں آپ عام فیل کے تیرہ برس بعد پیدا ہوئے ۲۶ یا،۲۸ / ذی الحجہ ۲۳ھ بروز چہارشنبہ یا پنجشنبہ بمقام مدینہ منورہ،مسجد نبوی محراب النبی مصلاء مصطفےٰ پر نماز فجر پڑھاتے ہوئے شہید کئے گئے مغیرہ بن شعبہ کے یہودی غلام ابولؤلؤ نے خنجر کا وار کیا جس سے آپ کی شہادت رونما ہوئی آپ کی شہادت پر درو دیوار سے اسلام کے رونے کی آواز آتی تھی کہ آج اسلام ومسلمین یتیم ہو گئے، ۶۳ سال کی عمر میں وصال فرمایا،حضرت صہیب نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اورحضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ اقدس میں مدفون ہوئے ،نام شریف عمر بن خطاب ابن نفیل ہے آپ کی کنیت ابوحفص اور لقب فاروق اعظم اور خطاب امیر المومنین ہے۔قدیم الاسلام ہیں چالیس مردوں اور

گیارہ عورتوں یا انتالیس مردوں اور تیرہ عورتوں، یا پینتالیس مردوں اور گیارہ عورتوں کے بعد اسلام لائے، آپ کے اسلام لانے کا واقعہ بہت مشہور ہے حضرت جبرئیل امین نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوکر عرض کیا' یارسول اللہ آسمان والے حضرت عمر کے اسلام لانے پر خوشیاں منارہے ہیں۔ خلیفۂ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد آپ ہی کے انتخاب سے جمادی الاخریٰ ۱۳ھ میں مسند خلافت پر رونق افروز ہوئے خلافت کی طرح آپ کا مرتبہ وفضل بھی، صدیقی مرتبہ کے بعد ہے دس سال چند ماہ خلافت کی خدمات انجام دیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ روزانہ گیارہ لقمے سے زیادہ طعام تناول نہ فرماتے تھے، ایک مرتبہ ام المومنین حضرت حفصہ اور حضرت عبد اللہ وغیرہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حاضر خدمت ہوکر عرض کیا کہ اگر آپ عمدہ غذا استعمال فرمائیں تو امور خلافت کی انجام دہی میں آپ کو قوت پہنچا ئیگی فرمایا کیا تم سب کی یہی رائے ہے؟ عرض کیا جی ہاں ،فرمایا تمھاری یہ خیر خواہی مجھے معلوم ہوئی مگر میں نے سید عالم ﷺ اور ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایسے راستے پر چھوڑا ہے کہ اگر میں اس راستہ کو ترک کردوں تو منزل پر مجھے دونوں دستیاب نہ ہوسکیں گے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ آپ کے کرتے میں دونوں شانوں کے درمیان چار پیوند لگے ہوئے تھے۔ ابو عثمان نہدی فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کو ایک تہبند پہنے دیکھا جس میں چمڑے کا پیوند لگا ہوا تھا۔ جب شام کے ممالک فتح ہوئے اور آپ نے ان ممالک کو اپنے مبارک قدوم سے سرفراز فرمایا وہاں کے امراء وعلماء آپ کے استقبال کے لئے حاضر ہوئے اس وقت آپ اپنے شتر پر سوار تھے آپ کے خاص خدام نے عرض کیا، اے امیر المومنین شام کے اکابر واشراف حضور کی ملاقات کے لئے آرہے ہیں مناسب ہوگا کہ حضور گھوڑے پر سوار ہوجائیں تاکہ آپ کی شوکت وہیبت ان کے قلوب

میں اجاگر ہو فرمایا اس خیال میں نہ رہئے کام بنانے والا اور ہی ہے۔ایک مرتبہ قیصر روم کا قاصد مدینہ شریف میں آکر امیر المومنین کو تلاش کرنے لگا تا کہ بادشاہ کا پیغام آپ کی خدمت میں عرض کرے لوگوں نے بتایا کہ امیر المومنین مسجد میں ہیں چنانچہ وہ مسجد میں آیا دیکھا کہ ایک صاحب پیوند زدہ موٹے کپڑے پہنے ایک اینٹ پر سر رکھے لیٹے ہیں یہ دیکھ کر باہر آیا اور لوگوں سے امیر المومنین کا پتہ دریافت کرنے لگا لوگوں نے کہا کہ مسجد میں تشریف فرما ہیں کہنے لگا کہ مسجد میں سوائے ایک دلق پوش کے اور کوئی نہیں، صحابۂ کرام نے فرمایا وہی دلق پوش ہمارا امیر وخلیفہ ہے قیصر کا قاصد پھر مسجد میں آیا اور غور سے امیر المومنین کے چہرۂ مبارک کو دیکھنے لگا دل میں ہیبت ومحبت پیدا ہوئی اور آپ کی حقانیت کا پرتو اس کے دل میں جلوہ گر ہو گیا۔حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ فاروق اعظم تشریف لا رہے ہیں اور دونوں شانوں پر پانی کا مشکیزہ رکھا ہے میں نے عرض کیا اے امیر المومنین آپ کے لئے یہ زیبا نہیں جوابا فرمایا کہ جس وقت چند وفد میرے پاس مطیع ومنقاد ہو کر آئے تو میرے نفس میں عجب پیدا ہو گیا میں نے چاہا کہ اس طرح کسر نفسی کروں تا کہ وہ پیدا شدہ عجب زائل ہو جائے پھر اس پانی کے مشکیزہ کو کسی انصاری خاتون کے مکان پر جا کر ان کے برتن میں انڈیل دیا۔حضرت عامر بن ربیعہ فرماتے ہیں میں امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں تھا جب بعزم حج مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے آمد ورفت میں امراء وخلفاء کی طرح آپ کے لئے خیمہ نہ نصب کیا گیا، راہ میں جہاں قیام فرماتے اپنے کپڑے اور بستر کسی درخت پر ڈال کر سایہ کر لیتے ،ایک روز بر سر منبر وعظ فرما رہے تھے مہر کا مسئلہ زیر بحث آیا آپ نے فرمایا مہر گراں نہ کئے جائیں اور چالیس اوقیہ سے زیادہ مہر مقرر نہ کیا جائے (ایک اوقیہ چالیس درہم کا تھا اور دس درہم آج کل کے حساب سے دو روپیہ بارہ آنے ۹ عدد سہی ۳ بٹے ۵ پائی کے ہوتے ہیں) اس لئے کہ سید عالم ﷺ نے

اپنی ازواج کا مہر چالیس سے زیادہ مقرر نہ فرمایا لہٰذا جو کوئی آج کی تاریخ سے اس سے زیادہ مہر مقرر کریگا تو وہ زیادتی بیت المال میں داخل کر لی جائیگی، عورتوں کی صف سے ایک ضعیفہ نے اٹھ کر عرض کیا اے امیر المومنین ایسا کہنا آپ کے منصب عالی کے لائق نہیں، مہر اللہ تعالیٰ نے عورت کا حق قرار دیا ہے وہ اس کے لئے حلال ہے اس کا کوئی حصہ عورت سے کس طرح لیا جاسکتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے '' وَّ اٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ '' [النساء/۲۰] آپ نے فوراً بے دریغ داد انصاف دی اور فرمایا ''امرأة اصابتْ و رَجُلٌ اَخطأ'' عورت نے درست کہا اور مرد خطا کر گیا، پھر منبر ہی پر اعلان فرمادیا کہ یہ عورت صحیح کہتی ہے مجھ سے لغزش ہوئی جو چاہو مہر مقرر کرو اور فرمایا ''اَللّٰهمَ اغْفِرلی، کلُّ انسانٍ افقہ مِنْ عمرَ'' اے اللہ عمر کو بخش دے، ہر انسان عمر سے زیادہ سمجھدار ہے۔

ابو نعیم وغیرہ محدثین نے معتبر طریقے سے روایت کیا کہ امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد نبوی میں جمعہ کا خطبہ پڑھ رہے تھے اثناء خطبہ میں تین مرتبہ فرمایا ''یا ساریۃ الجبلَ'' یعنی اے ساریہ پہاڑ کی آڑ لو، حاضرین متحیر و متعجب ہوئے کہ اثناء خطبہ میں یہ ندا کیسی، بعد کو آپ سے دریافت کیا کہ آج آپ نے خطبہ فرماتے فرماتے یہ ندا کیسی فرمائی ارشاد فرمایا کہ اسلامی لشکر جو ملک عجم میں مقام نہاوند پر کفار کے ساتھ مصروف جنگ ہے میں نے دیکھا کہ کفار اس کو دونوں طرف سے گھیر کر مارنا چاہتے ہیں، اس حالت کو دیکھ کر میں نے امیر لشکر کو پکار کر کہدیا کہ اے ساریہ پہاڑ کی آڑ لو۔ یہ سن کر لوگ منتظر رہے کہ لشکر سے کوئی خبر آئے تو تفصیلی حالت دریافت ہو، کچھ عرصے کے بعد حضرت ساریہ کا قاصد خط لیکر آیا اس میں تحریر تھا کہ جمعہ کے روز دشمن سے مقابلہ ہو رہا تھا خاص نماز جمعہ کے وقت ہم نے بایں الفاظ ندا سنی ''یَا ساریۃُ اَلجبلَ'' یہ سن کر ہم پہاڑ سے مل گئے اور ہمیں دشمن پر غلبہ حاصل ہوا اور دشمن کو ہزیمت ہوئی۔۔۔ ابو الشیخ نے کتاب

العصمة ‘میں تحریر کیا ہے کہ جب مصر فتح ہوا تو ایک روز باشندگان مصر نے حضرت عمرو بن العاص کے پاس حاضر ہوکر عرض کیا جو اس وقت خلافت فاروقی کی جانب سے مصر کے گورنر تھے، کہ اے ہمارے امیر دریائے نیل کی ایک رسم ہے جب تک اس کو نہ کیا جائے دریا جاری نہیں رہتا انھوں نے دریافت فرمایا وہ رسم کیا ہے؟ عرض کیا کہ اس مہینہ کی بارہ تاریخ میں ہم ایک کنواری لڑکی کو اس کے والدین سے لیکر عمدہ لباس اور نفیس زیور سے سجا کر دریائے نیل میں ڈالتے ہیں حضرت عمرو بن العاص نے فرمایا کہ اسلام میں ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا اور اسلام پرانی واہیات رسموں کو مٹاتا ہے پس وہ رسم موقوف رکھی گئی، ادھر دریا کا پاٹ کم ہونے لگا اور روانی میں کمی محسوس ہونے لگی یہاں تک کہ لوگوں نے وہاں سے ترک سکونت کا قصد کیا یہ دیکھ کر حضرت عمرو بن العاص نے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں تمام واقعہ لکھ بھیجا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ تم نے ٹھیک کیا بیشک اسلام ایسی رسموں کو مٹاتا ہے میرے اس مراسلہ میں ایک خط ہے اس کو دریائے نیل میں ڈال دینا، حضرت عمرو بن عاص کے پاس جب امیر المومنین کا مراسلہ پہنچا اور انھوں نے وہ خط اس میں سے نکالا تو اس میں لکھا تھا ’’از جانب بندۂ خدا، عمر امیر المومنین بسوئے نیل مصر۔ بعد از حمد وصلوٰۃ آنکہ اگر تو خود جاری ہے تو جاری نہ رہ، اور اگر اللہ تعالیٰ نے تجھے جاری فرمایا ہے تو اللہ واحد قہار سے درخواست کرتا ہوں کہ تجھے جاری فرمادے‘‘ حضرت عمرو بن عاص نے وہ خط دریائے نیل میں ڈال دیا ایک شب میں سولہ گز پانی بڑھ گیا اور بھینٹ چڑھانے کی رسم مصر سے بالکل موقوف ہوگئی۔ غرضیکہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پاک ﷺ کی صحبت کی برکت سے بیشمار برکتوں اور فضائل وکمالات سے سرفراز فرمایا تھا۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ۵۳۷ حدیثیں مروی ہیں، صحابہ میں عمر بن خطاب نام کے اور کوئی صاحب نہیں البتہ

راویان حدیث میں اس نام کے چھ حضرات ہیں (۱) کوفی (۲) رابسی (۳) اسکندری (۴) عنبری (۵) سجستانی (٦) سدسی بصری۔ حضرات صحابہ میں عُمر نام کے ۲۳ اور حضرات ہیں اور عمرو نام کے دوسو سے زائد صحابۂ کرام ہیں۔ عُمر اور عَمر و لکھنے میں یکساں ہی ہے اس لئے امتیاز کے لئے عمرو کے ساتھ (و) لکھا جاتا ہے اور عمر بغیر واو کے، جو واو کے ساتھ لکھا ہو وہ عمرو ہے عین کے فتحہ اور میم کے جزم کے ساتھ۔ اور جو عمر بغیر واو کے ہے یہ عین کے ضمہ اور میم کے فتحہ ساتھ ہے۔۔۔ اس پر اہلسنت کا اجماع ہے کہ بعد انبیاء تمام امت سے افضل حضرت صدیق اکبر ہیں پھر حضرت فاروق اعظم پھر حضرت عثمان غنی پھر حضرت علی مرتضیٰ پھر عشرۂ مبشرہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ [بشیر القاری/نزہۃ القاری وغیرہ]

حدیث ''اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ'' کی فنی حیثیت اور تخریجات

یہ حدیث اصطلاح اصول حدیث کے اعتبار سے غریب بھی ہے اور مشہور بھی، متواتر نہیں ہے کیوں کہ اس کا مدار یحییٰ بن سعید پر ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت عمر کے سوا اس کو کسی اور نے روایت نہیں کیا اسی طرح حضرت عمر سے علقمہ کے سوا اس کو کسی اور نے روایت نہیں کیا، یوں ہی علقمہ سے صرف محمد بن ابراہیم نے روایت کیا اور محمد بن ابراہیم سے صرف یحییٰ بن سعید نے روایت کیا ہے البتہ ان سے اس حدیث کو بہت لوگوں نے روایت کیا ہے پس سند کے اول راویوں کے اعتبار سے یہ حدیث غریب اور فرد ہے اور سند کے آخری راوی کے اعتبار سے یہ حدیث مشہور ہے۔ اور ابن مندہ کی تصریح کے مطابق یہ حدیث علاوہ حضرت عمر کے، حضرت علی، حضرت سعد، حضرت ابوسعید خدری، عبداللہ ابن مسعود، عبداللہ بن عمر و انس، ابن عباس، ومعاویہ، ابو ہریرہ، عبادہ ابن صامت، عتبہ بن عبدالاسلمی، ہزال بن سوید، عُقبہ بن عامر، حضرت جابر، ابوذر، عتبہ ابن منذر، اور عُقبہ ابن مسلم رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے بھی مروی ہے، ابن مندہ کا یہ قول

اگر صحیح ہےتو یہ حدیث متواتر ہے، ورنہ غریب یا مشہور، جیسا کہ گذرا۔

[عمدۃ القاری، ص ۷۴ / ج ۱، بحوالہ نعمۃ الباری، ص ۱۱۸ / ج ۱، نزہۃ القاری، ص ۱۶۸ / ج ۱]

اس حدیث کو حضرت امام بخاری علیہ الرحمہ نے اس جگہ کے علاوہ چھ مقامات پر اور بالفاظ مختلفہ بیان فرمایا ہے، چنانچہ **کتاب الایمان** کے **باب ما جاءَ انَّ الاعمال بِالنیۃ** میں اپنے شیخ عبداللہ بن مسلمہ قعنبی سے، **کتاب العتق** کے **باب الخطاء والنسیان فی العتاقہ** میں اپنے شیخ محمد بن کثیر سے، پندرہویں پارے کے **باب ھجرۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و اصحابہ الی المدینۃ** میں اپنے شیخ مسدد سے، **کتاب النکاح** کے **باب من ھاجر او عمل خیراً لتزویج امرأۃ فلہ مَا نَویٰ** میں اپنے شیخ یحییٰ بن قزعۃ سے، **کتاب الاَیمان والنذر** کے **باب النیۃ فی الاَیمان** میں اپنے شیخ قتیبہ بن سعید سے اور **کتاب الحیل** کے پہلے باب میں اپنے شیخ ابو النعمان محمد بن الفضل سے روایت کی ہے لیکن ان تمام روایات میں "فَمَنْ کَانَتْ ھجرتُہٗ اِلی اللہِ و رسولِہٖ فھجرتُہٗ الی اللہِ و رسولِہٖ" موجود ہے مگر پہلی روایت جو **باب بدؤ الوحی** میں اپنے شیخ حمیدی سے روایت کی ہے اس میں حدیث پاک کا یہ حصہ نہیں ہے پس یہ دریافت طلب امر ہے کہ اس روایت کا اختصار امام بخاری علیہ الرحمہ نے فرمایا، یا کسی دوسرے راوی نے ، اگر امام بخاری نے اختصار کیا ہے تو کس مصلحت سے اختصار کیا اور اگر کسی دوسرے راوی نے اختصار کیا ہے تو امام بخاری نے مختصر روایت کو ابتداء میں کیوں اختیار کیا، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ متعین نہیں ہے کہ اختصار کس کی جانب سے ہے اگر امام بخاری کی جانب سے ہے تو اس سے ان کا مقصود اپنے مسلک کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ اثنائے حدیث میں بھی اختصار جائز ہے جس طرح کہ اول و آخر میں جائز ہے اور اگر اختصار کسی دوسرے راوی سے صادر ہوا ہے تو ابتداء میں اس مختصر روایت کے پیش کرنے سے ایک خاص نکتہ کا

افادہ منظور ہے وہ یہ کہ اس مختصر روایت کو ترجمۃ الباب کے ساتھ ایک مخصوص مناسبت حاصل ہے جو دوسری روایات میں موجود نہیں، کہ اس مختصر روایت کو اپنے شیخ حمیدی سے نقل کیا جو مکی ہیں اور وحی کی ابتداء بھی مکہ معظّمہ سے ہوئی تھی بخلاف دیگر مشائخ مذکورہ کے کہ ان میں ایک بھی مکی نہیں، باعتبار نزول وحی مدینہ طیبہ کو چونکہ مرتبہ ثانی حاصل ہے نظر برآں اسی باب میں ثانی روایت ایسی پیش فرمائی جس کی سند میں امام بخاری علیہ الرحمہ کے ثانی شیخ مدنی ہیں یعنی امام مالک رضی اللہ عنہ،فَلِلّٰہِ دُرُّہٗ۔[بشیر القاری]

غرض کہ اس حدیث پاک کو حضرت امام بخاری نے سات مقامات پر بیان کیا ہے،اس کے علاوہ بہت سارے محدثین نے اپنی اپنی کتابوں کو اس حدیث پاک سے زینت بخشی ہیں چنانچہ صحیح مسلم،سنن ابو داؤد،سنن ترمذی،سنن نسائی،سنن ابن ماجہ،مسند الحمیدی،ابن الجارود،المؤ طا،مسند الطیالسی،مسند البزار،صحیح ابن خزیمہ،صحیح ابن حبان،حلیۃ الاولیاء سنن بیہقی،کتاب المعرفۃ،تاریخ بغداد،شرح السنۃ،مسند احمد کے مختلف ابواب کے تحت یہ حدیث درج ہے۔[نعمۃ الباری]

حدیث ”انما الاعمال بالنیات“ کا فضل وشرف۔ علامہ ابن الجوزی لکھتے ہیں،علماء اپنی تصنیف میں اس حدیث کو سب سے پہلے لکھتے ہیں کیوں کہ عموما اس کی حاجت پڑتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام اعمال میں اصل چیز نیت ہے۔عبدالرحمٰن مہدی یہ کہتے تھے کہ جو شخص بھی کوئی کتاب تصنیف کرے اس کو چاہیئے کہ اس کتاب کی ابتدا میں اس حدیث کو لکھے،اسی وجہ سے امام بخاری نے اپنی کتاب کا افتتاح اس حدیث سے کیا ہے۔امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا،اس حدیث میں فقہ کے ستر ابواب ہیں۔امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے فرمایا،اصول اسلام تین احادیث پر مشتمل ہیں (۱) اعمال کا مدار نیت پر ہے [صحیح بخاری] (۲) حلال ظاہر اور حرام بھی ظاہر ہے [ایضا] (۳) جس نے ہمارے دین میں کوئی ایسی نئی بات نکالی جس کا دین میں منشاء نہ ہو وہ مردود ہے۔امام ابو داؤد السجستانی متوفی ۲۷۵ھ نے کہا،فقہ کا مدار

پانچ احادیث پر ہے(۱) اعمال کا مدار نیات پر ہے(۲) حلال ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے(۳) میں نے تم کو جس کام سے منع کیا ہے اس سے اجتناب کرو اور میں نے تم کو جس کام کا حکم دیا ہے اس پر جس قدر عمل کر سکتے ہو عمل کرو[صحیح مسلم] (۴) کسی کو ضرر نہ پہنچاؤ اور ایک دوسرے کو باہم ضرر نہ دو۔(۵) دین خیر خواہی ہے[صحیح البخاری] امام ابو داؤد کی دوسری روایت یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ہزار پانچ سو احادیث روایت کی ہیں اور ان سے انتخاب کر کے میں نے کتاب السنن میں لکھیں جن کا میں ضامن ہوں پس انمیں میں نے صحیح اور ان کے مشابہ اور مقارب احادیث لکھی ہیں اور انمیں سے چار احادیث ایسی ہیں جو انسان کے دین کے لئے کافی ہیں (۱) اعمال کا مدار نیات پر ہے(۲) حلال ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے (۳) کسی شخص کے اسلام کا حسن یہ ہے کہ وہ غیر مقصود باتوں کو ترک کردے[سنن ترمذی] (۴) کوئی شخص اس وقت تک مومن کامل نہیں ہوگا حتیٰ کہ وہ اپنے بھائی کے لئے بھی اسی چیز کو پسند کرے جس کو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے[صحیح البخاری][نعمۃ الباری]

تشریح الفاظ حدیث:۔ امام بخاری نے اس حدیث کو اور دوسری تمام حدیثوں کو لفظ 'حدثنا و اخبرنا یا حدثنی و اخبرنی سے بیان کیا ہے اس لئے ذیل میں اس کا مختصر اصطلاحی تعارف پیش کر دینا مناسب ہے۔

(حَدَّثَنَا و اَخْبَرَنَا و غیرہ الفاظ) بیان حدیث کی دو صورتیں ہوتی ہیں (۱) ایک یہ کہ استاد بغرض افادہ اپنے تلمیذ کو پڑھ کر سنائے اس کو (قرأۃُ الشیخ) کہتے ہیں ۔(۲) دوسری یہ کہ تلمیذ بغرض تصحیح اپنے استاد کو پڑھ کر سنائے اور استاد سنکر فرمائے **نعم** جس سے تلمیذ کے بیان کی تصدیق مقصود ہوتی ہے اس کو (قرأۃ علی الشیخ) کہتے ہیں، امام قاضی عیاض قدس سرہ نے فرمایا کہ بصورت اول استاد کی بیان کردہ حدیث کی

نقل کے بارے میں تلمیذ مختار ہے خواہ بلفظ حَدَّثَنَا بیان کرے یا بلفظ اَخبَرَنَا، یا بلفظ اَنبأَنَا یا یوں کہے سَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ كَذَا یاقَالَ لَنَا فلانٌ یاذَكَرَنَا فلانٌ، حضرت امام نووی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ حَدَّثَنَااور اَخبَرَنَامیں فرق ہے قرأة الشیخ کی صورت میں حَدَّثَنَا کہا جائیگا اور اَخبَرَنَادرست نہیں، اور قرأة علی الشیخ کی صورت میں اَخبَرَنَاکا استعمال ہوگا یہی حضرت امام شافعی قدس سرہ القوی کا مسلک ہے اور اسی کو ابن جریج، امام اوزاعی، ابن وہب، امام نسائی اور اکثر محدثین نے اختیار فرمایا ہے۔ اور ایک جماعت نے فرمایا کہ قرأة علی الشیخ کی صورت میں مذکورہ بالا دونوں لفظ استعمال کرسکتے ہیں یہی امام مالک، ابن شہاب زہری، سفیان بن عیینہ اور یحییٰ بن سعید قطان رحمهم الله کا مسلک ہے اور اسی کو حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اختیار فرمایا ہے۔ اور ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ بصورت قرأة الشیخ ان دونوں کا اطلاق درست نہیں یہی امام عبداللہ ابن مبارک، یحییٰ بن یحییٰ اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مسلک ہے ان دونوں لفظوں میں ایک فرق یہ ہے کہ بنظر اقتصار کتابت میں (ثنا) سے حدثنا کی جانب اور (انا) سے اخبرنا کی جانب اشارہ کرتے ہیں۔ [بشیر القاری]

شارح بخاری نے نزہۃ القاری میں کہا ہے کہ ''بلکہ متقدمین کے یہاں ''حَدَّثَ واَخبر'' میں کوئی فرق نہیں، یہی امام بخاری کا مسلک ہے اپنے مسلک کی تائید میں انھوں نے کئی تعلیقات پیش کی ہیں۔

(۱) ت۔ مجھ سے حمیدی نے کہا، سفیان بن عیینہ کے نزدیک ''حدثنا اور اخبرنا اور سمعت'' ایک تھا

(۲) ت۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیث بیان فرمائی اور سچے ہیں اور سچے مانے ہوئے ہیں۔

(۳) ت۔ شقیق نے کہا عبداللہ سے روایت ہے انھوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنی ہے۔

(۴) ت۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہم سے رسول اللہ ﷺ نے دو حدیثیں بیان فرمائیں

(۵) ت۔ ابوالعالیہ نے کہا، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں اس میں جو اپنے رب سے روایت کرتے ہیں۔

(۶) ت۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت ہے وہ اپنے رب سے روایت کرتے ہیں۔

(۷) ت۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت ہے وہ تمھارے رب تبارک تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں۔

پہلی چار تعلیقات سے امام بخاری کا، یہ بتانا مقصود ہے کہ راویان حدیث کبھی **حَدَّثَنَا** بولتے ہیں کبھی **سَمِعْتُ**، اور دونوں کے معنی ایک ہیں، اور بعد کی تین تعلیقوں سے یہ بتانا مقصود ہے کہ سند میں بجائے **حَدَّثَنا** یا **سَمِعْتُ**، **عن فلانٍ عن فلانٍ**، کہنا بھی درست ہے اس کا حکم بھی وہی ہے جو **حَدَّثَنَا** یا **سَمِعْتُ** کا ہے۔ [نزہۃ القاری، ص ۳۵۰ / ج ۱]

درج بالا سطور میں گذرا کہ اخذ حدیث کے دو طریقے ہیں اول شیخ خود پڑھے اور شاگرد سنے دوم شاگرد پڑھے اور استاذ سنے جیسا کہ زمانۂ دراز سے یہی طریقہ رائج ہے اسے عرض بھی کہتے ہیں، لیکن اس کے علاوہ بھی اخذ حدیث کے طریقے مابین المحدثین رائج ہیں۔ سوم۔ شیخ اپنی کوئی کتاب تلمیذ کو دے اسے مناولت کہتے ہیں، چہارم۔ تلمیذ کوئی کتاب استاذ کی خدمت میں پیش کر کے درخواست کرے کہ اس کی مجھے اجازت دے دیں اسے بھی عرض کہتے ہیں، مگر حقیقت میں مناولت ہی کی ایک قسم ہے اسی لئے علامہ ابن حجر

نے اسے عرض مناولت کہا ہے، چونکہ بعض متشدد محدثین اس کے قائل تھے کہ روایت اسی وقت صحیح ہے جب کہ استاد خود پڑھے اور تلمیذ سنے اس لئے امام بخاری نے اس پر بہت زور دیا کہ استاذ کی قرأت تلمیذ پر، اور تلمیذ کی استاذ پر دونوں صحیح ہیں اور بعد میں اسی پر اتفاق ہو گیا اب اس کے بعد یہ اختلاف ہے کہ دونوں برابر ہیں یا ان میں کچھ فرق ہے پس اس سلسلے میں تین مذہب ہیں۔

اول: ۔تلمیذ کا استاذ کے سامنے پڑھنا زیادہ راجح ہے، یہ قول حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، اور ابوذئب وغیرہ کا ہے، اور ایک روایت کے مطابق امام مالک کا بھی یہی مذہب ہے۔

دوم: ۔استاذ کا پڑھ کر تلمیذ کو سنانا یہ راجح ہے یہی جمہور کا مذہب ہے بعض لوگوں نے کہا یہ صرف اہل مشرق کے جمہور کا مذہب ہے۔

سوم: ۔دونوں مساوی ہیں یہی اکثر علماء حجاز و کوفہ اور امام مالک اور ان کے متبعین اہل مدینہ کا اور کثیر جماعت کا مذہب ہے امام بخاری کا بھی یہی مذہب ہے امام بخاری نے اپنی تائید میں اسلاف کے اقوال نقل فرمائے ہیں۔

(۱) امام بخاری کے استاذ مشہور محدث حمیدی نے اسے حضرت ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے ثابت کیا جو بخاری ہی میں ہے جس میں یہ ہے کہ حضرت ضمام نے یہ عرض کیا، کیا اللہ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے کہ ہم نماز پڑھیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں، یہ استاذ پر قرأت ہوئی پھر حضرت ضمام نے اپنی قوم کو اس کی خبر دی تو ان کی قوم نے اسے تسلیم کیا تو معلوم ہوا کہ یہ طریقہ بھی درست ہے۔

(۲) امام مالک نے دستاویز سے استدلال کیا کہ جب دستاویز میں کسی مقر کا اقرار لکھا گیا اور اسے پڑھ کر سنایا گیا اس نے ہاں کر لیا تو یہ اس کا اقرار ہو گیا حالانکہ اس نے زبان سے صراحتاً اقرار نہیں کیا ہے صرف ہاں

کہا ہے، جن لوگوں نے یہ دستاویز سنا، انھیں اسی کے مطابق گواہی دینی جائز ہے۔اسی طرح جب قاری مُقری کو سنادے تو اسے جائز ہے کہ یہ کہے مجھے فلاں نے پڑھایا نیز اس پر امام مالک نے یہ دلیل بھی بیان فرمائی ہے کہ لوگ قرآن مجید کسی کے سامنے پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں مجھے فلاں نے پڑھایا۔

[نزہۃ القاری، باب العلم، ص ۳۵۳/۱]

(الاعمال) اعمال، عمل کی جمع ہے، یہ اور فعل مرادف ہیں مگر عندالاطلاق افعال سے مراد افعال جوارح ہی ہوتے ہیں اور اعمال عام ہے کہ افعال جوارح، افعال لسان، افعال قلب سب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جس کی دلیل بخاری شریف کی یہ حدیث ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال ہوا کونسا عمل افضل ہے، فرمایا اللہ و رسول پر ایمان، پوچھا گیا پھر کون سا؟ تو فرمایا جہاد، پھر دریافت کیا گیا پھر کون فرمایا حج مقبول۔ یہ عبادات، محرمات، مکروہات، مباحات سب کو شامل ہے مگر یہاں مراد صرف اعمال صالحہ ہیں اور بنظر دقیق مباحات بھی، کہ مباحات بھی حسن نیت سے باعث برکات اور حصول ثواب کا ذریعہ ہو جاتے ہیں۔

(النیات) نیات، نیت کی جمع ہے، **نیت:**۔ دل کے پختہ ارادے کو کہتے ہیں خواہ وہ کسی چیز کا ہو اور شریعت میں عبادت کے ارادے کو کہتے ہیں۔ (تلویح)

اس مقام پر حضرات شراح حدیث، ارادہ، عزم اور قصد کی بھی تعریف کرتے ہیں اس لئے ذیل میں تینوں کی تعریف پیش ہے۔

ارادہ:۔ محققین کے نزدیک ارادہ اس صفت کو کہتے ہیں جس سے دو متساوی چیزوں میں ایک کو ترجیح دی جائے، خواہ قدیم ہو خواہ حادث۔ نیت، عزم اور قصد تینوں میں ارادہ حادث مراد ہے اسی لئے ان کا اطلاق

باری تعالیٰ پر نہیں ہوتا، بخلاف ارادۂ (قدیم) کے کہ اس کا اطلاق باری تعالیٰ پر بھی ہوتا ہے قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے ''اَرَادَ . یُرِیْدُ'' وغیرہ کلمات ارشاد فرمایا ہے سورہ یٰسٓ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے '' اِنَّمَآ اَمْرُهٗۤ اِذَآ اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ۝۸۲ ''

سورہ احزاب میں ارشاد ہے ''اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ ''الآیۃ

عزم:۔ وہ ارادہ ہے جو فعل پر مقدم ہو۔

قصد:۔ وہ ارادہ ہے جو فعل سے متصل اور فعل کے ساتھ پایا جاتا ہو۔

نیت:۔ وہ ارادہ ہے جو عمل سے متصل و مقترن ہونے کے ساتھ ساتھ اس میں عمل کی غرض وغایت بھی ملحوظ ہو، مثلا ایک شخص نے حج کا ارادہ کیا سفر شروع کرنے تک عزم ہے، سفر شروع ہونے کے بعد قصد اور اگر اس میں یہ بھی ملحوظ ہے کہ یہ حج کا سفر ہے تو نیت ہے۔

(اِمْرِءٌ) بمعنی مرد آتا ہے، یہ لفظ الفاظ غریبہ سے ہے کہ اس میں 'راء' ہمزہ کی حرکت کے تابع ہے اختلاف عامل سے جو حرکت ہمزہ پر آتی گر جائے گی ویسی ہی (راء) پر۔ قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا ''اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَیْسَ لَهٗ وَلَدٌ . لِكُلِّ امْرِیٴٍ مِّنْهُمْ یَوْمَىٕذٍ شَاْنٌ یُّغْنِیْهِ ۝۳۷'' چونکہ معرب کے آخر سے پہلے جو حرکت ہوتی ہے اس کو حرکت بنائی کہتے ہیں اس لئے بطور چیستاں دریافت کیا کرتے ہیں کہ وہ کونسی حرکت بنائی ہے کہ جو اختلاف عوامل سے مختلف ہو جاتی ہے اس کے جواب میں یہی کہا جاتا ہے ''امرء'' میں راء کی حرکت۔ اور کبھی بغیر ہمزہ کے مرء آتا ہے اور اس کی مؤنث بھی امراۃ و مراۃ دونوں طرح آتی ہے۔

(هجرة) لغت میں بمعنی ترک یعنی چھوڑنا کے آتا ہے اور اصطلاح شرع میں، بغرض طلب رضائے الٰہی ایک وطن کو چھوڑ کر دوسرے وطن میں چلے آنے کو ہجرت کہتے ہیں، حدیث میں یہی معنی مراد ہے، ہجرت اسلام میں دو طرح واقع ہوئی۔

اول:۔ دار الخوف سے دار الامان کی طرف انتقال جیسا کہ بعض صحابہ نے ابتدائے اسلام میں مشرکین مکہ

کے شر وفساد کے خوف سے حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی اور مکہ سے مدینہ کی طرف ابتدائی ہجرت بھی اسی قبیل سے تھی۔

دوم :۔ دارالحرب سے دارالاسلام کی طرف انتقال، یہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ میں متمکن اور مستقر ہونے کے بعد ہوئی۔ ہندوستان چونکہ دارالاسلام ہے اس لئے یہاں سے کوئی شخص اگر مکہ مکرمہ یا مدینہ طیبہ منتقل ہوجائے تو یہ ہجرت شرعی نہ ہوگی۔[بشیر القاری]

(دنیا) دنیا دراصل ادنیٰ اسم تفضیل کی مؤنث ہے،غلبۂ اسمیت کے باعث معنی وصفی پر باقی نہ رہا اسی لئے اسم تفضیل کے تینوں طرق استعمال میں سے کسی کے ساتھ یہاں پر مستعمل نہیں، بوجہ الف مقصورہ زائدہ غیر منصرف ہے۔ متکلمین اس تمام مخلوق کو دنیا کہتے ہیں جو آخرت سے پہلے وجود میں آئی خواہ ازقبیل ذوات ہو یا افعال یا صفات ۔[عمدۃ القاری] حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا " حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَا کُمْ اَلنِّسَاءُ وَالطِّیْبُ وَ قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصلوٰۃِ "یعنی تمھاری دنیا کی چیزوں سے عورتوں اور خوشبو کی محبت میرے دل میں ڈال دی گئی ہے اور میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔لیکن یاد رہے کہ ان چیزوں کی محبت قلب انور میں اپنی ذاتی اقتضاء سے نہ تھی بلکہ بعض مصالح کے ماتحت عارضی طور پر پیدا کی گئی تھی تو ان چیزوں کی محبت عارضی ہوئی اسی واسطے صیغۂ مجہول " حُبِّبَ " ارشاد ہوا،قلب انور میں حقیقی محبت صرف مولیٰ تبارک تعالیٰ ہی کی تھی،اسی واسطے ارشاد فرمایا "لَسْتُ مِنَ الدُّنْیَا وَ لَا الدُّنْیَا مِنِّی ' یعنی نہ مجھے دنیا سے تعلق اور نہ دنیا کو مجھ سے ۔ بحث دنیا کی اور دنیا کی تین چیزوں سے محبت کی چل رہی ہے اس لئے بغرض افادہ ایک اور ایمان افروز حدیث لکھنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

"حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مجلس میں انھیں تین چیزوں کا ذکر فرمایا خلفاء اربعہ حاضر تھے خلیفۂ اول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسولَ اللہ مجھ کو دنیا کی تین چیزیں محبوب کر دی گئیں، حضور کے سامنے بیٹھنا، چہرۂ انور کا دیکھنا اور اپنے تمام مال کا حضور پر قربان کر دینا۔خلیفۂ دوم

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یَا رسولَ اللّٰہِ، میرے دل میں بھی دنیا کی تین چیزوں کی محبت ڈال دی گئی ہے نیک کاموں کا حکم کرنا، برے کاموں سے منع کرنا اور حدود الٰہی کی محافظت۔ خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے دل میں تو دنیا کی تین چیزوں کی محبت ڈال دی گئی ہے بکثرت سلام کرنا، کھانا کھلانا، اور شب میں نماز پڑھنا جب لوگ سو رہے ہوں۔ خلیفہ چہارم حضرت مولا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے عرض کیا یَا رسولَ اللہ مجھ کو تو دنیا کی تین چیزیں محبوب کر دی گئیں ہیں، مہمان کی دعوت، گرمیوں میں روزہ رکھنا اور حضور کے آگے تلوار چلانا، پھر حضرت جبرئیل امین علیہ السلام حاضر خدمت اقدس ہوئے اور عرض کیا یَا رسولَ اللہ پھر خلفاء کو خطاب کر کے کہا مجھے تو آپ حضرات کی دنیا سے تین چیزیں محبوب کر دی گئی ہیں، مساکین کی محبت، احکام الٰہی کی تبلیغ اور امانت کی ادائیگی۔ پھر یکایک دربار الٰہی سے ندا آئی کہ اللہ تعالیٰ تمہاری دنیا کی تین چیزیں پسند فرماتا ہے، صبر کرنے والا جسم، ذکر کرنے والی زبان اور شکر کرنے والا قلب۔ دنیا، آخرت سے پیشتر وجود میں آنے والی ہر ہر مخلوق پر بھی دنیا کا اطلاق ہوتا ہے مگر مجازاً اور مقام مذمت میں دنیا ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو یاد الٰہی سے غافل کر دے۔

حضرت مولانا روم فرماتے ہیں،

چیست دنیا از خدا غافل بدن۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔نے قماش ونقرہ وفرزند وزن۔

(یُصِیبُهَا) اِصَابَة سے مشتق ہے بمعنی تیر بہدف رسیدن، اور یہاں بمعنی تحصیل یا بمعنی وجدان یا بمعنی ارادہ ہے۔

(یَنْکحهَا) نکاح سے مشتق ہے بمعنی تزوُّج ہے چنانچہ دوسری روایت میں یَتَزَوَّجُهَا آیا ہے اور نکاح بمعنی وطی بھی آتا ہے لیکن یہاں بمعنی تزوج وعقد ہی مراد ہے۔ [بشیر القاری]

مفہوم حدیث ''انما الاعمال بالنیات'' اس حدیث پاک کا مفہوم بہت واضح ہے کہ حضور اکرم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس ارشاد میں نیت کی اہمیت و برکت اور اس کی افادیت کو بیان فرمائی ہے

اس کا حاصل یہ ہے کہ کوئی عمل ہوخواہ فرض وواجب ہو یا سنن ومستحبات بلکہ مباحات بھی حسن نیت کے سبب نہایت ہی بابرکت ہوجاتے ہیں اور آخرت میں ثواب کا ترتب حسن نیت ہی پر مبنی ہے۔بہت مشہور ہے جیسی نیت ویسی برکت۔اس کے برخلاف عدم نیت یا فساد نیت کی وجہ سے فعل یا تو موجود ہی نہیں ہوتا یا موجود ہو بھی جاتا ہے تو بے برکت اور ثواب سے خالی ہوتا ہے بلکہ فساد نیت کے سبب آخرت میں عذاب ہوتا ہے اور دنیا میں نحوست ووبال پھیلتا ہے۔ہجرت جیسی عظیم فرض عبادت میں بھی حصول دنیا کی آمیزش ہوجاتی ہے تو وہ بے برکت اور ثواب سے عاری ہوجاتی ہے اس لئے مومن کو چاہئے کہ ہر عمل خیر کو خلوص نیت کے ساتھ بجالائے۔زیر تفہیم حدیث میں یہ امر بھی قابل وضاحت ہے کہ جب حدیث پاک میں ''الیٰ دُنْیا'' ذکر ہو چکا تو عورت بھی آ گئی، پھر ''اِلیٰ اِمرأة'' ارشاد فرمانے کی کیا حکمت تھی؟ حضرت علامہ قسطلانی و دیگر شارحین بخاری نے اس کا جواب دیا ہے کہ ''چونکہ عورت ہی دنیا میں سب سے زیادہ فتنہ وفساد کا سبب بنتی ہے ،لہٰذا بقاعدۂ تخصیص بعد تعمیم کے طور پر اسے خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا جیسا کہ قرآن حکیم میں لفظ ملائکہ کے بعد ''والروح''،یعنی جبریل کا ذکر آیا ہے اور حدیث پاک میں حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے، ''ما ترکتُ بعدی فتنة اضرعلیٰ الرجل من النساء'' میں نے اپنے بعد مردوں کے لئے عورتوں سے بڑھ کر فتنہ انگیز چیز کوئی نہیں چھوڑی۔پس لفظ دنیا میں اگرچہ عورت آ گئی تھی مگر خصوصی تنبیہ کے طور پر پھر ذکر فرمادیا ظاہر ہے کہ یہ توجیہ یک طرفہ ہے اور سوال تو پھر بھی باقی رہتا ہے کیوں کہ دنیا میں جو چیز فتنہ وفساد کا سبب بنتی ہے وہ صرف عورت ہی نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ مال ودولت اور اولاد بھی ہیں جن کا ذکر خود قرآن حکیم میں موجود ہے ارشاد ہے 'وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَّ اَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ' [الانفال۔۲۸] اور جان رکھو کہ تمھارے مال اور تمھاری اولاد سب فتنہ ہیں اور اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے، پھر عورت مطلقا ایسی چیز نہیں جو مطلقا فتنہ وفساد کی جڑ بنے کیوں کہ حدیث شریف میں یہ بھی تو ہے کہ نیک اور صالح عورت دنیا کی بہترین دولت ہے چنانچہ ارشاد نبوی ہے 'الدُّنیا کُلُّها متاعٌ وَ خیرُ

مَتاعِ الدُنیا المَرْأۃُ الصَّالحۃُ ' یعنی دنیا پوری کی پوری سرمایہ ہے اور دنیا کا بہترین سرمایہ نیک عورت ہے ۔بعض شارحین نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ حدیث مہاجرام القیس کے متعلق وارد ہوئی ہے جنھوں نے ام قیس سے شادی کی غرض سے ہجرت کی تھی جیسا کہ ذیل کے شان ورود سے معلوم ہوگا لہذا حضور پرنور ﷺ نے تنبیہ کے طور پر خصوصا عورتوں کا ذکر فرمادیا۔

حدیث انما الاعمال بالنیات کا شان ورود:۔(۱) بربنائے مشہور مہاجرام قیس کا واقعہ ہے، حضرت ام قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا مدینہ طیبہ میں ایک مسلم خاتون تھیں جن کا نام قَیلہ تھا اور ام قیس ان کی کنیت تھی ایک ایسے صاحب نے ان سے نکاح کرنا چاہا جن کی سکونت مکہ مکرمہ میں تھی ،انھوں نے اپنے نکاح کا پیغام بھیجا حضرت ام قیس نے فرمایا جب تک ہجرت کرکے مدینہ نہ آجاؤ گے پیغام منظور نہ کرونگی چنانچہ وہ صاحب بغرض نکاح مکہ معظّمہ سے ہجرت کرکے مدینہ طیبہ پہونچ گئے پھر ام قیس کے ساتھ ان کا نکاح ہوگیا اس پر سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ اعمال کا ثواب نیت پر منحصر ہے اور ہر شخص کو اس کی نیت کا ثواب ملتا ہے پس جس نے اللہ ورسول کا حکم بجالانے کے لئے ہجرت کی تو اس کی ہجرت موجب ثواب ہے اور جس نے حصول دنیا کے واسطے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کی غرض سے ہجرت کی تو اس کی ہجرت اسی چیز کے واسطے ہوئی جس کی غرض سے ہجرت کی ہے اللہ ورسول کے حکم کی تعمیل نہ ہوئی حتیٰ کہ موجب ثواب ہوتی۔حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ان صاحب کو مہاجرام قیس کہتے تھے ،لیکن امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے کسی روایت میں اس امر کی تصریح نہیں ملی کہ سید عالم ﷺ نے حدیث مذکور اس واقعہ پر فرمائی تھی ۔طبرانی نے معجم کبیر میں مہاجرام قیس کا واقعہ روایت کیا ہے مگر اس میں یہ نہیں کہ حدیث مذکور ارشاد فرمانے کا باعث مہاجرام قیس کا واقعہ تھا۔

(۲) اسلام سے پیشتر کفایت نسبی کو ملحوظ رکھنے کی بنا پر عرب اپنی لڑکیاں عجمی النسل مرد کے نکاح میں نہ دیتے تھے ،اسلام کے آنے پر دربارۂ نکاح مسلمانوں میں مساوات قائم کردی گئی تو بہت سے لوگ بایں نیت

ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہونچ گئے کہ عربی عورتوں سے نکاح کرینگے اس پر حضور سید عالم ﷺ نے وہ حدیث بیان فرمائی ۔اس دوسری وجہ ورود حدیث کی تقریر علامہ ابن بطال نے علامہ ابن سراج سے نقل کر کے افادہ فرمائی اورامام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس پر بچند وجوہ تنقید کی ۔اول، یہ کہ اس چیز کا نقلی ثبوت پیش کرنا ضروری ہے کہ جن مہاجر کی ہجرت پر یہ حدیث فرمائی تھی وہ عجمی النسل تھے اورانھوں نے جن خاتون سے نکاح کرنے کی نیت سے ہجرت کی تھی وہ عربی تھیں ۔دوم، یہ کہ بر بنائے کفایت نسبی عجمی النسل کے نکاح میں عربی خاتون کو نہ دینے کی نسبت مطلقا اہل عرب کی طرف صحیح نہیں کہ قبل اسلام بہت سے عرب نے اپنے عجمی النسل حلیفوں کواپنی لڑکیاں بیاہی ہیں ۔سوم، یہ کہ اسلام نے کفایت نسبی کو باطل کر دیا علی الاطلاق کہنا درست نہیں جیسا کہ اس تقریر سے صراحتا مفہوم ہوتا ہے اس لئے کہ کفایت نسبی ابھی تک اسلام میں معتبر ہے **جواب :** ۔حضرت صدرالعلماء اپنی کتاب بشیر القاری میں فرماتے ہیں ،تنقید دوم اور سوم کا جواب ممکن ہے کہ کفایت نسبی کی رعایت کرتے ہوئے اپنی لڑکیاں عجمی النسل کے نکاح میں نہ دینے سے مراد یہ ہے کہ عرب کی اکثریت اس پر کاربند تھی اور اسلام نے کفایت نسبی کونظر انداز کر دیا ،عجمی اور عربی کے فرق کو اٹھا کر دربارۂ نکاح مساوات قائم فرمادی ،اس سے مقصود یہ ہے کہ عرب نے کفایت نسبی کو جو اہمیت دے رکھی تھی کہ عجمی النسل سے عربی عورت کا نکاح درست ہی نہیں اس کو اسلام نے برقرار نہ رکھا اور بایں معنی مساوات فرمادی کہ عجمی النسل مرد کا نکاح عربی النسل عورت سے جائز ہے لیکن عورت کے اولیاء کو یہ حق بھی دیا گیا ہے کہ اگر ان کی اجازت کے بغیر ایسا کر بیٹھے تو وہ قاضی کے یہاں نکاح کو فسخ کرا سکتے ہیں ۔اشعۃ اللمعات میں محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ القوی نے (باعث دوم) وجہ دوم کو اوفق اور اوجہ فرمایا یہ شاید اس لئے کہ تنقید دوم اورسوم کا جواب بطریق مذکور ہوسکتا ہے اور اس واقعہ کا کوئی ثبوت ان کی نظر میں موجود ہو، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب [بشیر القاری ،ص ۳۷]

حدیث اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیاتِ کی توضیح : ۔گذشتہ صفحات میں اس حدیث کا مقام ومرتبہ ،الفاظ

حدیث کی تشریح اور شان ورود حدیث کا ذکر ہوا، اب ذیل میں حدیث پاک کی مزید توضیح پیش کی جاتی ہے۔
سوال:۔ ارشاد نبوی "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَاتِ" کے بعد "وَلِکُلِّ اِمْرَءٍ مَانَوٰی" فرمانے میں بظاہر تکرار معلوم ہوتی ہے اور وہ اس طور پر کہ بر تحقیق احناف ارشاد اول کا معنی یہ ہوگا کہ کل اعمال کا ثواب نیک نیت پر موقوف ہے، اور ارشاد دوم کے معنی یہ ہیں کہ ہر آدمی کو اس کی اپنی ہی نیت کا ثواب ملتا ہے، چونکہ نیت بھی ایک عمل قلب ہے لہٰذا وہ کل اعمال میں داخل ہے پس کل اعمال ذکر کرنے بعد اس کو ذکر کرنا تکرار ہے۔
جواب:۔ کل اعمال میں نیت داخل نہیں، اس لئے تکرار لازم نہیں آتا اور کل اعمال میں نیت کا دخول اس لئے نہیں ہے کہ جملہ اعمال پر ثواب ملنے کے لئے نیت خیر شرط ہے اور نیت خیر پر ثواب ملنے کے واسطے دوسری نیت خیر شرط نہیں ورنہ تسلسل لازم آئیگا اور تسلسل محال ہے اور جو محال ہوتا ہے اس کا وجود نہیں ہوتا تو اس تقدیر پر نیت خیر کے ثواب کی تحصیل ممکن نہ ہوگی کہ جب ایک نیت خیر کا ثواب دوسری نیت خیر پر موقوف ہوا اور دوسری نیت خیر بھی ایک عمل ہے اور ہر عمل کا ثواب نیت خیر پر موقوف ہے تو دوسری نیت خیر ،تیسری پر موقوف ہوئی، اور تیسری بھی ایک عمل ہے اور ہر عمل کا ثواب نیت خیر پر موقوف تو تیسری کا ثواب چوتھی پر اور چوتھی کا پانچویں پر موقوف ہوگا اس طرح سلسلہ چلتا رہے گا اور ایک نیت کے ثواب کی تحصیل بھی نہ ہو سکے گی نظر برآں "اِنَّمَا الاَعْمَالُ بِالنِّیَاتِ" سے ماسوائے نیت جملہ اعمال کا حکم بیان فرمانے کے بعد "وَلِکُلِّ اِمْرَءٍ مَانَوٰی" سے نیت کا حکم بیان فرمایا پھر انما الاعمال بالنیات پر جزئیات کی تفریع فرمائی کہ بوجہ قصر اس سے دو کلی مستفاد ہوتے ہیں۔ **اول وجودی**، کہ تمام اعمال کا ثواب نیت سے حاصل ہوتا ہے۔ **دوم عدمی**، کہ بغیر نیت کسی عمل پر ثواب نہیں ملتا چونکہ وجود کو عدم پر فضل وشرف حاصل ہے اس لئے وجودی کو تفریع میں مقدم رکھ کر فرمایا "فَمَنْ کَانَتْ ھِجرتُہٗ الی اللّٰہِ وَرسولِہٖ فَھجرتُہٗ الی اللّٰہِ وَرسولِہٖ" پھر عدمی پر تفریع کرتے ہوئے فرمایا "وَمنْ کانتْ ھِجرتُہٗ الی دُنیا یُصیبُھا او الیٰ اِمراَۃٍ ینکحھا فھجرتُہٗ الیٰ ما ھاجَرَ الیہِ" اس جواب سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ نیت کو عمل پر اس معنی کر

فضیلت حاصل ہے کہ عمل پر ثواب ملنے کے لئے نیت شرط ہے مگر نیت پر ثواب ملنے کے لئے نیت شرط نہیں اسی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "نِيَّةُ المومِنِ خيرٌ مِن عملِه" مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے کہ اس کا ثواب بغیر شرط ملتا ہے اور ثواب عمل بلا نیت نہیں ملتا۔[بشیر القاری]

اس حدیث پاک میں دو لفظ ایک نیت اور دوسرا لفظ ہجرت خصوصیت کے ساتھ قابل توجہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان دونوں ارشاد سے بیشمار مسائل واحکام وابستہ ہیں پس ہم ان دونوں الفاظ کی مزید توضیح وتفصیل کررہے ہیں تاکہ نیت وہجرت کا مفہوم ومعنیٰ خوب اجاگر ہوجائے۔

نیت:۔ یہ بات واضح رہے کہ اسلام میں نیت یعنی ارادۂ قلبی ہر عمل کی بنیاد ہے کوئی کام اپنے نتیجہ کے لحاظ سے اتنا اچھا یا برا نہیں ہوتا جتنا نیت کے لحاظ سے ہوتا ہے قرآن مجید نے نیت کا معاملہ بڑے نمایاں طور پر بیان کیا ہے اور جگہ جگہ اخلاص اور حسن نیت کی ہدایت فرمائی ہے، سورۂ اعراف میں ہے "وَّ ادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ "[۲۹] یعنی اللہ کو خلوص کے ساتھ پکارو۔سورۂ زمر میں ارشاد ہے "فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ؕ﴿۲﴾ اللہ کی عبادت خلوص کے ساتھ کرو۔سورۂ آل عمران میں ہے " وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ "جو شخص دنیا ہی میں اپنے اعمال کا بدلہ چاہے اس کو ہم دنیا ہی میں بدلہ دیں گے اور جو آخرت میں طالب ثواب ہو اس کو آخرت میں اجر عطا کریں گے۔ سورۂ بینہ میں ہے " وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَ يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَ ذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ؕ﴿۵﴾ اور ان لوگوں کو تو یہی حکم ہوا کہ اللہ کی بندگی کریں نرے اسی پر عقیدہ لاتے ایک طرف کے ہوکر اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں اور یہ سیدھا دین ہے، یعنی خلوص کے ساتھ عبادت کریں۔اسی طرح سورہ نساء میں ارشاد فرمایا "مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا ۧ﴿۱۳۴﴾ یعنی جو شخص دنیاوی اجر کا ارادہ رکھتا ہو تو اللہ کے پاس دنیا وآخرت دونوں کے بدلے ہیں اور اللہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔اس آیت کریمہ میں سمیع وبصیر کے

الفاظ اس جانب اشارہ کر رہے ہیں کہ وہ قادر وقدیر خدا تمھارے دلوں کی آواز سننے والا اور پوشیدہ ارادوں کو جاننے والا ہے لہذا اگر عمل دنیاوی منفعت کی نیت سے کیا گیا ہے تو بس دنیا ہی میں اس کا بدلہ دے دیا جائیگا اور آخرت کا انعام تو صرف انھیں کے لئے ہے جو آخرت کے ارادے سے نیک کام کریں، اسی لئے علماء نے فرمایا کہ مومن کا ہمیشہ کے لئے جنت میں داخلہ اس کے اعمال کی وجہ سے نہیں بلکہ حسن نیت کی وجہ سے ہوگا کیوں کہ عمل کا تقاضہ تو صرف یہ ہے کہ اسی مقدار میں ثواب دیا جائے جتنا اس کا عمل ہے، ظاہر ہے کہ انسان کے نیک اعمال کا وزن اور مدت ایسی نہیں ہے کہ اس کے بدلہ میں خلود فی الجنۃ کا انعام مل سکے۔ یہ خلود فی الجنۃ تو دراصل نتیجہ ہے مومن کے اس قصد وارادہ کا کہ اگر اللہ نے مجھے ہمیشہ زندہ رکھا تو ہمیشہ اس کی خوشنودی کے لئے اس کی اطاعت کرونگا چونکہ عزم وارادہ میں ہیشگی پائی گئی ہے اس لئے اس کے بدلہ میں خلود فی الجنۃ کا انعام دیا جائے گا۔ حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں مختصر اور جامع بات فرمادی کہ اعمال کا مدار نیتوں پر ہے لیکن اس کے علاوہ دوسری بہت ساری حدیثوں میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نیت درست رکھنے اور ریا وسمعہ سے بچنے کی ترغیب دیتے ہوئے متعدد اسالیب اختیار فرمائے۔ کہیں فرمایا۔

''مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے'' کہیں فرمایا ''جس نے دکھاوے کا روزہ رکھا یا نماز پڑھی یا دکھاوے کو صدقہ دیا، شرک کیا'' کہیں فرمایا ''سب سے زیادہ خطرناک چیز جس سے مجھے تمھارے بارے میں خوف ہے شرک اصغر ہے، پوچھا کہ حضور شرک اصغر کیا ہے؟ فرمایا قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اعمال کی جزا وسزا دیگا تو دکھاوے کی نیت رکھنے والوں سے فرمائے گا انھیں کے پاس جاؤ جنھیں دکھانے کے لئے تم نے فلاں فلاں کام کیا تھا، دیکھیں۔ ان کے پاس تمھیں دینے کے لئے کیا ہے؟ کہیں فرمایا جس نے نیک عمل کا ارادہ کیا اور پھر کر نہ سکا تو محض نیت پر ثواب ملے گا۔ ایک حدیث میں فرمایا میرا ایک صحابی ایک مُد یا نصف مد اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرے اور تم (غیر صحابی) سونے کا ایک پورا پہاڑ راہ خدا میں دے دو تب بھی صحابی کے ایک مد کی برابری نہیں کر سکتے، ظاہر ہے کہ سونے کے ایک پورے

پہاڑ کے مقابلے میں ایک مد کی حیثیت ہی کیا ہے مگر چونکہ اعمال میں بنیادی اہمیت نیت کی ہے اور اخلاص و نیت میں کوئی بھی صحابی کی برابری نہیں کرسکتا اس لئے صحابی کا تھوڑا عمل بھی ہمارے بڑے بڑے نیک عملوں کے مقابل عند اللہ کہیں زیادہ ارفع و اعلیٰ ہوگیا۔ پھر خلوص نیت کا تعلق صرف اعمال ہی سے نہیں ہے بلکہ خیالات وجذبات، افکار ومعتقدات کے مفید ومقبول ہونے کے لئے بھی خلوص نیت کی ضرورت ہے، اگر ہم کسی سے بدگمان ہیں یا اس کے مخالف ہیں تو یہ دیکھا جائے گا کہ یہ مخالفت آیا اس لئے ہے کہ یہ اللہ کا نافرمان ہے اور اس جیسے لوگوں سے اللہ تعالیٰ نے بدگمانی کا حکم دیا ہے، یا یہ بدگمانی اور مخالفت اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے قطع نظر کرکے ہمیں کسی گروہ کا ساتھ دینا ہے یا کسی شخص کی خوشنودی سے اپنے نفس کی تسکین مقصود ہے، اگر پہلی صورت ہو تو بیشک ہماری بدگمانی اور مخالفت نہ صرف حق ہے بلکہ اس پر ثواب کی بھی امید ہے اور اگر دوسری صورت ہے تو یقینا ہماری یہ مخالفت وبدگمانی گناہ ہے اس لئے ہر عمل، ہر عقیدہ اور ہر جذبہ کو جانچ کر دیکھنے کی ضرورت ہے کہ اس کی تہہ میں کس حد تک رضائے مولا کی طلب ہے اور کس حد تک کوئی اور جذبہ کارفرما ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فساد نیت کے باعث بہتر سے بہتر اور افضل سے افضل عمل کرنے والے قیامت کے دن منہ کے بل گھسیٹے جائیں گے اور ان کے اعمال خیر ان کے لئے وبال جان ہوجائیں گے ، بہت ہی مشہور حدیث مسلم شریف میں ہے،" قَالَ رَسُولُ اللّٰہ ﷺ اِنَّ اَوَّلَ النَّاسِ یُقضیٰ علیہِ یَوْمَ القیمَۃِ رَجُلٌ اُستُشہِدَ فَاُتِیَ فَعَرَّفَہٗ نِعْمَتَہٗ فَعَرَفَھَا فَقَالَ فما عَمِلتَ فیھا قَالَ قَتَلْتُ فِیکَ حَتّیٰ استشھدتُ قالَ کَذِبْتَ ولٰکنّ قَاتَلْتَ لِاَنْ یُقَالَ جَرِیٌّ فَقَدْ قِیلَ ثُمَّ اُمِرَ بِہٖ فَسُحِبَ علیٰ وجھِہٖ حَتّیٰ اُلْقِیَ فی النَّارِ، وَ رَجُلٌ تَعَلَّمَ العِلمَ وَ قرأ القُرآنَ فَاُتِیَ بِہٖ فَعَرَّفَہٗ نِعمَہٗ فَعَرَفَھا قالَ فما عَمِلتَ فیھا قالَ تَعَلَّمْتُ العلمَ وَ عَلَّمتہٗ وَ قَرأتُ فیکَ القرآنَ قالَ کذبتَ وَلٰکِنّکَ تَعَلَّمتَ العلمَ لِیُقالَ ھوَ عالِمٌ وقرأتَ القرآنَ لیقالَ ھوَ قارئٌ فقدْ قِیلَ ثُمَّ اُمِرَ بِہٖ فَسُحِبَ علیٰ وَجھِہٖ حَتّیٰ اُلْقِیَ فِی النَّارِ، وَرَجُلٌ وَسَّعَ اللّٰہُ عَلیہِ وَاَعطاہُ مِنْ اَصْنَافِ المالِ کُلِّہٖ فاُتِیَ بِہٖ فعَرّفَ نعمہٗ فعَرَفھَا

قال فما عملتَ فِیهَا قَالَ مَا تَرَکتُ مِن سَبیلٍ تحبُّ اَنْ یُنفَقَ فِیها اِلا انفقتُ فِیهَا لَکَ قَالَ کَذَبْتَ وَلٰکِنّکَ فَعلْتَ لِیُقَالَ هُوَ جَوّادٌ فَقَدْ قِیلَ ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ علیٰ وَجههٖ ثُمَّ اُلقِیَ فِی النّارِ ''[مشکوٰۃ المصابیح، کتاب العلم]۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں کا فیصلہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سب سے پہلے فرمائے گا ان میں ایک شخص تو وہ ہوگا جسے اللہ کی راہ میں شہید کیا گیا یہ لایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ نعمتیں ہم نے تمہیں دیں وہ جواب دے گا بیشک دی تھیں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا پھر تونے اس کی پاس گزاری میں کیا کیا؟ وہ کہے گا میں تیری خاطر لڑا یہاں تک کہ شہید کر دیا گیا اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو جھوٹ بولتا ہے ،میری خاطر تو کہاں لڑا ہے بلکہ تو اس لئے لڑا تھا کہ لوگ تجھے بہادر کہیں پس لوگوں نے بہادر کہہ لیا اور تجھے تیرا انعام مل گیا پھر اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں حکم صادر فرمائے گا اور اسے منہ کے بل کھینچ کر آگ میں ڈال دیا جائے گا۔۔۔اور ایک شخص وہ ہوگا جس نے علم سیکھا اور سکھلایا اور قرآن پڑھا، یہ لایا جائے گا اللہ تعالیٰ اس سے بھی فرمائے گا یہ نعمتیں ہم نے تجھے دی تھیں وہ کہے گا بیشک دی تھیں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا پھر تونے اس کی سپاس گزاری میں کیا کیا؟ وہ کہے گا میں نے علم حاصل کیا اور دوسروں تک پہنچایا اور تیرے لئے قرآن پڑھا ،اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹا ہے علم تونے اس لئے سیکھا کہ لوگ تجھے عالم کہیں اور تلاوت قرآن اس لئے کی تھی کہ لوگ تجھے قاری کہیں پس لوگوں نے تجھے کہا اور تیرا اجر تجھے مل گیا پھر اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں حکم صادر فرمائے گا اور اسے منہ کے بل کھینچ کر آگ میں جھونک دیا جائے گا۔۔اور ایک شخص وہ ہوگا جس پر اللہ نے روزی کو کشادہ کیا اور ہر قسم کا مال ومتاع اسے عطا کیا یہ لایا جائے گا اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا یہ نعمتیں ہم نے تجھے دی تھیں وہ کہے گا بیشک دی تھیں، اللہ تعالیٰ اس سے بھی پوچھے گا پھر تونے اس کی سپاس گزاری میں کیا کیا؟ وہ کہے گا میں نے ہر اس راہ میں مال خرچ کیا جس میں خرچ کرنے کو تو پسند فرماتا ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو دروغ گو ہے میری رضا کے لئے کہاں تونے خرچ کیا! تونے تو مال اس لئے خرچ کیا کہ لوگ تجھے سخی کہیں سو کہہ لیا گیا اور تیرا اجر تجھے مل گیا پھر اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں حکم صادر فرمائے گا اور اسے منہ

کے بل گھسیٹتے ہوئے آگ کے حوالے کر دیا جائے گا۔اس حدیث میں غور کیجئے ! جہاد جیسا عمل خیر،شہادت جیسی جلیل القدر نعمت،تعلیم وتعلم جیسا پاکیزہ مشغلہ،صدقہ وخیرات جیسا نفیس کام اللہ کی خوشنودی کے بجائے دنیا کی ناموری اور شہرت کے جذبہ نے ہلاک وبرباد کر دیا،صرف اتنی سی بات پر کہ دل کے اندر بہادر کہلانے کا شوق تھا، عالم وقاری کو مشہور ہونے ،اور سخی کو سخی پکارے جانے کی تمنا تھی،سب کچھ اکارت گیا اور آگ میں جلنا پڑا۔اس لئے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اعمال کا مدار نیت پر ہے اور تمام عقائد واعمال اور جذبات وخیالات کا بارگاہ الٰہی میں مقبول ہونا اس بات پر منحصر ہے کہ ان کی تہہ میں حد درجہ کا خلوص اور رضائے الٰہی کے حصول کی خالص نیت کارفرما ہو،نیت کی مثال بیج کی طرح ہے اور اعمال وافعال گویا زمین میں جوتنے اور پانی دینے کے درجے میں ہیں ہم عمل تو کریں دنیا کو دکھانے کے لئے اور امید رکھیں انعام آخرت سے نوازے جانے کی تو یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے بوئیں تو تھوہڑ اور نیم کے بیج مگر امید لگائیں کھجور اور آم کے پیدا ہونے کی۔ پس امام بخاری نے آغاز ہی میں حدیث انما الاعمال بالنیات ذکر فرما کر اسلام کے اس بنیادی مسئلہ کو بیان فرمادیا کہ تمام اعمال وعقائد کے مفید ومقبول ہونے کا مدار خلوص نیت پر ہے نیت میں خلوص وللّٰہیت ہے تو عمل عنداللہ مقبول اور باعث اجر وثواب ہے ورنہ ریا وسمعہ کی آمیزش اچھے سے اچھے عمل کو راکھ کا ڈھیر بنا دیتی ہے۔[فیوض الباری]۔

عمل مخلوط کا حکم:۔نیت کی بحث میں عمل مخلوط یعنی وہ عمل جس میں دین ودنیا دونوں کے حصول کی نیت شامل ہو،کا حکم بھی جاننا خالی از فائدہ نہیں ہے اس لئے عمل مخلوط کا حکم ذیل میں مذکور ہے عمل مخلوط ایسا عمل جس میں دین دنیا دونوں کی غرضیں شامل ہوں جیسے ایک شخص حج کے لئے جاتا ہے مگر اس کے ساتھ تجارتی منفعت کا بھی کوئی پہلو اس کے پیش نظر ہے پس ایسی صورت میں اس کو حج کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ تو اس کا جواب جاننے کے لئے پہلے یہ ذہن میں رکھیں کہ اصطلاح شرع میں خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کو نیت کہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ بعض وہ اعمال وافعال جو عبادت نہیں ہیں اگر ان کے کرنے والا قربت کی نیت سے کرلے تو ان پر بھی ثواب ملتا ہے،چونکہ عمل کی چند صورتیں ہیں۔

ا:۔عمل کا باعث اور محرک اگر صرف حصول دنیا ہے تو ثواب نہیں پائے گا۔

۲:۔عمل کا باعث تو صرف حصول آخرت ہے مگر کوئی دنیوی منفعت بھی ملحوظ ہے تو یہ عمل عبادت ہی سمجھا جائیگا ،البتہ یہ ضرور ہے کہ جس نسبت سے دنیاوی نیت شامل ہے اسی نسبت سے ثواب میں کمی ہوسکتی ہے۔

۳:۔عمل عبادت جس میں دنیا شامل کی گئی ہے اس میں یہ بھی ملحوظ ہوگا کہ دنیاوی مقصد جو عبادت کے ساتھ ملایا گیا ہے وہ حلال ہے یا حرام اگر ناجائز وحرام ہے، عمل ضائع ہوجائے گا اور اگر حلال ہے تو بقدر نیت دنیاوی ثواب کم ہوکر رہ جائے گا۔

۴:۔اور اگر عمل کا اصل محرک صرف اور صرف رضائے الٰہی ہے اور ضمنا بھی کوئی دنیاوی منفعت ملحوظ نہیں ہے تو ہر عمل اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے اور اس پر کامل ثواب ہوگا جیسا کہ ذیل کی مثالوں سے واضح ہوگا۔ایک شخص حج کے لئے روانہ ہوا اس کا عزم وارادہ تو فریضۂ حج کی ادئیگی ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ خیال بھی ہے کہ موقع ملا تو تجارت بھی کرلونگا اور عزیز واقارب سے بھی مل لونگا تو ان کا یہ فعل عبادت ہی قرار پائے گا چنانچہ قرآن حکیم میں اس کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔''لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ''،یعنی تم پر کچھ گناہ نہیں کہ اپنے رب کا فضل تلاش کرو۔

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ بعض مسلمانوں نے خیال کیا راہ حج میں جس نے تجارت کی یا اونٹ کرائے پر چلائے اس کا حج ہی کیا اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور بتایا گیا کہ راہ حج میں تجارت کرنا مباح ہے،اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عمل مخلوط میں یہ دیکھنا پڑے گا کہ دوسرا مقصد حرام ہے یا حلال اگر حرام ہے تو عمل بھی ضائع ہوجائے گا جیسے حج کرنے والا یہ نیت بھی کرلے کہ حج کر کے حاجی کہلاؤنگا اور دوسروں کی نگاہ میں عزت وجاہ حاصل کروں گا تو ریا وسمعہ حرام ہے اس لئے یہ حج بھی ضائع اور کالعدم ہوجائے گا اور اگر دوسرا قصد جائز وحلال ہے تو بقدر حصہ ثواب مل جائے گا،مثلاً حج ہی کو لے لیجئے کہ نیت تو حج کی کی ہے مگر اس کے ساتھ تجارت کا بھی خیال ہے تو تجارت چونکہ حلال ہے اس لئے ثواب حج تو ملے گا مگر

چونکہ اس میں تجارت کی نیت بھی ہے توجس نسبت سے دنیاوی نیت شامل ہے اسی نسبت سے ثواب کم ہوکر ملے گا، بہرحال نیت کا معاملہ ایسا ہے کہ عمل میں جس قدر زیادہ خلوص ہوگا اسی قدر ثواب میں زیادتی ہوگی اور خلوص میں جس قدر کمی ہوگی ثواب میں بھی کمی ہوجائے گی اس لئے سب سے افضل واعلیٰ اور برتر وبالا عمل وہی ہے جس میں شروع سے اخیر تک حسن نیت یکساں شامل حال رہے اور ضمنا بھی کسی دنیاوی منفعت کا خیال نہ رہے۔

نیت مجمل ومفصل:۔ نیت کے باب میں ایک شبہ یہ بھی پیش کیا جاتا ہے کہ نیت مجمل کے ساتھ نیت مفصل بھی ضروری ہے یا صرف نیت مجمل ہی کافی ہے، مقصود سوال یہ ہے کہ بعض عمل ذی اجزاء ہوتے ہیں جیسے وضو، غسل اور نماز وغیرہ، توحصول ثواب کے لئے شروع میں ایک ہی نیت کافی ہے یا ایک عمل کے جتنے اجزا ہیں اس کے ہر جزء کی ابتدا میں نیت ضروری ہے؟

جواب:۔ یہ ہے کہ ہر عمل کے ابتداء میں صرف ایک نیت کافی ہے مثلاً ابتدائے وضو میں یہ ارادہ کرلیا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کرتا ہوں یا سید انبیاء حبیب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع میں کرتا ہوں تو یہ ارادہ نیت ہے جو آخر وضو تک حکما باقی رہیگا بلکہ درمیان میں منافی کا پیدا ہونا بھی مضر نہیں، حصول ثواب کے لئے اس میں کفایت ہے یہ ضروری نہیں کہ غَسل وجہ، غَسل ید، مسح راس اور غسل قدم، ان میں سے ہر ایک کے شروع میں بھی یہ نیت کی جائے کیوں کہ وضو ان چاروں سے عبارت ہے شرعا ایک عمل ہے اور ہر ایک عمل پر ثواب کے لئے ایک نیت شرط ہے اس لئے کہ حدیث پاک میں لفظ اعمال اور نیات بصیغۂ جمع وارد ہیں اور **مقابلة الجمع بالجمع انقسام الآحاد علی لآحاد** کو مقتضی ہوتا ہے جس کا واضح مطلب ہے کہ ایک عمل کے لئے ایک ہی نیت درکار ہے پس وضو پر ثواب مرتب ہونے کے لئے ایک نیت لازم ہوئی جو حکما آخر تک مستمر رہے گی اور اگر اثنا میں منافی پیدا ہوگیا مثلاً غَسل کفین، مضمضہ، استنشاق، غَسل وجہ، غسل یدین تک وہی نیت رہی پھر ریا کا ارادہ کرلیا اور باقی اعضاء کا غسل اور مسح سر اسی ناپاک ارادے کے ماتحت

ہوا تو بھی اس پاک نیت کی بقا رہے گی اور وضو کا ثواب فوت نہ ہوگا جیسے نماز کی ابتدا میں ایک نیت کافی ہے جو آخر تک باقی رہتی ہے درمیان میں ریا کا پیدا ہونا حصول ثواب پر اثر انداز نہیں ہوتا جیسا کہ ردالمحتار میں ہے ''قال فی التتار خانیة لو افتتح الصلوٰة خالصا للہ تعالیٰ ثم دخل فی قلبه الریاء فهو علی ما افتتح، و الریاء انّه لو خلا عن الناس لا یصلی ما لو کان مع الناس یصلی فاما ان کان مع الناس یحسنها و لو صلی وحده لا یحسن فله ثواب اصل الصلاة دون الاحسان ''[ص ۲۹۷ / ج ۵] یعنی تاتارخانیہ میں ہے کہ اگر کسی نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی خالص نیت کر کے نماز شروع کی پھر اس کے دل میں ریا پیدا ہوگیا تو اس کا حکم ابتدائے نماز کی نیت کے مطابق ہوگا اور ریاء یہ ہے کہ اگر تنہائی میں ہوتا تو ایسی نماز نہیں پڑھتا جیسی لوگوں کے سامنے دکھا کر نماز پڑھ رہا ہے پس لوگوں کے سامنے اچھی طرح نماز پڑھتا ہے لیکن تنہائی میں اچھی طرح نماز نہیں پڑھتا ہے تو بھی اس کو اصل نماز کا ثواب ہوگا لیکن اخلاص کا ثواب نہیں ملے گا ۔اس سے ثابت ہوتا ہے ایک عمل کے لئے ایک ہی نیت ابتدائے فعل میں ضروری ہے، اس فعل کے جمیع اجزاء کے ہر ہر جزء کے لئے الگ الگ نیت کی ضرورت نہیں۔

نیت کے برکات:۔ نیت قلب کا ایسا فعل ہے جس کے اثرات اعضائے جوارح سے صادر ہونے والے افعال پر مرتب ہوتے ہیں اس لئے نیت میں فساد ہے تو نہ یہ کہ صرف اعمال برباد ہوجاتے ہیں بلکہ آخرت میں مستحق ناروسزا اور غضب جبار ہوگا، جیسا کہ حدیث سے گذرا اور اگر کسی نیک عمل کرنے کا ارادہ ہے اور نیت میں خلوص ہے یا نیت صادقہ ہے اور نیت کے بعد کسی عرض عارض کی وجہ سے بندہ عمل نہیں بھی کر پاتا ہے تو بھی اللہ تعالیٰ اس بندہ کو اس کا ثواب عطا فرما دیتا ہے چنانچہ ارشاد ہے (۱) ''اِذا هَمَّ عَبدِی بِسیئةٍ فَلا تکتُبُو ها وَاِذا هَمَّ بِحَسَنةٍ فَلَمْ یَعْملْهَا فاکتبو ها حَسنَةً فَاِنْ عَمِلَهَا فاکْتُبو ها عَشراً'' کوئی بندہ برائی کا ارادہ کرے تو مت لکھنا اور جب بندہ کسی نیکی کرنے کا ارادہ کرے اور نہ کرسکے تو ایک نیکی لکھو اور اگر اسے کرلے تو دس لکھو۔(۲) غزوۂ تبوک کے راستے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

،مدینہ طیبہ میں کچھ لوگ اپنی مجبوریوں کی وجہ سے رہ گئے ہمارے ساتھ نہیں آسکے وہ بھی ثواب میں شریک ہیں،صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ جب وہ ہمارے ساتھ شریک نہیں تو ثواب میں کیسے شریک ہوگئے فرمایا اپنی سچی نیت کی بدولت۔(۳)اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوان کی سچی نیت کی وجہ سے غزوۂ بدر کے شرکائے مجاہدین میں شریک فرمایا،مستحق ثواب ہوئے اور مال غنیمت سے حصہ پایا حالانکہ اپنی زوجۂ مکرمہ حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی تیمارداری کی وجہ سے غزوۂ بدر میں شریک نہ ہوسکے تھے مگر صدق نیت کی بدولت ثواب وغنیمت میں شریک رہے۔(۴)اسی لئے دوسری حدیث میں ارشادفرمایا'نیة المومن خیر من عمله ،مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے،وہ اس طرح کہ نیت پر ثواب بلاشرط ہے اور عمل پر بشرط نیت ، نیز نیت میں کوئی مشقت نہیں اور عمل میں مشقت ہے ۔نیز عمل بڑی مشقت کے ساتھ کیا لیکن ریا وعجب کا اس میں دخل ہوگیا لیکن نیت میں ریا اور دکھاوا کا تصور نہیں ہوسکتا کہ نیت فعل باطن کا نام ہے(۵)حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

"من توضأ فأحسن الوضوء،ثم خرج عامداً إلى الصلاة فانهٗ فى صلاة ما كان يعمد إلى الصلاة،و انهٗ يكتب لهٗ با حدى خطوتيه حسنة و يمحى عنه بالأخرى سيئة ،فاذا سمع أحدكم الاقامة فلا يسع فان أعظمكم أجرا أبعدكم داراً،قالوا لم يا ابا هريرة ؟ قال : من اجل كثرة الخطا من حين يخرج احدكم من منزله الى مسجدى ،فرجل تُكتبُ لهٗ حسنة و رِجل تحط عنه سيئة ،حين يرجع ،اذا توضأ احدكم فى بيته ثم اتى المسجد كان فى صلاة حتىٰ يرجع"[ابن خزيمة،ابن حبان،الحاكم]

یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشادفرمایا ہے کہ جواچھے طریقے سے (بطریق مسنون)وضوکرے پھر نماز کے ارادے سے نکلے تو وہ نماز ہی میں ہے جب تک نماز کا ارادہ کئے ہوئے ہے اور بیشک اس کے ایک قدم کے بدلے نیکی لکھی جائے گی اور اس کے

دوسرے قدم کے بدلے برائی مٹادی جائے گی پس جب تم میں سے کوئی اقامت سنے تو دوڑے نہیں اس لئے کہ تم میں سے سب سے زیادہ اجر والا وہ ہے جس کا گھر زیادہ دور ہے، لوگوں نے عرض کیا ایسا کیوں؟ اے ابوہریرہ فرمایا کثرت قدم کی وجہ سے، جس وقت سے تم میں کا کوئی اپنے گھر سے (نماز کے لئے) مسجد کی طرف نکلتا ہے تو اس کے لوٹنے کے وقت تک ایک قدم کے بدلے نیکی لکھی جاتی ہے اور دوسرے قدم کے بدلے اس کی خطا مٹادی جاتی ہے، جب تم میں کا کوئی اپنے گھر میں وضو کرے پھر مسجد آئے تو وہ لوٹنے تک نماز ہی میں ہوتا ہے۔ اس حدیث پاک سے بھی نیت وارادہ کی برکت واضح ہوتی ہے کہ بندۂ مومن جب نماز کی نیت کر کے گھر سے مسجد کے لئے نکلتا ہے تو اس کو نماز کا ثواب ملنا شروع ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی بندہ فعل قبیح کے ارتکاب کی نیت کر لیتا ہے تو وہ صرف اس کی نیت پر مواخذہ نہیں فرماتا جب تک کہ فاعل اس کا ارتکاب نہیں کر لیتا ہے۔

(۶) اسی طرح حج وعمرہ اور جہاد کے بارے میں ارشاد فرمایا۔

ابویعلیٰ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو حج کے لئے نکلا اور مر گیا قیامت تک اس کے لئے حج کرنے والے کا ثواب لکھا جائے گا اور جو عمرہ کے لئے نکلا اور مر گیا اس کے لئے قیامت تک عمرہ کرنے والے کا ثواب لکھا جائے گا اور جو جہاد میں گیا اور مر گیا قیامت تک غازی کا ثواب لکھا جائے گا۔ اس میں بھی نیت ہی کی برکتیں کارفرما ہیں۔

(۷) سو انسانوں کا قاتل بھی توبہ کرنے کی نیت کر لینے سے بخش دیا گیا ہے، بزبان عام وخاص یہ حدیث بہت مشہور ہے جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

''عن ابی سعیدِ الخدری قالَ، قال رسولُ اللہ ﷺ کان فی بنی اسرائیلَ رجلٌ قتلَ تِسعةَ و تسعینَ انساناًثم خرجَ یَسئلُ فَاَتیٰ راھباًفسالَہٗ فقالَ أَلَہٗ توبۃٌ قالَ لا فَقَتَلَہٗ و جعلَ یَسأَلُ فقالَ لہٗ رجلٌ اِیتِ قَریَۃَ کذا و کذا فادرَکَہُ الموتُ فنَاءَ بِصدرِہٖ نَحوَھا فاختصمَتْ فیہ ملائکۃُ الرحمۃِ وَ ملائکۃُ العذابِ فَاَوحیٰ اللہُ الیٰ ھٰذہٖ اَنْ تقرَّبِی و الیٰ ھٰذہٖ اَنْ تباعِدیٖ

فَقَال قِیسوُ ابینھما فوُ جِدالیٰ ھٰذہٖ اقرب بِشِبرٍ فغُفِرَ لہٗ" [متفق علیہ]۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے ننانوے لوگوں کو قتل کر دیا تھا پھر مسئلہ پوچھنے نکلا تو ایک پادری کے پاس پہنچا اس سے پوچھا کہ کیا اس کی توبہ قبول ہوسکتی ہے وہ بولا نہیں اس نے اسے بھی مار ڈالا اور مسئلہ پوچھتا پھرا، پھر اسے کسی نے بتایا کہ فلاں بستی میں چلا جا اسی حال میں اسے موت آ گئی تو اس نے اپنا سینہ اس بستی کی طرف کر دیا اس کے متعلق رحمت وعذاب کے فرشتوں میں اختلاف ہو گیا (یعنی اس قاتل شخص کی بالکل بیچ راستے میں موت ہوگئی اس کی روح کو لینے کے لئے رحمت کے فرشتے بھی آ گئے اور عذاب کے بھی۔ عذاب والے فرشتے کہتے تھے کہ یہ ہمارا ہے کہ سو انسانوں کا قاتل ہے اور رحمت والے فرشتے کہتے تھے کہ یہ ہمارا ہے کہ توبہ کی نیت سے جارہا تھا) پس اللہ تعالیٰ نے اس بستی کی زمین کی طرف حکم بھیجا کہ قریب آجا اور اس بستی کی طرف کہ دور ہوجا، پھر فرمایا کہ ناپو تو وہ اس بستی کی طرف ایک بالشت قریب پایا گیا چنانچہ اس کی مغفرت کر دی گئی۔ اس حدیث پاک سے ظاہر ہے کہ نہ یہ کہ توبہ بلکہ توبہ کی نیت وارادہ سے بھی مغفرت ہوجاتی ہے۔

(۸) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا "جس نے خوشبو کا استعمال نیت صادق سے کیا تو قیامت کے دن اس کی خوشبو مشک کی خوشبو سے بہتر ہوگی اور جس نے نیت فاسد سے خوشبو کا استعمال کیا تو روز قیامت اس کی بدبو مردار سے بدتر ہوگی"۔

(۹) ایک دوسری حدیث میں نیت فاسد کے مفاسد کو بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا "جب دو مسلمان تلواریں لے کر لڑیں اور ایک دوسرے کو قتل کرے تو قاتل ومقتول مستحق جہنم ہیں عرض کیا گیا یا رسول اللہ قاتل تو قتل کرنے کے سبب دوزخ کا سزاوار ہے لیکن مقتول کس لئے! فرمایا مقتول دوزخ کا مستحق اپنی نیت فاسد کی بنا پر ہوا کہ وہ بھی قاتل کے قتل کا ارادہ کر چکا تھا مگر اپنے ارادہ میں کامیاب نہ ہوسکا۔

(۱۰) بنی اسرائیل میں ایک شخص بھوک کی حالت میں ریت کے ٹیلوں کے پاس سے گذرا، ٹیلوں کو دیکھ کر دل میں کہنے لگا اگر ان ٹیلوں کے برابر میرے پاس غلہ ہوتا تو میں رضائے الٰہی حاصل کرنے کی غرض سے سب کا سب لوگوں پر تقسیم کر دیتا، اس عہد کے نبی علیہ السلام پر وحی آئی کہ اس شخص سے فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارا صدقہ قبول فرما لیا ہے اور تمکو نیت صادق کی بنیاد پر ان ٹیلوں کے برابر غلہ صدقہ کرنے کا ثواب عطا ہوا [احیاء العلوم بحوالہ بشیر القاری]

(۱۱) خلوص نیت کی برکت اور فساد نیت کی نحوست کے سلسلے میں ایک عابد کا واقعہ بھی مشہور ہے وہ یہ کہ ایک عابد زمانۂ دراز سے عبادت الٰہی میں مشغول تھا اس کو کچھ لوگوں نے خبر دی کہ فلاں مقام پر ایک درخت ہے جس کی بعض لوگ پرستش کرتے ہیں وہ عابد یہ سن کر غضبناک ہو گیا اور کلہاڑا لیکر چل دیا کہ اس درخت کو کاٹ ڈالے گا سامنے سے پیرانہ شکل میں شیطان آکر کہنے لگا کہ حضرت کہاں کا ارادہ فرما لیا، عابد نے کہا کہ ایک درخت کو کاٹنے جا رہا ہوں جس کی کچھ لوگ پرستش کرتے ہیں شیطان نے کہا آپ کو اس سے کیا مطلب ، اپنی عبادت ترک کر کے بیہودہ کام میں مصروف ہو گئے عابد نے کہا میرے لئے یہ بھی عبادت ہے شیطان نے کہا میں تو درخت کاٹنے کے واسطے آپ کو نہ جانے دونگا یہ کہہ کر آمادہ بجنگ ہو گیا عابد نے اس کو پکڑ کر زمین پر دے مارا اور سینہ پر سوار ہو گیا، شیطان بولا کہ مجھے چھوڑ دو تا کہ میں آپ سے ایک بات کہوں عابد نے چھوڑ دیا شیطان نے کہا اللہ تعالیٰ نے اس درخت کا قطع کرنا آپ پر فرض نہیں کیا اگر آپ اپنی عبادت میں مشغول رہیں اور اس درخت کو قطع نہ کریں تو آپ پر کوئی گرفت نہ ہوگی ، زمین پر ذمہ دار ہستیاں انبیاء کرام موجود ہیں اگر اللہ تعالیٰ کو یہی منظور ہے تو ان کو حکم فرمائے گا آپ سے کیا تعلق؟ عابد نے کہا مجھے اس درخت کا قطع کرنا ضروری ہے شیطان پھر آمادۂ پیکار ہوا عابد نے پکڑ کر زمین پر دے مارا اور سینہ پر چڑھ بیٹھا جب شیطان نے دیکھا کہ میں اپنی طاقت سے اس کو زیر نہ کر سکونگا اور ہاتا پائی سے کامیابی حاصل نہ ہوگی تو بولا اچھا میں ایک اور بات پیش کرنا چاہتا ہوں جو میرے اور آپ کے درمیان فیصلہ کن ہوگی اور آپ کے حق

میں بہتر بھی۔اور درخت کاٹنے سے زیادہ نفع بخش،اگر آپ کو مرغوب ہوتو پیش کروں،عابد نے کہا کہیئے وہ کیا ہے شیطان بولا مجھے چھوڑ دیجئے پھر کہونگا عابد نے اس کو چھوڑ دیا تو بولا آپ تنگ دست ہیں لوگوں پر آپ کا بار ہے عابد نے کہاہاں صحیح ہے بولا اگراس ارادے کوترک فرمائیں تو میں ہر شب آپ کے سرہانے دواشرفیاں رکھ دیا کرونگا،صبح ہوتے ہی آپ انہیں لے لیا کریں پھر جو جی چاہے کریں اپنی اوراپنے اہل وعیال کی حوائج وضروریات میں صرف کیجئے اوراپنے دینی بھائیوں کی مدد فرمایئے،محتاجوں کی دستگیری کیجئے اس میں آپ کے لئے بھی منفعت ہے اور مسلمانوں کے واسطے بھی فلاح اور بہبودی ہے،درخت کاٹنے سے مسلمانوں کو کیا فائدہ پہنچے گا اور پرستش کرنے والوں کو کیا نقصان،وہ پھر دوسرا درخت لگا دینگے،شیطان کی یہ گفتگوسن کر عابد کامل غور وخوض کے بعد دل ہی دل میں کہنے لگا کہ شیخ نجدی نے سچ کہا میں نبی نہیں ہوں حتیٰ کہ مجھ پر اس درخت کا قطع کرنا واجب ہو نہ اللہ تعالیٰ نے مجھے قطع کرنے پر مامور فرمایا ہے کہ قطع نہ کرنے سے مجرم قرار پاؤں میرا یہ ارادہ خود بخود تھا اور درخت کا باقی رہنا مسلمانوں کے لئے مضرت رساں بھی نہیں اس لئے شیخ نجدی کا مشورہ زیادہ منفعت رساں ہے،بالآخر عابد نے شیطان کا مشورہ تسلیم کرلیا اور معاہدہ کر کے اپنی عبادت گاہ پر واپس آیا،پہلی شب میں سوکر اٹھا تو دواشرفیاں سرہانے پائیں پھر دوسری شب میں بھی دواشرفیاں ملیں،تیسری شب اور چوتھی شب میں کچھ نہ ملا تو غصہ میں بھر گیا اور کلہاڑی لے کر درخت کاٹنے چل دیا اور کہنے لگا کہ دنیا فوت ہوگئی تو آخرت ہاتھ سے کیوں جائے،پھر شیطان بصورت شیخ سامنے آیا اور بولا کہاں کا ارادہ فرمالیا،عابد نے کہا اسی درخت کو کاٹنے جارہاہوں،شیطان بولا تو جھوٹا ہے بخدا اب تجھ کو اتنی قدرت نہیں،عابد نے پہلے کی طرح شیطان کو پکڑ کر زمین پر گرانا چاہا شیطان بولا اب یہ چیز کوسوں دور ہوگئی ع۔۔ایں خیال ست ومحال ست وجنوں۔یہ کہہ کر عابد کو پکڑ کر زمین پر پٹخا اور سینہ پر چڑھ بیٹھا اور کہنے لگا اس ارادے سے بعض آجاؤ ورنہ ذبح کر دونگا عابد نے دیکھا کہ مجھ میں اب اس کے مقابلہ کی طاقت نہیں تو بولا کہ تونے مجھ پر قابو پالیا مجھے چھوڑ دے اور یہ بتا کہ پہلی مرتبہ میں تجھ پر کس طرح غالب آیا اور اس مرتبہ

تجھ کوغلبہ کیوں کر ہوا، شیطان نے کہا پہلی مرتبہ تیری نیت صادق تھی اور تو اللہ کے لئے غضبناک ہوا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے مجھ کومسخر فرمادیا اور تو مجھ پر غالب آ گیا تھا اور اِس مرتبہ تیری نیت فاسد تھی اور تیرا غضب اپنے نفس کے لئے تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے تجھکو مغلوب کر کے مجھکو تم پر مسلط فرمادیا۔

[قوت القلوب وغیرہ]

دنیا میں خلوص نیت کی برکت اور فساد نیت کی نحوست :۔ آخرت میں جس طرح خلوص نیت کے سبب ثواب اور فساد نیت کے سبب عقاب ہوگا اسی طرح دنیا میں بھی خلوص نیت سے برکت ہوتی ہے اور فساد نیت سے نحوست ملتی ہے جیسا کہ ذیل کے واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے اس واقعہ کو حضرت امام رازی نے تفسیر کبیر میں سورہ فاتحہ کی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے، ان سے میں نے اپنی کتاب ''الاسرار الواضحۃ فی تفسیر سورۃ الفاتحۃ'' (تفسیر سورۃ الفاتحہ) میں نقل کیا ہے، اسی کے حوالے سے ذیل میں وہ واقعہ پیش ہے۔

حکایت:۔ مروی ہے کہ بادشاہ نوشیرواں ایک روز شکار کے لئے نکلا دوران شکار ایک شکاری جانور کو پانے کے لئے اس نے دوڑ لگائی، دوڑنے میں بادشاہ ایسا مشغول ہوا کہ اپنے لشکریوں سے جدا ہو گیا اور اس کو سخت پیاس لگی پیاس بجھانے کے لئے بادشاہ ایک باغ میں پہنچا اس میں انار کے بہت سے درخت تھے اور اس باغ میں ایک بچہ تھا، بادشاہ نے بچہ سے کہا اے بچہ! مجھے ایک انار دے دو بچہ نے انار دے دیا بادشاہ نے انار سے اس کے دانے نچوڑے، اس کے دانوں سے بہت ڈھیر سا شیریں رس نکلا بادشاہ کو انار کی کثرت اور لذت نے حیرت زدہ کر دیا، دل ہی دل میں اس نے ارادہ کرلیا کہ اس انار کے باغ کو وہ اس کے مالک سے لے لیگا، پھر اس نے اس بچہ سے کہا اے بچہ! ایک دوسرا انار دے دو بچہ نے بادشاہ کو دوسرا انار دے دیا۔ اس نے پہلے کی طرح اس کے دانے نکال کر نچوڑے تو اس سے بہت کم رس نکلا، پھر اس نے پیا تو بہت ہی ترش بلکہ نقصان دہ تھا بادشاہ نے متعجب ہو کر اس لڑکا سے پوچھا کہ آخر اس انار کا جوس اتنا قلیل اور اس کا

مزہ اتنا ترش کیوں ہے؟ بچہ نے بڑی ہی سنجیدگی سے جواب دیا کہ لگتا ہے کہ اس ملک کے بادشاہ کی نیت خراب ہوگئی ہے اور اس نے ظلم کا ارادہ کرلیا ہے پس اس کے ظلم کی نحوست کی وجہ سے انار ایسا ترش مزہ ہوگیا ، یہ سن کر نوشیرواں نے دل ہی دل میں توبہ کرلیا پھر اس نے اس بچہ سے مزید ایک انار کی فرمائش کی ، بچہ نے ایک تیسرا انار دے دیا اس نے حسب سابق نچوڑ کر پیا اس کا جوس پہلے سے بہت کثیر اور مزہ بھی پہلے انار سے بہت زیادہ شیریں تھا ، نوشیرواں نے بچہ سے دریافت کیا کہ آخر اس انار کی کیفیت یکلخت کیسے بدل گئی؟ بچہ نے بھولے پن سے جواب دیا لگتا ہے اس ملک کے بادشاہ نے اپنے ظلم سے توبہ کرلیا ہے اور اس کی نیت بدل گئی ہے۔ جب نوشیرواں نے اس بچہ سے پورا واقعہ سنا تو یقین کرلیا کہ یہ اس کے قلبی احوال کے مطابق ہے اس لئے اس نے ہر قسم کے ظلم سے بالکلیہ توبہ کرلیا اور تاحیات عدل وانصاف پر قائم رہا حتیٰ کہ رہتی دنیا تک اس کا نام عدل وانصاف کرنے والوں میں شمار کیا جائے گا حضور پاک سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ میں انصاف کرنے والا بادشاہ (نوشیرواں) کے زمانہ میں پیدا ہوا۔

[الاسرار الواضحۃ فی تفسیر سورۃ الفاتحۃ، ص ۳۹۲]

اسی قسم کا ایک واقعہ بادشاہ حضرت محمود غزنوی سے بھی منقول ہے جس کو حضرت مفتی بدرالدین صاحب نے اپنی کتاب تعمیر ادب حصہ سوم میں تفسیر روح البیان کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ حضرت مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت سلطان محمود غزنوی علیہ الرحمہ بہت مشہور بادشاہ گذرے ہیں ایک مرتبہ آپ سیر کرتے ہوئے ایک ایسے دیہات میں جا پہنچے جہاں گنّے بہت زیادہ بوئے ہوئے تھے آپ نے اب تک گنّا دیکھا نہیں تھا ، جب آپ نے گنّا چوسا تو بہت پسند آیا آپ نے اپنے دل میں سوچا کہ گنّے کی پیداوار پر بھی لگان مقرر کرونگا تا کہ ہر سال ہمارے شاہی خزانے کو ایک نئی آمدنی حاصل ہوتی رہے اتنا سوچنا تھا کہ اب جو گنا آپ چوستے ہیں اس میں رس ہی نہیں ، آپ نے کسانوں سے کہا کہ لوگو! کیا بات ہے کہ اچانک گنّوں کے

رس ہی ختم ہو گئے، آپ کی بات سن کر ایک بوڑھا کسان سامنے آیا اور کہنے لگا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس ملک کے بادشاہ کی نیت بگڑ گئی ہے اس نے اپنی سلطنت میں کوئی ایسا قانون جاری کرنا چاہا ہے جس سے رعایا کو تکلیف ہو بس یہی وجہ ہے کہ گنّے کے رس خشک ہو گئے، بادشاہ تو خود آپ ہی تھے اور آپ ہی نے گنّے کی پیداوار پر لگان مقرر کرنے کا ارادہ کیا تھا بس سمجھ گئے کہ یہ میری نیت کی خرابی کا پھل ہے آپ نے فوراً دل میں توبہ کی اور ٹھان لیا کہ میں ہرگز لگان مقرر نہیں کرونگا، توبہ کرنا تھا کہ اب جو گنّا چوستے ہیں وہ رس سے بھرا ہوا ملتا ہے۔ انتیسواں پارہ سورہ ''ن والقلم'' میں زیر آیت ''اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَاۤ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ۙ﴿۱۷﴾ [آیت ۱۷] جو شان نزول مذکور ہے اس سے ظاہر ہے کہ فساد نیت کا وبال اور اس کا خسارہ اور اس کا نقصان قدیم زمانہ میں بھی ہوا ہے چنانچہ اس آیت کے شان نزول میں حضرت صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی خزائن العرفان میں رقمطراز ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ صنعاء یمن سے دو فرسنگ کے فاصلہ پر سر راہ ایک باغ تھا اس کا نام ضردان تھا اس باغ کا مالک ایک مرد صالح تھا جو باغ کے میوے کثرت سے فقراء کو دیتا تھا جب باغ میں جاتا فقراء کو بلا لیتا تمام گرے پڑے میوے فقراء لے لیتے اور باغ میں بستر بچھا دیئے جاتے جب میوے توڑے جاتے تو جتنے میوے بستروں پر گرتے وہ بھی فقراء کو دیئے جاتے اور جو خالص اپنا حصہ ہوتا اس سے بھی دسواں حصہ فقراء کو دے دیتا، اسی طرح کھیتی کاٹتے وقت بھی اس نے فقراء کے حقوق بہت زیادہ مقرر کئے تھے، اس کے بعد اس کے تین بیٹے وارث ہوئے انھوں نے باہم مشورہ کیا کہ مال قلیل ہے کنبہ بہت ہے اگر والد کی طرح ہم بھی خیرات جاری رکھیں تو تنگ دست ہو جائینگے آپس میں مل کر قسمیں کھائیں کہ صبح تڑکے لوگوں کے اٹھنے سے پہلے باغ چل کر میوے توڑ لیں، چنانچہ صبح ہوتے ہی انھوں نے ایک دوسرے کو پکارا کہ اگر تمھیں کھیتی کاٹنی ہے تو تڑکے اپنی کھیتی کو چلو تاکہ مسکینوں کو خبر نہ ہو، پس یہ لوگ صبح تڑکے اپنے باغ کی طرف چلے اور آپس میں آہستہ آہستہ باتیں کرتے چلے کہ ہرگز آج کوئی مسکین تمھارے باغ میں آنے نہ پائے

،باغ میں کسی مسکین کو آنے نہ دینگے اور تمام میوے اپنے قبضہ میں لائینگے لیکن جب باغ کے پاس پہنچے اور اسے دیکھا تو پایا کہ باغ جل کر خاکستر ہو گیا ہے اور سارے میوے تباہ و برباد ہو گئے ہیں ،اول نگاہ میں انھوں نے سمجھا کہ ہم راستہ بہک گئے ہیں کسی اور باغ پر پہونچ گئے ہمارا باغ تو بہت میوہ دار ہے ،لیکن پھر جب غور کیا اور اس کے در و دیوار کو دیکھا اور پہچانا کہ اپنا ہی باغ ہے کہ ہم مسکینوں کو نہ دینے کی نیت کر لینے کی وجہ سے محروم کر دیئے گئے ،ان میں جو سب سے غنیمت تھا بولا کیا میں تم سے نہیں کہتا تھا کہ تسبیح کیوں نہیں کرتے ،اس ارادۂ بد سے توبہ کیوں نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر کیوں نہیں بجالاتے ،آخر کار ان سب نے اعتراف کیا کہ ہم سے خطا ہوئی اور ہم حد سے متجاوز ہو گئے بیشک ہمارے رب کو پاکی ہے ہم ہی ظالم اور سرکش تھے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر نہ کیا اور باپ دادا کے نیک طریقہ کو چھوڑا ،پس انھوں نے صدق و اخلاص سے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ کے عفو و کرم پر بھروسہ کیا ،اللہ غفور رحیم نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور انھیں اس کے عوض اس سے بہتر باغ عطا فرمایا جس کا نام باغ حیوان تھا اور اس میں کثرت پیداوار اور لطافت آب وہوا کا یہ عالم تھا کہ اس کے انگوروں کا ایک خوشہ ایک گدھے پر بار کیا جاتا تھا۔

خلاصہ یہ کہ خلوص نیت کی برکت جس طرح دنیا و آخرت میں ملتی ہے اسی طرح فساد نیت کی نحوست دنیا میں اور اسکا وبال آخرت میں ہوگا۔

ہجرت:۔ ہجرت کا لغوی واصطلاحی معنی گذشتہ اوراق میں تشریح الفاظ حدیث کے ضمن میں بیان ہو چکا ہے یہاں ہم اس کے اقسام اور احکام کی قدرے تفصیل نقل کر رہے ہیں۔

ہجرت کے اقسام واحکام:۔ حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے جو ہجرت کی وہ پانچ قسم کی تھی ۔**پہلی ہجرت**، حبشہ کی طرف۔ **دوسری ہجرت**، مکہ معظّمہ سے مدینہ منورہ کی طرف۔ **تیسری ہجرت**، قبائل کی ہجرت حضور اکرم سید عالم ﷺ کی طرف۔ **چوتھی ہجرت**، اہل مکہ سے جو مسلمان ہوا اس نے مدینہ کی طرف ہجرت کی ، **پانچویں ہجرت**، اللہ تعالیٰ نے جن باتوں سے منع کیا ہے ان سے

ہجرت کی۔ بعض حضرات نے اس کے ساتھ تین ہجرتوں کا اور ذکر کیا ہے۔ اول، حبشہ کی طرف ہجرت ثانیہ کہ حضرات صحابۂ کرام نے حبشہ کی طرف دوبار ہجرت کی تھی۔ دوم، ان افراد کی ہجرت جو دار الکفر میں مقیم تھے اور اپنے ایمان کے اظہار پر قادر نہ تھے ان پر واجب تھا کہ وہ دار الاسلام کی طرف ہجرت کریں ۔سوم، وہ ہجرت جو آخری زمانہ میں ظہور فتن کے وقت شام کی طرف ہوگی جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس ہجرت کے بعد ایک اور ہجرت ہے جب کہ اہل ایمان سمٹ سمٹا کر مہاجر ابراہیم علیہ السلام (شام) میں جمع ہو جائیں گے اور زمین پر شریر افراد رہ جائیں گے (ابوداؤد)۔

صاحب نہایہ نے کہا 'مہاجر ابراہیم علیہ السلام سے ملک شام مراد ہے کیوں کہ ابراہیم علیہ السلام عراق سے ہجرت کر کے شام چلے آئے تھے۔

حدیث فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں، کا مطلب:۔ اس مقام پر یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ ہجرت کے باب میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں بظاہر معارض ہیں چنانچہ امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ہے۔

"لا ھجرۃَ بعدَ الفتحِ وَلٰکنْ جھادٌ ونیۃٌ فِاذا استَنفرْتمْ فَانفرو ا [بخاری]

یعنی فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے لیکن جہاد اور نیت ہے اور جب امام تم کو کوچ کے لئے (جہاد کے لئے) بلائے تو اس کے ساتھ کوچ کرو۔

دوسری روایت میں بایں الفاظ مروی ہے "لا ھجرۃ بعد الفتح الیوم، لا ھجرۃ بعد رسول اللہ" فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں، یا حضور اکرم ﷺ کے بعد ہجرت نہیں ہے۔

نیز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عبید بن عمر نے ہجرت کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا آج کے دن ہجرت نہیں اور مومن اپنے دین کو ساتھ لے کر اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کرتے تھے تو خوف فتنہ کی وجہ سے کرتے تھے لیکن آج کے دن تو اللہ تعالیٰ نے اسلام کو بلند فرما دیا ہے اور ایک مومن مسلمان اپنے رب کی عبادت کرتا ہے جہاں چاہتا ہے۔ اس لئے اب تو جہاد اور نیت ہی ہے ہجرت نہیں

ہے۔[بخاری]۔

بخاری ومسلم میں یہ بھی روایت ہے کہ مجاشع بن مسعود کہتے ہیں کہ میں ابی معید کو ساتھ لے کر ہجرت پر بیعت کرنے کے لئے حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا، انقرضتِ الھجرَۃ لِاَھْلِھَا، ہجرت، ہجرت کرنے والوں کے ساتھ ختم ہوگئی پھر آپ نے اسلام اور جہاد پر بیعت کی۔ انقطاع ہجرت کے مضمون کی احادیث امام احمد نے حضرت ابوسعید خدری، حضرت رافع بن خدیج اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت کی ہیں، یہ تمام احادیث اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ اب ہجرت منقطع ہے اور فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے لیکن ابوداؤد اور نسائی میں حضرت معاویہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہجرت منقطع نہ ہوگی جب تک توبہ کا دروازہ بند نہ ہو اور توبہ منقطع نہ ہوگی جب تک کہ آفتاب مغرب سے نہ نکلے۔ اسی طرح امام احمد نے ابن سعدی سے اور جنادہ ابن امیہ سے مرفوعاً روایت کی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ہجرت اس وقت تک جاری رہے گی جب تک کافر مسلمانوں سے جنگ کرتے رہیں، یا جہاد ہوتا رہے یہ اور اس مضمون کی احادیث اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ ہجرت فتح مکہ کے بعد بھی جاری ہے۔ شارحین حدیث نے اس تعارض کو دفع کرنے کے لئے متعدد جواب دیئے ہیں۔ (۱) ابن الخطابی نے فرمایا کہ وہ ہجرت جو اول اسلام میں تھی وہ فرض تھی لہٰذا جن احادیث میں انقطاع ہجرت کا ذکر ہے اس سے مراد یہی ہجرت ہے یعنی فرض ہجرت جو اول میں تھی وہ اب نہیں ہے اور فتح مکہ کے بعد جو ہجرت ہے وہ مستحب تھی لہٰذا جن احادیث میں ہجرت کے جاری رہنے کا ذکر ہے اس سے مستحب ہجرت مراد ہے۔

(۲) ابن اثیر نے فرمایا، ہجرت دو قسم کی تھی ایک تو وہ کہ لوگ حضور اکرم ﷺ کے حضور آتے تھے اور مال و اولاد سے قطع تعلق کر لیتے تھے یعنی دین کے ہی ہو کر رہ جاتے تھے اور اس پر اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ بھی فرمایا تھا، ایسی ہجرت جس کے بدلے میں جنت کا ملنا یقینی ہے، فتح مکہ کے بعد منقطع ہوگئی دوسری ہجرت وہ

ہے جو اعراب کی تھی جو مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد کرتے تھے اور اپنے وطن کو چھوڑتے تھے اور جیسے عمل اصحاب ہجرت (صحابۂ کرام) نے کئے وہ نہیں کر سکے اس کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے یہ ہجرت توبہ کے منقطع ہونے تک جاری ہے۔

(۳) علامہ عینی فرماتے ہیں ایک جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہجرت باقیہ سے مراد ہجر السیئات ہو یعنی گناہوں کو ترک کرنا اور یہ ہجرت بلا شبہ قیامت تک جاری ہے، چنانچہ متعدد احادیث اس مضمون کی ملتی ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہجرت دو قسم کی ہے ایک تو گناہوں کو ترک کر دینا، دوسری اللہ و رسول کی طرف ہجرت کرنا اور ہجرت منقطع نہ ہوگی جبتک توبہ کا دروازہ کھلا رہیگا اور توبہ اس وقت تک قبول کی جائے گی جب تک سورج مغرب سے نہ نکلے [احمد] حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص کہتے ہیں، ایک اعرابی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اس نے عرض کی حضور! ہجرت کہاں پر ہے، کس زمین پر ہے، کس قوم کے ساتھ خاص ہے، کیا آپ کے وصال کے بعد بھی ہجرت ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ دیر سکوت فرمایا پھر فرمایا جب تو نماز قائم کرے، زکوۃ ادا کرے تو مہاجر ہے اگر چہ تو یمامہ کی زمین پر انتقال کرے، دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ ''اَلهِجرَةُ اَنْ تَهجُرَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنهَا وَ مَا بَطَنَ وَ تُقِيمَ الصَّلٰوةَ وَ تُوتِي الزكٰوةَ ثُمَّ اَنْتَ مُهاجِرٌ'' یعنی ہجرت یہ ہے کہ تو ظاہری اور باطنی برائیوں سے قطع تعلق کرے، نماز قائم کرے، زکوٰۃ ادا کرے پھر تو مہاجر ہے۔

شارحین کے جوابات سے اس باب کی تمام حدیثوں میں تطبیق ہوگئی لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان احادیث میں بظاہر بھی تضاد نہیں ہے اور ہر حدیث اپنے موقع ومحل کے اعتبار سے بالکل صحیح ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ احادیث پر غور کرنے سے پہلے ہجرت کے پس منظر کو دیکھنا چاہئے۔

ہجرت کا پس منظر:۔ ا، یہ ہجرت جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف فرمائی بحکم الٰہی تھی، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی فرمایا تھا کہ اب ہجرت کا

حکم آ گیا ہے ۔ **۲**،اس ہجرت کا ذکر کتب سماویہ میں بھی تھا چنانچہ وحی کی ابتدائی کیفیت جب حضور اکرم ﷺ نے ورقہ بن نوفل کو سنائی تھی تو انھوں نے کہا تھا کہ یہ وہی ناموس اکبر ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تھا اور اے کاش! میں اس وقت زندہ رہتا جب کہ آپ کی قوم آپ کو مکہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کریگی ۔ **۳**، نیز سنت الٰہیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آخری معجزۂ عذاب اس وقت نازل فرماتا ہے جب کہ پیغمبر کو مومنین کی جماعت کو ساتھ لیکر ہجرت کا حکم دیتا ہے ایسی ہجرت ہر نبی نے کی ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نمرود کے ملک سے ہجرت کرتے ہیں فرمایا **وَ قَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّیْؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ** ،حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے ہجرت کرتے ہیں پھر جب یہ ہجرت ہو لیتی ہے تو معجزۂ عذاب آتا ہے چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام جب تک کشتی پر سوار نہ ہوئے عذاب نہیں آیا ،حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق سے نکل کر شام و مصر نہ چلے گئے عذاب نہیں آیا ،اسی طرح حضرت لوط وہود، صالح ،شعیب علیہم السلام جب تک اپنی قوموں کو لے کر الگ نہ ہوگئے عذاب نہ آیا۔ جب ان حضرات نے ہجرت کر لی تو اب عذاب نازل ہوا، بعینہ اسی سنت الٰہی کے مطابق حضور ﷺ نے بھی ہجرت فرمائی۔ کفار نے بے انتہا تنگ کیا ،مصائب وآلام کے پہاڑ توڑ دیئے ،طرح طرح کے معجزات کا مطالبہ کیا ،(معجزات دیکھنے کے بعد بھی ایمان نہ لائے بلکہ جادو کہہ کر انکار کر دیا) تو اب وہ وقت آ گیا تھا کہ کفار پر عذاب نازل ہو چنانچہ حضور پرنور ﷺ مکہ معظّمہ سے نکلے تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے **انا للہ** پڑھا تھا اور فرمایا تھا کہ اب قریش کی ہلاکت قریب آ گئی [مسند احمد] چنانچہ آیۂ قتال بھی ہجرت کے بعد نازل ہوئی اور بدر کی لڑائی بھی جو دراصل معجزۂ عذاب تھا جس میں مسلمانوں کو شاندار فتح اور کافروں کو زبردست شکست ہوئی تھی جس کی تفصیل سورۂ انفال میں ہے وہ بھی ہجرت کے بعد ہی ظہور پذیر ہوئی ، بہر حال حضور اکرم ﷺ نے مکہ معظّمہ سے جو ہجرت فرمائی یہ سنت الٰہی کے مطابق تھی اور ہر نبی کو ایسی ہی ہجرت کرنی ہوتی ہے (اس تفصیل سے یہ نتیجہ نکلتا ہے ایسی ہجرت جو نبی کریم ﷺ نے کی یا نبی ﷺ کی حیات ظاہری میں صحابہ نے کی وہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات ظاہری کے ساتھ خاص تھی اب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ایسی ہجرت نہیں ہوسکتی اس لئے ارشاد فرمایا "لَا ھِجرَۃَ بَعدَ الفتح لَا ھِجرَۃَ بَعدَ رسولِ اللہِ")۴، پھر اس ہجرت کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ ہجرت کرنے والے انتہائی مخلص تھے اور ان کو ہجرت پر برانگیختہ کرنے والی چیز رضائے الٰہی کے سوا اور کچھ نہ تھی ۔ اس امر کا اندازہ یوں بھی کیجئے کہ مکہ میں اسلام غریب تھا کفار نے مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا تھا وطن اور مال واولاد سے کس کو محبت نہیں ہوتی پھر بظاہر ایسے حالات بھی نہ تھے جن سے یہ امید باندھی جائے کہ ہجرت کے بعد مسلمانوں کو غلبہ ہوگا مگر صحابۂ کرام کا خلوص و للّٰہیت دیکھئے کہ انھوں نے بلا کسی حرص وطمع کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ دیا، وطن عزیز کو چھوڑا، مال ودولت، اہل وعیال، رشتہ دار سب کو رسول پر قربان کر دیا، ایسی خصوصیت والی ہجرت، ایسے پاکیزہ نفوس کی ہجرت اور اس خلوص وللّٰہیت کے ساتھ ہجرت واقع میں بے مثال تھی، یقینا یہ ہجرت مقبول ہجرت تھی اس کے متعلق یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اللہ عزوجل نے ان مہاجرین کی ہجرت کو قبول فرمالیا اور اللہ تعالیٰ ان حضرات سے حتماً یقیناً راضی ہوگیا پس ایسی ہجرت جس کے ثواب میں جنت اور رضائے الٰہی کا حصول یقینی ہے بلاشبہ فتح مکہ کے بعد ختم ہوچکی اور اب قیامت تک ایسی ہجرت نہیں ہوسکتی غرض ایسی ہی ہجرت کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "لَا ھِجرۃَ بَعدَ الفتح" یعنی یہ مخصوص ہجرت اب منقطع ہوچکی ہے البتہ ایسا ہوتا رہیگا کہ مسلمانوں کو ہجرت کرنی پڑے اور یہ اس وقت تک جاری رہے گی جب تک کہ اسلام کے مقابلہ میں کفر موجود ہے مگر اس ہجرت کا حال یہ ہے کہ اگر خلوص نیت کے ساتھ ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے ہے تو ثواب ملے گا مگر اس دنیا میں اس کے متعلق قطعی حکم نہیں دیا جاسکتا کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے قبول بھی فرمالیا، اس کے برعکس مکہ معظّمہ سے مدینہ طیبہ والی ہجرت ہے جو، اب نہیں ہے اور جن احادیث میں ہجرت کا ذکر ہے اگر ان پر غور کیا جائے تو تضاد واختلاف کے لفظ کے استعمال کی ضرورت نہیں رہتی ۔

دوسری توجیہہ:۔ حدیث "لا ھجرۃَ بعدَ الفتحِ" سے یہ مراد لینا کہ فتح مکہ کے بعد ہمیشہ کے لئے

ہجرت شرعی ختم ہوگئی صحیح نہیں، اس لئے کہ اس حدیث پاک میں غور کرنے سے جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جس طرح فتح مکہ سے قبل مدینہ طیبہ چلے آنے والے مسلمان مہاجر سمجھے جاتے تھے اور ان کو ہجرت کا ثواب ملتا تھا، اس طرح اب فتح مکہ کے بعد، مکہ سے مدینہ آنے والے مسلمان مہاجر نہیں سمجھے جاسکتے کیوں کہ اب مکہ و مدینہ دونوں دارالاسلام ہوگئے ہیں اور ہجرت شرعی کے اسباب وعلل میں سے کوئی بھی سبب اب موجود نہیں رہا، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسا نہ فرماتے تو ہوسکتا تھا کہ بعض لوگ فتح مکہ کے بعد بھی ثواب ہجرت حاصل کرنے کے لئے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے لگتے پس ان کی تنبیہ وتفہیم کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اب فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے یعنی اب مکہ سے مدینہ آکر رہنے والے افراد مہاجر نہیں ہوسکتے کیوں کہ ہجرت کی تعبدی نوعیت وحقیقت کا تعلق مکہ اور مدینہ کے شہروں کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ان خاص حالات سے ہے جن میں ہجرت ہوتی ہے اور یہ حالات کسی بھی ملک میں موجود ہوں حکم ہجرت نافذ ہوجائے گا اور جب یہ حالات ختم ہوجائیں گے تو مکہ اور مدینہ سے حکم ہجرت اُٹھ جائے گا۔

تیسری توجیہہ:۔ حدیث ''لَا هِجرَةَ بَعدَ الفتح'' کی ایک توجیہہ یہ بھی کی جاسکتی ہے کہ اس حدیث میں ہجرت کی نفی، مکہ معظّمہ کے ساتھ خاص ہے معنیٰ یہ ہوگا کہ اب بعد فتح مکہ، مکہ سے ہجرت نہیں ہوسکے گی کہ مکہ دارالاسلام ہوگیا اور یہ اب ہمیشہ دارالاسلام ہی رہے گا چنانچہ حدیث پاک میں اس طرف واضح اشارہ موجود ہے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے مسند احمد میں ہے۔

''عن زید بن یثیع عن ابی بکرٍ رضی الله عنه اَن النبیَ صلی اللہ علیہ وسلم بَعثَهٗ بِبرأة لِاَهلِ مَكةَ اَنْ لا يَحُجّ بعدَ العامِ مُشرکٌ وَ لا یطوف بالبیتِ عُریانٌ و لا یدخل الجنةَ الّا نفسٌ مسلمةٌ'' زید بن یثیع حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سورۂ برأت والی آیت دے کر اہل مکہ کی طرف بھیجا تاکہ وہ وہاں یہ اعلان کردیں کہ امسال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرسکے گا، نہ کوئی آدمی برہنہ حالت میں بیت اللہ کا طواف کریگا اور یہ کہ جنت میں صرف مسلمان ہی داخل ہوگا۔ اور سورۂ برأت کی آیت جسے صدیق اکبر لے کر

گئے تھے وہ یہ ہے ۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ اے ایمان والو مشرک نرے (بالکل) ناپاک ہیں تو اس برس کے بعد وہ مسجد حرام کے پاس نہ آنے پائیں۔ [سورہ توبہ/آیت ۲۸]۔

نہ یہ کہ صرف حدیث پاک بلکہ قرآن حکیم کے ارشاد سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اب ۰۹ھ کے بعد کوئی کا فر ومشرک مکہ معظّمہ میں داخل نہ ہو سکے گا، پس جب واقعہ یہ ہے کہ اب کوئی کافر ومشرک مکہ معظّمہ میں داخل نہ ہو سکے گا تو واضح ہے کہ اب اسلام ہی اسلام رہے گا کبھی کفر وشرک کا تسلط اور غلبہ نہ ہوگا اس لئے اب وہاں سے کسی مسلمان کو اپنے ایمان وجان کی حفاظت کے لئے کسی دوسری جگہ ہجرت کرنے کی ضرورت ہی نہ ہوگی اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے " لَا هِجرَةَ بَعدَ الفتح "فرمایا، یعنی فتح مکہ کے بعد اب خاص مکہ سے ہجرت نہ ہوگی رہا دوسرے شہر یا ملک تو اس سے ہجرت کا سلسلہ جاری رہے گا اس طرح دونوں حدیثوں کا معنی بالکل صحیح ہو جاتا ہے اور کسی قسم کا تضاد بھی نہیں رہ جاتا۔ یہ تقریر اس تقدیر پر ہے کہ ہجرت کی نفی سے مراد خاص مکہ معظّمہ سے ہجرت کی نفی ہے دوسرے ممالک ومقامات سے نفی نہیں ہے لیکن اگر حدیث کو اپنے عموم پر رکھا جائے اور یہ مراد ہو کہ حدیث " لَا هِجرَةَ بَعدَ الفتح ' اپنے اطلاق کی وجہ سے مطلقا ہر جگہ سے ہجرت کی نفی پر دلالت کر رہی ہے تو بھی ثبوت ہجرت والی حدیث کے معارض نہیں ہے چنانچہ تعمق فکر اور غائر نظر سے آج کے ملکی و بین الاقوامی حالات وقوانین کے تناظر میں جب آپ حدیث " لَا هِجرَةَ بَعدَ الفتح ' کے معنی عموم پر غور وخوض کریںگے تو اس نتیجے تک پہنچیں گے کہ یہ حدیث اخبار غیبیہ میں سے ہے، نگاہ نبوت دیکھ رہی تھی کہ آنے والے زمانے میں ساری دنیا میں ہر ہر ملک، ملکی اور بین الاقوامی، قوانین کے بندھن میں اس طرح جکڑ جائے گا اور خود ہر ملک اپنے افواج وسلاح کے ذریعے اپنے ملک کی سرحدوں کی ایسی سخت حفاظت ونگرانی کریںگے اور اپنے افواج وآلات کے ذریعے اپنی زمین اور فضائی حدود کی اس طرح ناقہ بندی کریں گے کہ کوئی انسان تو درکنار، کسی ملک کا کوئی پرندہ بھی دوسرے ملک کے فضائی حدود میں پر نہیں مارسکتا ہے۔ جب پوری دنیا میں آنے جانے کی اتنی سخت رکاوٹ ہے کہ بغیر اس ملک سے ویزا حاصل کئے داخلہ ممنوع ہے کوئی آدمی دار الحرب سے دار الاسلام میں، بلکہ دار الحرب سے دار الحرب میں، حتیٰ دار الاسلام سے دار الاسلام میں بھی نہیں جا سکتا ہے کوئی چلا جائے تو ملک

کے سرحد پر مارا جائے گا یا گرفتار ہو کر قید و بند کی سلاخوں میں تا عمر مبتلا رہے گا جب حالات ایسے ہیں تو دارالحرب سے کوئی مسلمان، دارالاسلام کی طرف کیسے ہجرت کرسکتا ہے ہم سمجھتے ہیں انھیں حالات کے پیش نظر غیب داں اور غیب نظر پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "لَا ھِجرَۃَ بَعدَ الفتح "یعنی فتح مکہ کے بعد اب اختیاری اور آزادانہ ہجرت ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف نہ ہو سکے گی، البتہ اسی ملک میں ایک شہر سے دوسرے شہر، ایک اسٹیٹ سے دوسرے اسٹیٹ یا ایک جگہ سے دوسری جگہ ہجرت کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا یا پھر اس ملک سے دائمی سکونت کا ویزا حاصل کر کے ہجرت کرسکتا ہے حالانکہ ان دنوں یہ بھی مستبعد ہے بہر حال میری ناقص فہم کے مطابق آج کے حالات کے تناظر میں ہجرت کے ثبوت و نفی والی دونوں حدیثوں کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہے واللہ تعالیٰ ورسولہ اعلم بالصواب۔

حدیث اِنَّمَا الاَعمَالُ بالنِّیاتِ کے مسائل اور ائمہ کا اختلاف

اس حدیث پاک کے پیش نظر حضرات ائمہ ثلاثہ یعنی امام شافعی، امام مالک، اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم نے وضو و غسل میں نیت کو فرض اور ضروری قرار دیا ہے وہ فرماتے ہیں ہیں کہ الاعمال میں الف لام استغراقی ہے جو تمام اعمال، وضو و غسل، نماز و روزہ اور حج و زکوٰۃ کو شامل ہے لہٰذا نیت ان سب میں فرض ہوگی ان کے نزدیک تقدیر عبارت یہ ہے "صحۃ الاعمالِ بالنیات "یعنی اعمال کی صحت کا تعلق نیتوں سے ہے جس سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ اگر کسی شخص نے بغیر نیت کے وضو کر لیا تو ان ائمہ کرام کے نزدیک وضو صحیح نہ ہوگا پس اس وضو سے اس کی نماز درست نہ ہوگی۔

ائمہ ثلٰثہ کے برخلاف امام الائمہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی حدیث سے وضو میں نیت کو سنت قرار دیا ہے، فرماتے ہیں حدیث میں تقدیر عبارت یہ ہے "ثواب الاعمال لایکون الا بالنیۃ" یعنی عملوں کا ثواب بغیر نیت کے نہیں ملے گا لہٰذا اگر کسی شخص نے بغیر نیت وضو یا غسل کر لیا تو حضرت امام کے نزدیک اس کا وضو و غسل ہو جائے گا اور اس سے نماز بھی صحیح ہو جائے گی البتہ وضو و غسل کا ثواب نہیں ہوگا کہ ثواب اس وقت ملے گا جب نیت عبادت کرلے ۔حضرت امام اعظم فرماتے ہیں کہ جن کاموں سے ثواب متعلق ہوتا ہے وہ دو قسم پر ہیں ایک عبادت مقصودہ جیسے نماز و روزہ اور حج و زکوٰۃ وغیرہ، دوسری عبادت غیر مقصودہ جیسے وضو و غسل وغیرہ۔ عبادت مقصودہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ عبادت جو کسی دوسری

عبادت کے لئے ذریعہ اور وسیلہ نہ ہو جو بالذات عبادت ہو اس کا مقصود ہی ثواب ہو اگر ثواب کو اس سے علیحدہ کرلیا جائے تو اس کا مقصد ہی فوت ہو جائے مثال کے طور پر نماز کو لیجئے کہ یہ عبادت مقصودہ ہے اس کا مقصد ہی ثواب ہے اور یہ کسی دوسری عبادت کے لئے ذریعہ و آلہ نہیں ہے چنانچہ جب بھی نماز کے افعال ادا کئے جائیں گے تو ثواب اس سے ضرور متعلق ہوگا کہ نماز و روزہ اور حج و زکوٰۃ کی حقیقت ہی ثواب ہے اس لئے ان میں نیت فرض ہے بغیر نیت چاہے آپ لاکھ نماز پڑھیں، نماز صحیح نہ ہوگی اور نہ ثواب ملے گا۔

اس کے برعکس عبادات کی دوسری قسم عبادات غیر مقصودہ ہیں جن کی حقیقت ثواب نہیں ہوتی بلکہ وہ عبادات مقصودہ کے لئے ذریعہ اور آلہ و وسیلہ ہوتی ہیں جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ثواب کو اگر اس سے علیحدہ بھی کرلیا جائے تو بھی عبادت مقصودہ کے لئے آلہ رہتی ہیں مثال کے طور پر وضو و غسل ہی کو لے لیجئے فی نفسہ ان کی حقیقت محض ثواب نہیں ہے بلکہ وضو ذریعہ بنتا ہے نماز کا، یعنی اصل چیز نماز ہے اور وضو نماز کے لئے آلہ و ذریعہ ہے تو اگر بغیر نیت کے وضو کرلیا تو بھی وضو صحیح ہو جائے گا اور نماز کے لئے آلہ بن جائے گا گو کہ اس وضو پر ثواب نہیں ملے گا۔

شبہ:۔ اس مقام پر کسی کو یہ شبہ پیدا ہوسکتا ہے کہ نیت اور عدم نیت کا یہ اختلاف فضول معلوم ہوتا ہے کیوں کہ جو شخص وضو و غسل کرتا ہے تو ارادہ ہی سے کرتا ہے چونکہ جب ارادہ ہوتا ہے جبھی تو کرتا ہے اور یہ ارادہ ہی نیت ہے اس لئے نیت و عدم نیت کی بحث بلا وجہ ہے؟

جواب:۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ نیت سے مراد کسی کام کرنے کا صرف ارادہ نہیں ہے بلکہ نیت سے ہماری مراد یہ ہے کہ کسی کام کو ثواب کی نیت سے کرنا اور یہ اسی وقت مل سکتا ہے جب ثواب کی نیت سے کیا جائے، مثال کے طور پر زید بے وضو تھا راستہ چل رہا تھا راستے میں اتفاقاً بارش ہوگئی، آب باراں سے اس کا پورا بدن شرابور ہوگیا اس کے اعضائے وضو بھی دھل گئے پس ایسی صورت میں زید کا قصد نہیں ہے مگر اس کا وضو ہوگیا کہ اس کے اعضائے وضو دھلے چلے گئے، اس وضو سے اگر اس نے نماز پڑھ لی تو حضرت امام اعظم کے نزدیک اس کی نماز ہو جائے گی کہ صحت وضو کے لئے امام کے نزدیک نیت ضروری نہیں ہے، لیکن امام شافعی کے نزدیک چونکہ نیت ضروری ہے اور بارش کے پانی سے بدن دھل جانے کے وقت چونکہ نیت نہیں

پائی گئی اس لئے وضودرست نہ ہوااس لئے نماز بھی صحیح نہ ہوگی۔

قوی شبہ:۔ یہ شبہ بہت ہی قوی اورمشہور ہے جو عام طور پر شوافع کی طرف سے احناف پر کیا جا تا ہے اور وہ یہ ہے کہ تیمم بھی تو عبادت غیر مقصودہ ہے جو پانی نہ ہونے یا پانی پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں وضو کے قائم مقام ہے اور صحت نماز کے لئے وسیلہ اور آلہ ہے تو اس میں بھی حضرت امام اعظم کے نزدیک نیت ضروری نہیں ہونی چاہئے حالانکہ امام اعظم کے نزدیک تیمم بغیر نیت کے درست نہیں ہوتا؟

جواب:۔ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ تیمم میں جو نیت فرض ہے وہ حصول ثواب کے لئے نہیں ہے بلکہ تیمم کو وضو کے قائم مقام کرنے کے لئے ہے، بلفظ دیگر جواب یہ ہے کہ تیمم کے معنی ہی میں قصد وارادہ ملحوظ ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ''فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا''یعنی پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی کا قصد کرو۔غرض کہ تمم کا معنی ہی قصد کرنا ہے اس لئے تیمم کے لئے امام اعظم کے نزدیک بھی نیت ضروری ہے اور وضو میں نیت ضروری نہیں اس لئے کہ آیت وضو میں کہیں نیت کا ذکر نہیں ،۔

وجہ فرق:۔ وضو میں نیت ضروری نہ ہونے اور تیمم میں نیت ضروری ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سی ایسی اشیاء پیدا کی ہے کہ آدمی نیت کرے نہ کرے وہ جس کام کے لئے پیدا کی گئی ہیں وہ اپنا اثر ضرور دکھائیں گی جیسے آگ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو جلانے کے لئے پیدا کیا ہے اب اگر کوئی نیت کرے نہ کرے جب جب کسی آدمی کے بدن سے مس کریگی ضرور جلائے گی اس میں نیت کا دخل نہیں ہے ،اسی طرح پانی بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو پاک کرنے کے لئے پیدا کیا ہے ارشاد الٰہی ہے '' وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾ ''اور ہم نے آسمان سے پانی اتارا پاک کرنے والا۔اس لئے پانی آدمی کے بدن سے جب جب مس کرے گا اسے پاک کردے گا پاکی حاصل کرنے کی نیت کرے خواہ نہ کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے پاک کرنے کے لئے پیدا کیا ہے جیسے آگ کو جلانے کے لئے پیدا کیا ہے۔اس کے برعکس مٹی کو اللہ تعالیٰ نے پاک کرنے کے لئے نہیں پیدا کیا لہٰذا جب اس کو پاکی حاصل کرنے کے لئے استعمال

کیا جائے گا تو نیت کرنے کی ضرورت ہوگی۔

واضح رہے کہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ اسی حدیث سے طلاق، عتاق اور تمام اعمال میں نیت کو شرط قرار دیتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ صحت اعمال شرع میں نیت پر موقوف ہے لہٰذا تمام اعمال دینیہ خواہ وہ اقوال ہوں یا افعال، فرض ہوں یا نفل، سب کے درست اور شرعا معتبر ہونے کے لئے نیت ضروری ہے پس اگر کسی شخص نے بغیر نیت کے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو ان کے نزدیک یہ طلاق واقع نہ ہوگی۔ لیکن حضرت امام اعظم کے نزدیک حدیث انّما الاعمال بالنّیات کا ظاہری مفہوم اگرچہ یہ ہے کہ اعمال کا وجود بغیر نیت کے ہو ہی نہیں سکتا مگر یہ معنی بالاجماع مراد نہیں ہے بلکہ متروک ہے چونکہ یہ بات بدیہی ہے کہ بہت سے اعمال کا وجود بغیر نیت کے بھی ہوجاتا ہے چنانچہ شریعت مطہرہ نے بھی ان اعمال کو بغیر نیت کے صحیح اور درست قرار دیا ہے مثلاً قرض ادا کرنا، ودیعت واپس کرنا، اذان، تلاوت قرآن مجید، وردِ وَظائف، اراءۃ الطریق اور راستہ سے تکلیف دہ چیز کا ہٹا دینا وغیرہ اعمال عبادت ہیں اور بغیر نیت کے بھی صحیح ہوجاتے ہیں تو اسی طرح طلاق وعتاق بھی بغیر نیت کے صحیح ہونے چاہئیں، پھر یہ کہ طلاق لفظ صریح ہے اور صریح میں نیت کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔

مقام تحقیق:۔ یہ ہے کہ حدیث اِنَّما الاَعمالُ بِالنِّیاتِ کے ظاہری معنی تو بالاجماع مراد نہیں جیسا کہ گذرا، بلکہ مجازی معنی مراد ہیں، اس صورت میں حدیث کا معنی یہ ہوگا کہ اعمال کا حکم نیت پر موقوف ہے اور حکم کی دو قسمیں ہیں ایک حکم اخروی، دوسری حکم دنیوی۔ **حکم اخروی:۔** وہ ہے جس کا تعلق آخرت سے ہے اور وہ ثواب ہے۔

حکم دنیوی:۔ وہ ہے جو دنیا سے متعلق ہے جیسے عمل کا جائز ہونا، مکروہ ہونا، فاسد ہونا اور حرام ہونا وغیرہ۔

یہ واضح ہے کہ حکم کی یہ دونوں قسمیں آپس میں متضاد ہیں کیوں کی اول کی بنیاد صدق ارادہ اور خلوص نیت پر ہے اگر نیت پائی گئی تو ثواب ملے گا ورنہ نہیں۔ اس کے برعکس دوسری قسم کا مبنیٰ یہ ہے کہ اس عمل کے

ارکان وشرائط پائے گئے یانہیں تاکہ اس کی صحت یا عدم صحت کا حکم کیا جائے خواہ اس میں نیت ہو یا نہ ہو۔تو جب لفظ حکم دو قسم پر مشتمل ہوا تو اس کا مطلب ہوا کہ لفظ حکم مشترک ہے اور مشترک میں حنفیہ کے نزدیک عموم نہیں ہوتا،اور عموم نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بیک وقت مشترک کا دونوں معنی مراد لینا جائز نہیں ہے بلکہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی مجاز میں عموم کے قائل نہیں،وہ کہتے ہیں کہ دونوں میں سے ایک معنی لینا لازم ہے پس امام شافعی نے نوع ثانی (حکم دنیوی) کو اختیار کیا اس بنیاد پر کہ حضور اقدس ﷺ کی بعثت کا مقصد یہ ہے کہ آپ اعمال کی صحت وفساد اور حلال وحرام کے متعلق حکم صادر فرمائیں،اس وجہ سے انھوں نے فرمایا کہ اس حدیث میں صحت مقدر ہے اور حدیث کا معنی یہ ہے کہ صحت اعمال نیت پر موقوف ہے۔اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نے نوع اول (حکم اخروی) کو اختیار فرمایا اور اس حدیث میں ثواب کو مقدر مانا،اس تقدیر پر حدیث کا معنی یہ ہوگا کہ اعمال کا ثواب نیت پر موقوف ہے۔اس حدیث میں نوع اول یعنی حکم اخروی اختیار کرنے کی دو دلیلیں ہیں جو نہایت ہی معقول ہیں۔**اول:۔** یہ کہ یہ بات تو بالاتفاق تسلیم ہے کہ نیت کے بغیر ثواب نہیں ملتا ایسی صورت میں اگر صحت کو بھی مراد لیا جائے تو مشترک میں عموم لازم آئے گا جو باطل ہے۔**دوم:۔** یہ کہ ثواب کو مقدر ماننے میں یہ فائدہ ہے کہ یہ ثواب اپنے عموم پر باقی رہتا ہے اور کسی بھی نوع میں اس کی تخصیص کی ضرورت نہیں پڑتی کیوں کہ یہ بالاجماع ثابت شدہ حقیقت ہے کہ ثواب اعمال نیت ہی پر موقوف ہیں،اس کے برعکس اگر صحت کو لیا جائے تو اس میں لامحالہ تخصیص کرنی پڑے گی کیوں کہ اس میں بعض اعمال مثلاً نکاح،بیع وشراء وغیرہ کی صحت بلا نیت بھی بالاتفاق تسلیم کی جاتی ہے بلکہ شرائط نماز میں طہارت ثوب وطہارت مکان اور ستر عورت کے لئے ان کے نزدیک بھی نیت ضروری نہیں ہے بغیر نیت بھی کپڑا دھلا چلا گیا تو ان کے نزدیک پاک ہوجاتا ہے جبکہ طہارت جسم یعنی وضو کے لئے ان کے نزدیک نیت ضروری ہے بغیر نیت ان کے نزدیک وضو صحیح نہیں ہوگا،جب شرائط صحت نماز کے لئے بدن اور کپڑے دونوں کا پاک ہونا ضروری ہے تو طہارت بدن کے لئے نیت ضروری قرار دینا

اورطہارت ثیاب ومکان کے لئے نیت ضروری قرارنہ دیناناقابل فہم ہے۔

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ اس حدیث میں حضرات شوافع ''تصح'' مقدر مانتے ہیں جس سے اس رائے کوتقویت پہنچتی ہے کہ بلانیت کے وضوسے نماز صحیح نہ ہوگی،اورحضرات احناف ثواب مقدرمانتے ہیں جس سے اس رائے کوتقویت ملتی ہے کہ بغیر نیت کے وضوپرثواب تو نہ ملے گالیکن اس وضوسے نماز درست ہوجائے گی،چنانچہ یہ ایک بدیہی بات ہے کہ اگرکوئی شخص بدن کو پاک کرے یاستھرالباس پہنےاورمقصود صرف فرحت حاصل کرنااورصاف پوشی ہو،بدن کونجاست سے پاک کرتے وقت اورتبدیل لباس کے وقت یہ تصوربھی نہ ہوکہ دونوں کام نمازپڑھنے کی نیت سے کئے جارہے ہیں،پھرنماز کاوقت آجائے اوروہ شخص وضو کرکےنمازپڑھ لےتوکوئی شافعی عالم بتائے کہ اس کی نماز ہوگی یانہیں؟ظاہرہے کہ شوافع بھی یہی کہیں گے کہ نماز ہوجائے گی،جب مسئلہ کی نوعیت یہ ہےتو ہم کہیں گے کہ جیسے بدن اورلباس کی پاکی نماز کے لئے شرط ضروری ہےاوروہ نیت کےبغیر ہوسکتی ہےتواسی طرح وضوبھی ایک شرط ہے جسے نیت کےبغیرمعتبرہوناچاہئے ،پھر یہ بھی ظاہرہے کہ پانی طاہرومطہر(پاک اورپاک کرنے والا)ہےقرآن حکیم میں اسے 'ماءًطھوراً' فرمایا ہےتوپانی سے بدن یاکپڑاجوکچھ بھی دھلے گاخودبخودپاک ہوجائے گا،نیت ہویانہ ہو،یہی حال وضوکا ہے کہ پانی چونکہ اصلاً طاہرومطہرہےاس لئے بلانیت کے وضوسے بھی وہ پاکی حاصل ہوجائے گی جونماز کے لئے شرط ہے۔ان دلائل کی روشنی میں مذہب امام اعظم بہت قوی ہے،اس اختلاف کی بنیادپرامام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ اورائمہ ثلاثہ کے مابین متعددمسائل میں اختلاف ہوجاتاہے۔یہ اختلاف جابجافقہ کی کتابوں میں دیکھاجاسکتاہے۔[فیوض الباری،بشیرالقاری،نعمۃ الباری،نزھۃ القاری]

حضرت امام بخاری کااس حدیث پرعمل کی ایک مثال:۔ یہ وضاحت پہلے ہوچکی ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کوسب سےاول کیوں بیان کیا!اس حدیث کی تقدیم کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس کتاب کے پڑھنے،پڑھانے والے ہمیشہ نیت میں اخلاص رکھیں،کوئی دنیاوی غرض حصول دولت وعزت یا

طلب شہرت وجاہ یا اپنی علمی صلاحیت وقابلیت کا اظہار نہ ہو بلکہ صرف رضائے الٰہی مقصود ہو جیسا کہ حضرت امام بخاری کا مقصود تھا یہی وجہ کہ اللہ رب العلمین نے ان کی اس کتاب کو قبول تام، شہرت دوام اور مقبول بارگاہ خیر الانام بنایا۔ نہ یہ کہ صرف اس کتاب کی تالیف وتصنیف میں ان کی نیت میں اخلاص تھا بلکہ ہر عمل، ہر کام حتیٰ کہ معاملات کرنے میں بھی اپنے حسن نیت پر عمل فرماتے ایک بار نیت کر لینے کے بعد نیت بدلنے کو بھی ناپسند سمجھتے ہیں جیسا کہ ذیل کے اس واقعہ سے ظاہر ہے۔

''ایک بار ابوحفص نے امام بخاری کے پاس کچھ سامان تجارت بھیجا کہ اسے بیچ دیں، تاجروں کو پتہ چلا تو امام بخاری کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور پانچ ہزار درہم نفع دینے کو کہا یہ رات کا وقت تھا، امام بخاری نے فرمایا اس وقت آپ لوگ جائیں اور صبح کو آیئے گا، دوسرے دن صبح کو تاجروں کا دوسرا گروہ آیا اس نے دس ہزار نفع دینے کو کہا، امام بخاری نے فرمایا میں نے رات ہی کو نیت کر لی تھی کہ پہلے گروہ کو دونگا، نیت بدلنا پسند نہیں کرتا۔[نزہۃ القاری]

خلاصہ یہ کہ حدیث اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَاتِ نہایت ہی جامع، اسرار ومعانی کا خزانہ، احکام ومسائل کا گنجینہ، علوم ومعارف اور دینی ودنیاوی برکات کا سرچشمہ ہے، مولائے کریم اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث پاک کی برکتوں سے ہماری نیتوں میں اخلاص عطا فرمائے اور ریا وسمعہ سے محفوظ رکھے آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

✲✲✲✲

✲✲

شرح حدیث آخر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بَابُ

قَوْلِ اللّٰهِ ''وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ [الانبیاء/۴۷]

وَ اَنَّ اَعْمَالَ بَنِيْٓ اٰدَمَ وَ قَوْلَهُمْ تُوْزَنُ''

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب جامع صحیح البخاری کے آخری باب میں بھی آیت قرآن ہی کو ترجمۃ الباب قرار دیا ہے جس طرح کتاب کے آغاز باب میں آیت قرآن کو ترجمۃ الباب بنایا تھا تاکہ ابتدا و انتہا دونوں مقام پر یا از ابتدا تا انتہا آیات قرآنیہ کی برکتیں حاصل ہوتی رہیں، پوری آیت کریمہ یہ ہے وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ؕ وَ اِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَ كَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴿۴۷﴾

یعنی اور ہم عدل کے ترازوئیں رکھیں گے قیامت کے دن تو کسی جان پر کچھ ظلم نہ ہوگا اور اگر کوئی چیز رائی کے دانہ کے برابر ہو تو ہم اسے لے آئیں گے اور ہم کافی ہیں حساب کو۔

ترجمۃ الباب میں آیت متلوہ اور تعلیق بخاری ''وَ اَنَّ اَعْمَالَ بَنِيْٓ اٰدَمَ وَ قَوْلَهُمْ تُوْزَنُ'' کا مفہوم بہت واضح ہے وہ یہ کہ بنی آدم کے اعمال و اقوال قیامت کے دن وزن کئے جائینگے چنانچہ اللہ رب العلمین قیامت کے دن میزان عدل قائم فرمائے گا اور نیکی و برائی سے متعلق آدمی کا ہر قول و عمل رائی کے دانہ برابر بھی ہوگا تو اس کو بھی وزن کرلیا جائے گا۔

ترجمۃ الباب میں مذکور الفاظ کی تشریح:۔ حکیم الامت حضرت مفتی احمد یار خاں نعیمی اشرفی قدس سرہ کی مشہور زمانہ تفسیر، تفسیر نعیمی اشرفی میں آیت متلوہ کی نحوی تفسیر وتشریح بایں طور مذکور ہے، ''واؤ، سر جملہ، نَضَعُ، باب فَتَحَ سے فعل مضارع مثبت معروف جمع متکلم، وَضَعَ مثال واوی سے مشتق ہے بمعنیٰ جما کر رکھنا، مضبوطی سے قائم کرنا، خاص کر دینا، مقرر کرنا۔ یہاں ہر معنی درست ہے اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے مرجع اللہ تعالیٰ۔ 'الْمَوَازِيْنَ' الف لام عہد ذہنی یعنی ہر شخص اس کی حقیقت کو نہیں جانتا جس پر یہ الف لام آیا ہے، جمع مکسر منتہی الجموع ہے میزان کی، اسم آلہ ہے وَزْنٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے تولنے کا آلہ یعنی ترازو، موصوف ہے۔ 'الْقِسْطَ' الف لام استغراقی یعنی ہر قسم کا، یا بمعنیٰ تمام کا تمام (پورا کا پورا) قِسط اسم مصدر، یہاں جامد حاصل مصدر ہے، ایک قرأت پر قِصط ہے (یعنی س کے بجائے) ص ہے بمعنی انصاف (عدل) چونکہ مصدر میں عمومیت اور مبالغہ ہوتا ہے اس لئے یہ اگرچہ واحد ہوتا ہے مگر جمع کی صفت بن سکتا ہے، بعض نے کہا کہ الف لام استغراقی کی بنا پر اس میں بھی جمعیت ہے اس لئے یہ موازین (جمع) کی صفت بن گیا یہ مرکب توصیفی مفعول بہ ہے نَضَعُ کا۔ (اور ارشاد لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ، میں) لام حرف جر بمعنی فی ظرفیہ، ایک قول میں لام تعلیلیہ خصوصیت کے لئے ہے، یوم اسم ظرفی بمعنی زمانہ (تمام وقت) (القیٰمۃ) میں الف لام عہد خارجی یا عہد ذھنی، قِیٰمَۃِ اسم مفرد مصدر، آخر میں ۃ مصدریہ ہے، قُیُمٌ یا قَوْمٌ مادے سے بنا ہے بمعنی کھڑا ہونا، ثابت ہونا، اٹل ہونا، یہاں اسم جامد حاصل مصدر ہے بمعنی میدان محشر، حشر ونشر کا دن، فنا کے بعد بقا اور دوبارہ زندہ ہونے کا زمانہ، یہ مصدر مزید فیہ ہے جس کی گردان نہیں ہوتی اسی لئے جامد ہوا، مضاف الیہ ہے یَوْمَ کا، یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے نَضَعُ کا۔ [تفسیر نعیمی/ص ۲۱۴۔ ج ۱۴]

آیت متلوہ کی معنوی تفسیر:۔ ترجمۃ الباب میں مذکور آیت کریمہ کی تفسیر، تفسیر نعیمی میں بایں الفاظ مذکور ہے، لکھتے ہیں۔

''ہم میدان محشر میں ہر اس بندے کے اعمال خیر وشر کے پورے پورے صحیح حساب کے لئے عدل

وانصاف کی ترازو قائم فرمادینگے جو بندہ حساب کے لائق وقابل ہے اور جس کا حساب ضروری ہے، یہ ترازو قیامت کے دن میدان محشر میں حساب اعمال کے وزن کرنے کے لئے پل صراط سے لاکر رکھ دی جائے گی آج وہ پل صراط کے پاس ہے نبی کریم حضور اقدس ﷺ نے معراج میں یہ ترازو دیکھی ہے، حضرت داؤد علیہ السلام کی خواہش دید پر بھی ان کو دکھائی گئی تھی، دنیوی ترازوؤں کی طرح اس کے بھی دو پلڑے، ایک ڈنڈی اور ایک درمیانی کچھی والی زبان ہے جس کو پکڑ کر اٹھایا جاتا ہے اس کے پلڑے مشرق ومغرب کے درمیانی فاصلے کے برابر ہیں اور مضبوطی ووسعت کا عالم یہ ہے کہ ان میں آسمانوں اور زمین کو تولا جاسکتا ہے اس کے دائیں یعنی سیدھے پلڑے میں نیکیاں اور بائیں یعنی اُلٹے پلڑے میں گناہ اور بدیاں رکھی جائینگی ،دایاں پلڑا نور کا بنا ہوا ہے بہت چمک دار روشن یمین عرش کی جانب ہے، بایاں پلڑا سیاہ ظلمت کا بنا ہوا ہے عرش کی جانب یسار ہے، میدان محشر میں جبریل امین علیہ السلام اس کو اٹھا کر اعمال بندگان کو تولیں گے اس لئے کہ وہی ثواب وعقاب کے لئے امرونہی کے احکام لے کر آتے رہے لہٰذا آج محشر میں وہی تول کر حساب بھی کرائینگے اور میکائیل علیہ السلام اس پر امین ہونگے۔حساب وکتاب کے بعد اعمال کو تولا جائے گا غرضکہ حساب وکتاب سے گنتی اور گواہی ہوگی اور تولنے سے اعمال کے بھاری اور ہلکے ہونے کا پتہ بتایا جائے گا اور وزن کئے جانے کے وقت تمام انسانوں جنوں کو وہاں حاضر کیا جائے گا ،صرف اعمال بندگان کا وزن ہوگا ،اور جن بعض لوگوں کا حساب نہ ہوگا ان کے اعمال کا وزن بھی نہ ہوگا وہ بلا حساب جنت یا جہنم میں بھیجے جائیں گے غرضکہ حساب وکتاب تو ایمان وکفر ،اعمال خیر وشر سب کا ہوگا مگر وزن صرف اعمال خیر وشر کا ہوگا۔ بلا حساب والے وہ لوگ ہوں گے جن کی بدی کوئی نہ ہوگی اور بلا حساب وکتاب والے برے وہ لوگ ہوں گے جن کی نیکی کوئی نہ ہوگی ،اہل ایمان کو دو ثواب ،ایک ثواب ایمان کا دوسرا ثواب اعمال صالحہ کا

،اس طرح کفار کو دو عذاب ہونگے ایک عذاب کفر کا، دوسرا اعمال بد کا، فساق مومنین کو یا شفاعت کی معافی ملے گی یا جہنم کی سزائے عدل۔

عدل اور قسط میں چند طرح فرق ہے :۔ جس کا حساب و کتاب درست ہو وہ قسط ہے جس کی عطا درست ہو وہ عدل ہے اسی لئے **الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ** فرمایا گیا نہ کہ **مَوَازِيْنَ الْعَدْلَ**۔ قسط ترازو کا عمل ہے عدل رب تعالیٰ کا فعل ہے۔

کفار کے اچھے اعمال کا بدلہ یا دنیا ہی میں دے دیا جائے گا یا جہنم میں عذاب اعمال کی تھوڑی تخفیف کر کے اسی لئے حساب و کتاب کے بعد اچھے برے اعمال کو تولا جائے گا، یہ تولنا عذاب کفر سے نجات یا تخفیف کے لئے نہ ہوگا، تخفیف وغیرہ عذاب اعمال میں ہوگی دونوں میں فرق یہ ہے کہ تخفیف عذاب کفر مقام جہنم سے ہٹایا جانا ہے مگر کسی بھی کافر کو یہ نہ ملے گی ہمیشہ ابدالآباد تک ایک ہی مقام میں اپنی اپنی جگہ کفار پڑے رہیں گے۔ تخفیف عذاب اعمال یہ ہے کہ بعض کفار کو ان کے عذاب الیم کی شدت میں کمی کر دی جائے گی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میزان قیامت کے ایک پلڑے میں نیکیاں ہوں گی ایک میں بدیاں، جس میں جتنا بوجھ کا جھکاؤ ہوگا اتنا ہی اس کو بدلہ دیا جائے گا، نیکیاں روشنی کی شکل میں ہوں گی درجہ بدرجہ کم زیادہ اور بدیاں قبیح اندھیرے سیاہی کی شکل میں درجہ بدرجہ کم زیادہ۔ بعض نے لکھا ہے کہ اعمال نامے اور اہل اعمال لوگوں کو تولا جائے گا مگر یہ قول ثابت نہیں، نیکیاں اور بدیاں جسم لطیف اور جوہر قائمہ کی کیفیت میں ہوں گی (تفسیر روح البیان وصاوی) یہ ایسا عدل وانصاف کا دن ہوگا کہ کسی بھی چھوٹے بڑے، نیک و بد پر ذرہ برابر بھی ظلم نہ ہوگا بلکہ ہر جان کو اس کا پورا پورا حق دیا جائے گا، نیک کو نیکی کا برے کو برائی کا، بھلے کو بھلائی کا، ظالم کو ظلم کا اور دنیا میں کسی کا کوئی بھی کہیں بھی کبھی بھی کیا ہوا عمل چھوڑا نہ جائے گا اگرچہ رائی برابر چھوٹے سے

دانے کے وزن جتنا ہو اس کو بھی قیامت کی ترازو میں لے آئیں گے اور اس کا بھی قسط و عدل ہوگا۔ دنیا کی ترازوؤں میں تین نقص ہوتے ہیں ایک یہ کہ وہ کبھی صحیح تولتی ہے کبھی غلط، اگر صحیح تولے تو عدل ہے اگر غلط تولے تو ظلم ہے مگر میدان محشر کی یہ ترازو ہمیشہ ہر شخص کے اعمال کے لئے قسط ہی رہے گی نہ کبھی ٹیڑھی ہو نہ کبھی غلط، نہ کوئی اس کو غلط کر سکے، نہ خود کبھی خراب ہو اسی لئے کسی پر ظلم کا نہ کوئی شائبہ نہ اندیشہ یعنی نہ تولنے والے کو شائبہ نہ عمل والے کو اندیشہ۔ دوم یہ کہ دنیا کی بڑی ترازوئیں چھوٹی چیزوں کو نہیں تول سکتیں اگر تولی بھی جائیں تو صحیح وزن نہیں بتا سکتیں۔ سوم یہ کہ دنیا کی چھوٹی ترازوئیں بڑی چیزیں نہیں تول سکتیں اگر تولنے کی کوشش کی جائے تو ترازو ٹوٹ جائے مگر میدان محشر کی میزان میں یہ کوئی نقص اور عیب نہیں وہ ایک ترازو میں ہی بڑے سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی چیز کو تول کر بالکل صحیح صحیح وزن بتا دے گی حالانکہ بے حد انتہا بڑی ہے لیکن رائی کے دانے برابر عمل کو بھی صحیح تول دے گی اور کسی وزنی چیز سے نہ گڑ بڑائے نہ ٹوٹے نہ خراب ہو ان تینوں عیبوں سے وہ ترازو پاک ہے۔ یہاں اَلْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ فرما کر ترازو کی پہلی شان بیان فرمائی گئی اور فَلَا تُظْلَمُ فرما کر دوسری شان بیان کی گئی اور، وَ اِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ (الخ) فرما کر تیسری شان بیان فرمائی گئی اور چونکہ علم قدرت حفاظت عدل ہمارے ہی پاس مکمل و اکمل ہے اس طرح ہمارا علم سب پر محیط، ہماری قدرت سب پر ظاہر، ہماری حفاظت سب پر جاری ہمارا عدل سب پر قائم اس لئے وَ كَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ، ہم ہی کافی ہیں سب کا حساب لینے والے، کیوں کہ محاسب میں چار چیزیں ضروری ہیں اول علم، دوم حفاظت سوم قدرت، چہارم عدل۔ سچے صحیح حساب کے لئے ان قوتوں کی ضرورت ہے کہ وہ اعمال کو جانتا بھی ہو، عاملین کو پہچانتا بھی ہو، عمل کی حفاظت بھی کر سکتا ہو، عامل کی قیامت و محشر قائم کرنے کی قدرت رکھتا ہو، وہی محاسب ہو سکتا ہے جو قادر بھی ہو عالم بھی، تبھی عدل قائم کر سکتا ہے جب ذرے ذرے کا

حساب و کتاب اور وزن قائم کر سکے تو جس ذات کریم علیم و خبیر کی شان ہو وہی سب کا حساب لے سکتا ہے ۔قیامت کا حساب چار طرح ظاہر ہوگا، ا۔سزا میں تعدیل ۲۔ثواب میں تفضیل ۳۔گناہ میں عفو ۴۔عطا میں تضعیف۔ماخوذ از تفسیر نعیمی/ص ۲۱۴ تا ۲۲۰ ج ۱۷]

اقوال مفسرین:۔ آیت متلوہ کے الفاظ کی تشریح و تفسیر میں حضرات مفسرین کرام کے مختلف اقوال ہیں **نَضَعُ**، میں چار قول ہیں ایک یہ کہ ہم پل صراط سے اٹھا کر میدان محشر میں رکھیں گے میزان بنی ہوئی ہے پلصراط کے پاس رکھی ہوئی ہے۔دوم۔یہ کہ ترازو ابھی بنی ہوئی نہیں بروز قیامت ہی بنائی جائے گی مگر پہلا قول درست ہے اس کے دلائل کثیر ہیں، سوم۔یہ کہ نَضَعُ فعل مضارع بمعنی مستقبل ہے یعنی ہم رکھیں گے، چہارم۔یہ کہ نَضَعُ فعل مضارع بمعنی ماضی مطلق ہے یعنی ہم نے رکھ دی ہوئی ہے۔

اَلْمَوَازِیْنَ کے جمع اور **قِسْطِ** کے واحد فرمانے میں تین قول ہیں، ایک یہ کہ چونکہ بروز قیامت ہر انسان کی ترازو علیحدہ علیحدہ ہوگی اس لئے موازین جمع فرمایا گیا اور عمل سب کا ایک ہی درست تولنا ہوگا اس لئے قسط واحد فرمایا گیا مگر یہ قول غلط ہے کسی حدیث سے ثابت نہیں۔دوم، یہ کہ ترازو ایک ہی ہے مگر تعظیما اور بڑائی کے اعتبار سے جمع فرمایا گیا اس تعظیمی جمع کی قرآن مجید میں اور بھی بہت سی مثالیں آیت پاک میں موجود ہیں مثلا سورہ آل عمران آیت نمبر ۳۹ میں ارشاد ہے فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ یہاں ملائکہ جمع صرف ایک جبرئیل علیہ السلام کے لئے ارشاد ہوا، اور مثلا سورۃ المومنون آیت نمبر ۵۱ میں ارشاد ہوا یٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا یہاں صرف آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب ہے مگر جمع کا لفظ اور جمع کا صیغہ ارشاد ہوا اور مثلا جیسے سورۃ طلاق آیت نمبر ایک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے یٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ نبی واحد فرما کر طَلَّقْتُمْ جمع فرمایا گیا اہل ایمان کو تعظیم سمجھانے کے

لئے ،مگر تعظیمی جمع اللہ تعالیٰ کے لئے جائز نہیں وہاں تو ہر طرف وحدت ہی وحدت ہونا چاہئے جو لوگ وہابیوں کی طرح اللہ وحدہ لاشریک کا بھی عام لوگوں کی طرح جمع حاضر یا جمع غائب کے صیغوں سے ذکر کرتے ہیں وہ سب علم قرآن وحدیث سے جاہل ہیں قرآن وحدیث میں اس طرح جمع کے الفاظ کا اللہ تعالیٰ کے لئے کہیں ثبوت نہیں ، انبیاء علیہم السلام سے زیادہ رب تعالیٰ کی کون تعظیم کریگا مگر کسی نبی علیہ السلام کی زبان مقدس پر کبھی بھی اللہ تعالیٰ کے لئے اَنْتُمْ یا اِنَّکُمْ یا اِنَّھُمْ جمع کے صیغے وضمائر (نہیں ظاہر ہوئے) اگر یہ جمع اللہ تعالیٰ کے لئے بھی جائز ہوتا تو انبیاء کرام علیہم السلام کبھی بھی واحد کا صیغہ اللہ تعالیٰ کے لئے نہ بولتے ، نہ معلوم ان جہلاء دیابنہ ووہابیہ کو کس شیطان نے یہ گستاخی توحید باری تعالیٰ سکھادی جو انبیاء کرام علیہم السلام کی قولی وفعلی تعلیم کے سراسر خلاف ہے یہ لوگ زبان سے تو توحید کی رٹ لگاتے ہیں اور بڑے دعوے سے توحید پرستی کے نعرے لگاتے ہیں مگر ظاہرا اس قسم کے جمع کے الفاظ اللہ تعالیٰ کے لئے بول کر منکر توحید ہوتے ہیں ۔موازین کے بارے میں تیسرا قول یہ ہے کہ یہ لفظ اپنی جزئیت کی تعداد کے اعتبار سے جمع فرمایا گیا ہے نہ کہ عددی کلی کے اعتبار سے یعنی جس طرح ایک شلوار کو سراویل ،سروا لۃٌ کی جمع کا لفظ دیا جاتا ہے اسی طرح ایک میزان کو اس کے پلڑوں ،اس کی ڈنڈی ،اس کی درمیانی گھنڈی (لسان) کے اعتبار سے موازین جمع فرمایا گیا ہے اور قسط کو واحد فرمانا ترازو کی عددی وحدت بتانے کے لئے ہے یہ قول سب میں زیادہ درست ہے ۔ لِیَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ میں چار قول ہیں ایک یہ کہ اس سے مراد لِاَھْلِ یَوْمِ الْقِیمۃِ ہے یعنی قیامت والوں کے لئے یہ ترازو قائم ہوگی ،دوم یہ کہ بعض نے لکھا ہے لِجَزَاءِ یومِ الْقِیمَۃِ (قیامت کے دن بدلہ دینے کے لئے ترازو قائم کی جائے گی) سوم یہ کہ بعض نے فرمایا یہاں لام بمعنی فی ہے یعنی قیامت کے دن میں شروع سے آخر تک یہ ترازو رکھی رہے گی تا کہ پہلے یہ ترازو سب لوگ دیکھتے رہیں ڈرتے رہیں اور آخر

میں وزن اعمال ہو۔ چہارم یہ کہ بعض نے فرمایا کہ یہ لام اپنے ہی معنی میں ہے یعنی قیامت کے لئے ترازو رکھی جائے گی اس طرح کہ قیامت کا مقصد حساب و کتاب ہے اور حساب و کتاب کی تکمیل ترازو سے ہوگی۔ مِثْقَالَ حَبَّةٍ، میں تین قول ہیں ایک یہ کہ حَبَّةٍ کا معنی رائی کا دانہ۔ دوم یہ کہ اس کا معنی رتی بھر، سوم یہ کہ یہ عبارت تمثیل ہے بہت مختصر چیز کی۔

'الْقِسْطَ'، میں بھی تین قول ہیں ایک یہ کہ یہ ایک تمثیل ہے انصاف اور عدل کی، اصل ترازو اور اس کا تولنا مراد نہیں یہ قول قطعاً غلط ہے۔ اسی قول کا سہارا لے کر بعض گمراہوں نے ترازو کے وجود کا ہی انکار کر دیا (معاذ اللہ) دوم یہ کہ لفظ قسط مبالغہ ہے جیسے کہ لفظ عدل عادل کا مبالغہ ہے اس قول میں قسط کا معنی ہے سراپا قسط۔ سوم یہ کہ اصل ترازو ہی مراد ہے اور قسط کا معنی ہے کبھی خراب اور غلط نہ ہونے والی، نہ کی جا سکنے والی ہمیشہ درست اور صحیح مکمل تولنے والی۔ 'حٰسِبِیْنَ' میں دو قول ہیں ایک یہ کہ جن کی ایک بھی نیکی زیادہ وہ جنتی، اور جن کی ایک بھی بدی زیادہ وہ جہنمی، جن کی دونوں برابر وہ اعراف میں رکھے جائیں گے، دوم یہ کہ جن کی نیکی بدی دونوں برابر ہوں گی ان کی شفاعت ہوگی یہ معنی بیان فرمایا گیا ہے 'وَ كَفٰى بِنَا حٰسِبِیْنَ' کا۔ [ایضا ۲۲۲ تا ۲۲۴]

اعتراضات:۔ آیت متلوہ وَ نَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ کے ضمن میں کچھ اعتراضات وارد کئے جاتے ہیں ہم ذیل میں وہ اعتراضات اور پھر اس کے جوابات عرض کرتے ہیں۔

اعتراض اول:۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ یہاں الْمَوَازِیْنَ فرمایا، میزان کی جمع اور سورہ رحمٰن آیت نمبر ۷ میں ارشاد ہوا وَ السَّمَآءَ رَفَعَهَا وَ وَضَعَ الْمِیْزَانَ ۙ﴿۷﴾، میزان واحد فرمایا حالانکہ دونوں جگہ آسمانی ترازو ہی مراد ہے پھر یہ فرق کیوں؟ نیز یہاں لفظ قسط واحد ہی ہے نہ کہ اقساط جمع، موازین جمع کے لئے واحد لفظ کو صفت کیوں بنایا؟

جواب:۔ اس کے دو جواب دیئے گئے۔ بعض نے فرمایا کہ یہاں وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ میں آسمانی ترازو قیامت والی مراد ہے اور سورہ رحمٰن کی آیت نمبر ۷ میں وَ وَضَعَ الْمِيْزَانَ میں وہ زمینی ترازو مراد ہے جو انسانوں کو دی گئی اس لئے کہ آگے ارشاد ہوا اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ۞ یعنی اے بندو ہم نے اس لئے تم کو ترازو دی تا کہ تم ترازو کے ذریعے زمین پر حق وانصاف قائم کر کے اصلاح زمین کرو اور ترازو میں بد دیانتی بے اعتدالی کا ظلم نہ کرو نہ ہونے دو، اس جواب کے اعتبار سے وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ اور وَ وَضَعَ الْمِيْزَانَ کی عدم مطابقت کا اعتراض نہیں پڑتا۔

دوسرا جواب:۔ یہ ہے جو بعض نے فرمایا کہ دونوں جگہ آسمانی ترازو ہی مراد ہے جو میدان محشر میں رکھی جائے گی مگر یہاں باعتبار عمل اس ایک کو ہی جمع فرمایا گیا یعنی میزان بمعنی تولنا اور چونکہ تولنا بار بار ہوگا اور ہر ایک کا ہوگا اس لئے موازین جمع فرمایا گیا اور وہاں باعتبار عدد اس کو واحد میزان فرمایا گیا یعنی عدداً جسماً ذاتاً وجوداً ایک ہی ہے اور اگلی عبارت اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ۞ کا معنی یہ ہے ہم نے آسمانی میزان عدل اور موازین قسط اس لئے قائم فرمائی تا کہ اے بندو! تم اس سے ڈر کر دنیا کی اپنی اپنی ترازو درست رکھو غلط نہ کرو۔

اعتراض دوم:۔ یہاں فرمایا گیا وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ؕ یعنی قیامت میں عدل والی ترازو رکھیں گے کہ کسی شخص کا ذرہ بھر بھی ظلم نہ ہوگا، اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ کفار کا بھی حساب ہوگا لیکن سورہ کہف کی آیت نمبر ۱۰۵ میں ارشاد ہے اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَ لِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ۞ یعنی ہم ان کفار کے لئے قیامت کے دن وزن قائم نہ کریں گے دونوں آیتوں میں بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے اس کا حل کیا ہے؟

جواب:۔ دونوں آیتوں کے درمیان کوئی تضاد نہیں ہے، صرف معترض کی سمجھ کی کمزوری ہے تضاد تب ہوتا جب مثبت و منفی اور ثبوت و نفی کی دونوں آیتوں میں ایک جیسے الفاظ ہوتے اور دونوں جگہوں میں صاف لفظوں میں کفار کا ذکر ہوتا حالانکہ یہاں دونوں جگہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہاں اَلْمَوَازِیْنَ ہے اور وہاں وَزْنًا ہے، یہاں نَفْسٌ ہے اور وہاں لَهُمْ ہے مفسرین نے اس کی وضاحت دو طرح کی ہے اور دونوں آیتوں کا معنیٰ مطلب بیان فرمایا ہے ایک یہ کہ کفار کے اعمال کا وزن بالکل نہ کیا جائے گا اس لئے کہ کفار کے پاس کوئی نیکی ہی نہ ہوگی دنیا میں جو اچھے کام کفار کر لیتے ہیں ان کو نیکی نہیں کہا جاتا ہے شرعی اصطلاح میں نیکی صرف اس کام کو کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے اللہ تعالیٰ کے دین کے مطابق کیا جائے اچھا کام وہ ہوتا ہے جو دنیوی عقل و فکر میں پسندیدہ ہو، نیکی کی جزا آخرت میں اور اچھائی کا بدلہ دنیا ہی میں، کفار کو ان کی اچھائیوں کا بدلہ دنیا میں ہی صحت، دولت عزت حکومت کامیابی اور شہرت (وغیرہ نعمتوں) کی شکل میں دیدیا جاتا ہے اور چونکہ قیامت کی ترازو میں عمل کو عمل سے تولا جائے گا نہ کہ باٹوں پتھروں سے تو چونکہ کفار کے پاس نیکی کے پلے میں رکھنے کے لئے کچھ نہیں لہٰذا ان کا وزن نہ کیا جائے گا یہی معنی ہے فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا کا یعنی یہ ترازو ان کے لئے نہیں۔ اور یہاں نَفْسٌ میں وہ لوگ مراد ہیں جن کے پاس دونوں پلڑوں میں رکھنے کے لئے نیکیاں بھی ہیں، بدیاں بھی، عدل بھی ہے ظلم بھی، اعمال کفار کا حساب و کتاب تو ہوگا وزن نہ ہوگا، اس جواب میں یہاں لفظ نَفْسٌ نکرہ عام مخصوص البعض ہے یعنی قیامت کی ترازو صرف ان عام انسانوں جنوں کے لئے قائم کی جائے گی جن کے اعمال میں دونوں قسم کے کام ہیں اس کے جواب میں بعض مفسرین نے فرمایا کہ کفار کے تمام اعمال کا وزن کیا جائے گا نَفْسٌ میں کفار و فساق سب شامل ہیں مگر کفار کے اچھے اعمال مثل گندی روئی یا گھن شدہ لکڑی کے ہوں گے، ان میں بوجھ اور وزن

نہ ہوگا بلکہ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا، بالکل ہلکے پھلکے مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ہوں گے اس وجہ سے ان کی کوئی عزت اکرام قدر نہ ہوگی، اس جواب کے مطابق نَفْسٌ سے ہر کافر مومن کی جان مراد ہے اور فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ تولنے کی نفی نہیں بلکہ معنی یہ ہے کہ ہم قیامت میں کفار کے اعمال کی کچھ قدر نہ کریں گے وَزْنًا سے مراد قدر ومنزلت ہے لفظ وزن بہت جگہ استعمال ہوتا ہے مثلاً چیز کا وزن، بات کا وزن، شعر کا وزن، لفظ وزن مشترک ہے چند معنی میں ۱۔ بوجھ، ۲۔ بمعنی مدلل، ۳۔ بمعنی درست وغیرہ وغیرہ۔ اس آیت فَلَا نُقِيْمُ میں وزن بمعنی عزت قدر ومنزلت ہے اور جس طرح گھن شدہ لکڑی یا سسری زدہ دانوں میں نہ وزن ہوتا ہے نہ اس کی کوئی عزت و قیمت ہوتی ہے نہ وہ کسی کے لئے مفید اسی طرح کفار کے اچھے اعمال کا نہ وزن اور نہ بوجھ یا ثقل ہوگا اور اسی وجہ سے نہ ان کی عزت ہوگی نہ قدر و قیمت نہ وہ کسی کے لئے مفید نہ خود کفار کے لئے نہ ان کے دنیوی ظلم کے شکار مظلومین کے لئے، لہٰذا اگرچہ تولے جائیں گے مگر کسی کو اور ان کو فائدہ نہ دے سکیں گے بلکہ مزید رسوا ہونگے۔ ہاں کفر اور ایمان کو تولا نہ جائے گا کیوں کہ ان کے ساتھ دوسرے پلے میں رکھنے کے لئے کچھ موجود نہ ہوگا غرضکہ یہ میزان قیامت صرف اعمال تولنے کے لئے ہے کیوں کہ اچھے برے اعمال تو ایک شخص میں جمع ہو سکتے ہیں مگر کفر و ایمان ایک شخص میں جمع نہیں ہو سکتے۔ **اعتراض سوم :۔** موازین اور میزان کوئی حقیقی ترازو نہیں ہے یہ صرف عدل کی ایک تمثیل ہے اور نہ ہی قیامت میں عمل تولنے کے لئے ترازو لانے کی ضرورت ہے اللہ تعالیٰ کوئی دکاندار (معاذ اللہ) نہیں جو ترازوئیں لے کر بیٹھے، نیز یہ کہ قیامت میں عمل تولنے کا فائدہ نہیں ہے اس لئے کہ اہل ایمان تو بغیر تولے بھی رب تعالیٰ کے ہر فیصلے پر صدق دل سے ایمان لاتے ہیں مگر کفار ہر بات میں ہی شک و انکار پیدا کر دیتے ہیں وہ قیامت میں کہہ سکتے ہیں

کہ یہ ترازو غلط تول رہی ہے ہمارے بھاری اعمال کو بھی ہلکا بتا رہی ہے اور اوپر اٹھا رہی ہے

(نیچری گمراہ فرقہ)

جواب:۔ میزان قیامت ایک حقیقت واقعی ہے اس کا وجود موجود ہے پیدا ہوچکی ہے پل صراط کے پاس رکھی ہے بروز قیامت میدان محشر میں لائی جائے گی، بعض نے فرمایا کہ وہیں رکھی رہے گی صرف ظاہر کردی جائے گی قرآن مجید کی ان آیت کے علاوہ متعدد احادیث مقدسات میں اس کی تفصیل اور ذکر موجود ہے **حدیث اول**، چنانچہ ایک حدیث پاک امام ابن مبارک نے اپنی کتاب الزھد میں اور محدث اجری نے اپنی کتاب الشریعت میں روایت فرمائی عَنْ سَلْمَانَ وَ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا میزان موجود ہے۔اس کے دو پلڑے ایک ڈنڈی ایک لسان (پکڑنے کی جگہ) ہے۔**حدیث دوم**، امام محدث ابن مردویہ عَنْ عَائِشَہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ایک ترازو پیدا فرمائی ہے جس کے پلڑے آسمان و زمین کے برابر ہیں۔**حدیث سوم**، امام بیہقی نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت کی (حدیث جبریل) آنے والے نے عرض کیا یا رسول اللہ ایمان کیا ہے آقا ﷺ نے فرمایا ایمان یہ ہے کہ ایمان لائے تو اللہ اور فرشتوں اور انبیاء و رسولوں پر، اور جنت و دوزخ اور میزان پر۔اس حدیث مقدس سے ثابت ہوا کہ میزان قیامت پر ایمان لانا اتنا ہی ضروری ہے جتنا اللہ و رسول پر، اور میزان کا منکر اسی طرح کا فر ہے جس طرح اللہ و رسول کا منکر کیوں کہ ایمانیات کی فہرست میں ایک ہی جگہ ان سب کا ذکر فرمایا گیا، یہ حدیث شریف مشکوٰۃ شریف میں اور بحوالہ مشکوٰۃ بخاری شریف میں بھی ہے مگر وہاں جنت و دوزخ میزان کا ذکر نہیں ہے، ہم نے (حضرت مفسر تفسیر نعیمی) نے یہ حدیث شریف تفسیر مظہری (یہی جگہ) سے نقل کی ہے۔**حدیث چہارم**، مستدرک حاکم نے عَنْ سَلْمَان روایت فرمایا کہ آقائے کائنات نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن اتنی بڑی ترازو رکھی جائے گی جو

آسمانوں اور زمینوں کو تولنے کی وسعت رکھتی ہے۔ حدیث پنجم، ترمذی شریف میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرمایا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں شفاعت کے لئے بروز قیامت آپ کو کہاں تلاش کروں فرمایا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اوّ لاً پلصراط پر، وہاں نہ ملوں تو میزان قسط کے پاس، وہاں نہ ملوں تو حوض کوثر کے پاس۔ حدیث ششم، محدث بیہقی اور حاکم نے روایت کیا ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے روایت کیا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ قیامت میں آپ کو کہاں تلاش کروں آپ نے فرمایا تین جگہ (۱) پلصراط پر (۲) میزان کے پاس (۳) حوض کے پاس۔ حدیث ہفتم، امام بغوی سے روایت ہے کہ ایک دفعہ داؤد علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے مولیٰ تعالیٰ مجھ کو میزان قیامت کا دیدار کرادے، دعا قبول ہوئی جب میزان کی لمبائی چوڑائی اور پلڑوں کی گولائی دیکھی تو غش کھا گئے جب ہوش آیا تو عرض کیا مولیٰ کون بندہ اتنی نیکیاں کرسکتا ہے جو یہ پلڑا بھر سکے رب تعالیٰ نے فرمایا اے داؤد جس بندے نے مجھ کو دنیا میں راضی کیا ہوگا تو میں اپنے فضل سے اس کے پلڑے کو ثمرات اعمال سے بھر دونگا۔ اور بھی بہت احادیث مبارکہ ثبوت میزان میں وارد ہیں، اتنے واضح دلائل آیات واحادیث کے ہوتے ہوئے اس کو محض تمثیل کہہ دینا جہالت ہے رہا یہ کہنا کہ کفار پھر بھی کہیں گے کہ یہ ترازو غلط ہے تو یہ ایک شیطانی وہم ہے وہاں ایسا کوئی نہ کہہ سکے گا اور پھر تو آپ اسی وہم کی بنا پر روز قیامت کے حساب وکتاب کا بھی انکار کرسکتے ہو کہ اس کی بھی کوئی ضرورت نہیں مومنین تو ویسے ہی مانتے ہیں کفار وہاں بھی یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ حساب غلط ہے گمراہوں کو ابلیسی وسوسوں سے تو کبھی نجات مل سکتی ہی نہیں، نیز پھر تو دنیا کی ترازوؤں پر بھی اعتراض ہوسکتا ہے اور یہ بھی ہر عقل والا جانتا ہے کہ ترازو کی صرف دکاندار کو ہی ضرورت نہیں ہوتی، ترازو کی تو ہر عدالت میں ضرورت ہوتی ہے بشرطیکہ تولنے کے لائق اشیاء ہوں، رب تعالیٰ کا میزان عدل قائم فرمانا اپنے

عدل وفضل، عفووکرم کوظاہر کرنے کے لئے ہے تاکہ ایمان کی شان اور کفر کی ذلت معلوم ہو۔

تفسیر صوفیانہ:۔ اس کتاب کی ترتیب وجمع کے وجوہات میں ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہمارے روحانی مرکز خانقاہ اشرفیہ حسنیہ سرکارکلاں کچھوچھہ مقدسہ کے سجادہ نشیں ہرعہد میں جامع اشرف درگاہ کچھوچھہ شریف کے درجۂ فضیلت کے طلبہ کوصحیح البخاری شریف کی اول وآخر حدیث کا درس دے کر سند حدیث عطا کرتے ہیں ،صرف جامع اشرف کے فارغین طلبہ ہی یہ سعادت نہیں حاصل کرتے بلکہ ہندو بیرون ہند کے علماء ومشائخ کی کثیر تعداد ،حضرت سجادہ نشیں کی زبان فیض ترجمان سے دونوں احادیث سماعت کرکے اعزازی سند حاصل کرتے ہیں خود میں نے اپنی خانقاہ اشرفیہ کے تین سجادہ نشینان ،حضور مخدوم المشائخ ،معدن اسرار طریقت حضرت مولانا مفتی سید شاہ محمد مختار اشرف اشرفی الجیلانی سجادہ نشیں سرکارکلاں ،حضرت شیخ اعظم بانی جامع اشرف حضرت مولانا الحاج سید شاہ اظہار اشرف سجادہ نشیں اور قائد ملت ،رفیع درجت حضرت مولانا سید شاہ محمد محمود اشرف جیلانی کوصحیح البخاری شریف کی اول وآخر حدیث کا درس دیتے ہوئے نہ یہ کہ دیکھا ہے بلکہ بارہا ایسی نورانی اور روحانی درس حدیث کی محفل میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی ہے حضرات علمائے کرام کے دروس کے بالمقابل حضرات مشائخ کی درسوں میں صوفیائے کرام کا رنگ وآہنگ ،تصوف کے اسرار ورموز اور طریقت کے حقائق ودقائق سننے کو ملتے ہیں پس میں نے مناسب سمجھا کہ حضرات علمائے کرام کے اقوال اور اپنے مشائخ کے ملفوظات کو یکجا کردوں اس لئے آیت متلوہ ’’ وَ نَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ ‘‘ الخ ،کی تفسیر صوفیانہ ،تفسیر نعیمی اشرفی کے حوالے سے لکھ رہے ہیں امید ہے کہ مشائخ عظام حضرات علمائے کرام بھی اس کو نظر تحسین سے دیکھیں گے۔

تفسیر صوفیانہ:۔ وَ نَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ ‘‘ الخ ،اے عالم رنگ وبو میں رہنے

والوہم رکھتے ہیں اس کائنات میں ،میزان تفصیل ،میزان تفریق ،میزان تعدیل کی ترازوئیں اورموازین ،اس طرح کہ اسی سے اہل فضیلت کے لئے میزان فضل قائم ہوگی جو اس کا مستحق ہوا ،اسی کو ظاہر فرماتے ہوئے سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۵۳ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے '' تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰي بَعْضٍ ''اسی عدل کے لئے عالم ازل میں ہم نے موازین قسط بنائی اور اہل فرقت کے لئے عالم حیات میں میزان تفریق وفرقان رکھی اور اہل قیامت کے لئے میزان اعمال عالم ابد میں قائم کریں گے یہ ہی ہیں موازین قسط کہ غیر مستحق کو بلا استحقاق کچھ نہ مل سکے اور کسی شخصیت پر کسی مقام ظاہر و باطن ،سرّ واسرار میں کمی بیشی کا ظلم نہ ہوا ،نہ ہو ،نہ ہوگا اور اگر کسی کے حبّۂ قلب میں علم یا جہالت کا ذرۂ ناچیز بھی ہوگا تو ہم اس کو آشکار کردیں گے وہاں پردہ پوشی نہ فرمائیں گے کیوں کہ پردہ پوشی عالم ناسوتی میں ہوتی ہے نہ کہ عالم لاہوتی میں ،اور ہم ہی علم قدیم حفظ کثیر ،اور قوت شدید ،عدل عظیم وخبر مہین کے ابدی ازلی مالک ہیں اس لئے ہم' وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ' پوری کائنات مخلوق کا حساب کرنے کے لئے کافی ہیں ،یہ زندگی نوم ہے موت بیداری ہے یہاں کافریں مدہوش ہیں ،فاسقین نیند میں ،سب موت پر جاگیں گے پھر پتہ لگے گا کہ میزان عدل کیا ہے ۔اکابر صوفیا فرماتے ہیں کہ دنیا میں آٹھ قسم کی میزان ظاہری ہیں اور آٹھ قسم کی میزان باطنی ہیں۔ ا۔میزان ریاضت ،۲۔میزان مراقبہ،۳۔میزان اعتبارات ،۴۔میزان مقامات ،۵۔میزان محاضرات ،۶۔میزان مغیّبات ،۷۔میزان معاملات ،۸۔میزان حقیقت ۔اور نو قسم کی میزان محشر ہیں ،موازین باطنی کے پلڑے طریقت وشریعت ہیں ان کی لسان علم الیقین ہے ان کی ڈنڈی عدل ہے اس کی تقسیم کرم ہے ،ظاہری ترازو یہ ہیں ،ا۔میزان نفس ،۲۔میزان روح ،۳۔میزان قلب ،۴۔میزان معرفت ،۶۔میزان اسرار ،۷۔میزان اسخاط (ناراضگیوں والی)،۸۔میزان رضا ،۔۔۔موازین حشر یہ ہیں ،ا۔میزان

شرافت، ۲۔میزان لطف، ۳۔میزان نور، ۴۔میزان سرور، ۵۔میزان وصول، ۶۔میزان قبول، ۷۔میزان قرب، ۸۔میزان اخلاص، ۹۔میزان صدق۔ترازوءِ نفس کے پلڑے شریعت کے احکام امر اور نہی ہیں، ترازوءِ روح کے پلڑے ثواب اور عقاب ہیں، ترازوءِ قلب کے پلڑے وعدہ وعید پر ایمان لانا ہے، ترازوءِ عقل کے پلڑے توحید وشرک ہے، ترازوءِ معرفت کے پلڑے انوار واخبار ہیں، ترازوءِ اسرار کے پلڑے ہرب اور طلب ہیں، ترازوءِ اسخاط کے پلڑے نیکی اور بدی ہیں، میزان رضا کے پلڑے ریاضت ومجاہدہ ہیں، جس نے دنیا میں اپنے نفس کا وزن کیا ریاضت کی میزان میں اور قلب کا وزن کیا مراقبے کی میزان میں اور عقل کا وزن کیا اعتبارات کی میزان میں اور روح کا وزن کیا مقامات کی میزان میں اور ضمیر سری کا وزن کیا محاضرات کی میزان میں اور شعور کا وزن کیا مطالعۂ مغیّبات کی میزان میں اور صورت کا وزن کیا حقیقت کی میزان میں، سیرت کا وزن کیا معاملات کی میزان میں، تو کل بروز قیامت ایسے بندے کا نفس تولا جائے گا میزان شرافت میں، قلب تولا جائے گا میزان لطف میں، عقل تولی جائے گی میزان نور میں، روح تولی جائے گی میزان سرور میں، شعور تولی جائے گی میزان وصول میں، صورت تولی جائے گی میزان قبول میں، سیرت تولی جائے گی میزان قرب میں، اعمال تولے جائیں گے میزان اخلاص میں اور سچائی تولی جائے گی میزان صدق میں۔ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ جس خوش قسمت بندے کے وزن بڑھ جائیں گے تو اس کے نفس کو فراق سے امن کی جزا ملے گی، قلب کو مشاہدۂ شرف کی جزا، اسرار مخفی کے خزانوں سے ملے گی اور اس کی عقل کو مطالعۂ صفات کی جزا ملے گی اور اس کی روح کو کشف انوار ذات کی جزا ملے گی، اور اس کے شعور کو ادراک اسرار قدسیات کی جزا ملے گی اور اس کی صورت کو مجالس وصل میں بیٹھنے کی جزا ملے گی، اور اس کی سیرت کو قرب ابدی کی جزا ملے گی۔صرف نیت خالص کی عبادت پسندیدہ ہے ورنہ بے

مغز کے چھلکا ہے۔اے بندے سچائی کی کوشش کرتا کہ تیری ہر سانس سے سورج کی روشنی نکلے کیوں کہ جھوٹ سے چہرہ سیاہ ہوگا تو صبح محشر میں میزان صدق کے لائق نہ ہوگا ،جس کے اعمال صحبت ریا سے مصحوب ہوں وہ مقبول نہ ہونگے ،عبادت آب زر ہے اس کو غرور کی کیچڑ ،فخر کی گندگی میں نہ ڈال کیوں کہ پھر صراف دانا اس کا خریدار نہ بنے گا جس کے احوال حیرانیوں پریشانیوں وہموں میں ملوث ہوتے ہیں ان کو رفعت شان میسر نہیں ہوتی ،اے بندے اپنے احوال کو دل کی حیرانیوں اور وہموں سے علیحدہ کر ،عمل خالص سے توفیق کو خالص کر اگر تو چاہتا ہے کہ قیمتی معنی والا ہو جائے تو پاکیزہ ترازو میں اپنی حالت کا وزن کر۔جب تیری ترازو میں ٹیڑھ اور دغا بازی ہوگی تو پھر جزاء راست کا طالب وخواہش مند کس طرح ہوسکتا ہے ،اعمال کے لئے وزنی ہونا ضروری ہے پہلا عمل ذکر لسان ہے ،دوسرا عمل ذکر جنان یعنی ذکر قلبی ،ذکر لسانی چابھی ہے ذکر قلبی کی ،ذکر قلبی خزانۂ ایمان ہے ذکر لسانی میں سب سے اعلیٰ سُبۡحَانَ اللهِ وَ بِحَمۡدِهٖ سُبۡحَانَ اللهِ الۡعَظِيۡم ہے اس لئے ارشاد نبوی ہے كَلِمَتَانِ خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ،ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ حَبِيبَتَانِ اِلَى الرَّحْمنِ ہے۔اس لئے کہ ان کلمات میں صفات سلبیہ سے بھی مدح ہے اور صفات ثبوتیہ سے بھی ،سبحان صفات سلبیہ سے تنزیہ ہے اور بحمدہ صفات ثبوتیہ ہیں ۔دوسری حدیث مقدس میں ہے کہ تسبیح سے آدھی میزان بھر جائے گی اور اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ سے باقی آدھی اس طرح صرف ان کَلِمَتَان سے پوری میزان بھر جائے گی ۔اس سے بھی اعلیٰ کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا الله ہے ،حدیث قدسی میں ہے کہ اگر ساتوں آسمان ،ساتوں زمین اور ان میں رہنے والی سب مخلوق ایک پلڑے میں اور لَا اِلٰهَ اِلَّا الله ،ایک پلڑے میں رکھا جائے تو یہ کلمہ بھاری ہوجائے کیوں کہ یہ عمل نہیں بلکہ ایمان ہے اسی لئے ایمان کا وزن نہیں ہوگا اس لئے کہ اس کے مقابل کوئی عمل نہیں آسکتا تو کس سے تولا جائے ،لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَيۡءٌ ،اس کی مثل تو کوئی شئ ہی نہیں یہی

وجہ ہے کہ کفروایمان کا وزن نہ کیا جائے گا اس لئے کہ کفر کے شر کی مثل اور ایمان کے خیر کی مثل کوئی چیز نہیں ہے اور قیامت کا وزن مثلیت میں ہوگا اور مثلیت صرف اعمال جوارح میں ہے۔اعمال جوارح سات قسم کے ہیں ،۱۔اعمال سمع،۲۔اعمال بصر ،۳۔اعمال ید(ہاتھوں کے) ،۴۔اعمال رِجل (پیروں کے)،۵۔اعمال بطن (شکم)،۶۔اعمال فرج (شرمگاہ)،۷۔اعمال لسان (زبان)۔یہ اعمال ظاہری ہیں ان کے خیر کو ان کے شر سے تولا جائے گا میزان محسوس میں ۔۔۔اعمال باطنی بھی سات قسم کے ہیں،۱۔اعمال عقل یعنی خیالات حق و باطل ،۲۔اعمال قلب یعنی عقائد حق و باطل ،۳۔اعمال صدری یعنی تصورات حق و باطل ،۴۔اعمال شعور یعنی تفکرات حق و باطل ،۵۔اعمال مزاج یعنی ارادۂ حق و باطل ،۶۔اعمال طبعی یعنی عادات حق و باطل ، ۷۔اعمال شخصی یعنی مروجات حق و باطل ،ان کو میزان معنوی وحکمی میں تولا جائے گا ،غرضکہ اعمال محسوسی کو میزان محسوسی میں اور اعمال معنوی کو میزان معنوی میں ، ہر چیز کا مقابلہ اس کی مثل سے کیا جائے گا۔ذکر کی چار قسمیں ہیں،۱۔ذکر لسان ،۲۔ذکر جنان ،۳۔ذکر خفی ،۴۔ذکر سرِّی ذکر خفی وسری توحید حقیقی باطنی ہے ان کو کراماً کاتبین بھی نہیں جانتے اس لئے یہ میزان صوری میں نہ تولے جائیں گے نہ یہ مکتوب نہ ان کا کوئی مثل لہٰذا نہ ان کا میزان میں دخول۔ ۔۔۔۔ ان آیات کے بارے میں شیخ اکبر محی الدین نے فرمایا ’اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم قائم فرماتے ہیں کائنات عالم میں ظلِّ وحدت اور صفت لازمہ والی عدل اور عدالت کی موازین قسط جن سے قائم ہیں سمٰوات ارواح اور ارض اجسام و بقاء استقامت ،اگر یہ موازین قسط نہ ہوتیں تو ہر گز ہر گز امر وجود کسی بھی طریقۂ معینہ سے نسق محدود پر نہ ٹھہرتا ،یہ شمس وقمر ،سماک وسمک ، یہ عرش وفلک سب ہمارے انھیں موازین قسط سے قائم ودائم ہیں یہ موازین ہر شئ کو شامل ہیں اسی لئے ہر موجود شئ کے وجود کو اس کا انصاف پہنچ رہا ہے اسی کے حال و برداشت کے مطابق ومناسب اس انداز

سے کہ ہر چیز اپنے ہمراہی کی میزان بن گئی اور اشیاء عالم کی تعداد کے برابر موازین کی تعداد ہوگئی اور محجوبین کے لئے حیات دنیا کے لمحات ہی قیامت صغریٰ بن گئے اور یہ زندگی اہل مکاشفہ کے اعتبار احوال سے قیامت کبریٰ ہے کہ فَلَا تُظْلَمُ کسی کا کسی پر کچھ ظلم نہ ہوگا اس لئے کہ ہر وہ عمل خیر جو کرلیا گیا وہ حسنات کے پلڑے میں قلب کی جہت روحانی کی جانب سے ڈالے جائیں گے اور ہر وہ عمل بد جو بندے سے عمل میں آئے وہ سیئات کے پلڑے میں نفس امارہ کی جانب سے رکھ دیا جائے گا اگرچہ ذرۂ قلیل کی مثل ہو، بزرگ فرماتے ہیں کہ قلب زبان کی میزان ہے یہی وجہ ہے کہ حسنات کے پلڑے میں سفید چمک دار خوشنما جواہر ہوں گے اور سیئات کے پلڑے میں سیاہ بدنما جواہر، اے بندۂ دنیوی! ہم نے ہی عطا فرمایا موسیٰ قلب اور ھٰرونِ عقل کو ظاہر اور باطن کے علم تفصیلی وفہم کشفی کا فرقان یعنی ہم نے ان دونوں کو مقام قلب میں وہ علم دیا جو فرق کردے حق و باطل کے درمیان حقائقِ ظاہرہ اور مقام معرفت کلیہ سے، مقام روح میں ان کا مرتبہ وہ مشاہدۂ نور ہے جو ہر نور پر غالب ہے اور مقام نفس میں علوم جزئیات شریعت کی نصیحتیں ومواعظ حسنہ کے ذکر ہیں، یہی ان کا مرتبۂ صدارت ہے ایسے ہی مستعد وقابل سالکین کو یہ فرقان، ضیاو ذکر کا نفع دینے والے ہیں ان کے لئے ہی نور تامہ کی ضیا مشاہدات روحانیہ میں جمع ہوتی ہے اور ان متقین کے لئے ہی راہ منزل کا تذکرہ اور ہدایت کی نصیحتیں ہیں جنہوں نے خباثت ورذائل سے اپنے نفوس کو خواہشات میں سے بچالیا، پاک کرلیا اور صفت محجوبی سے بچ گئے تب چمک گئے، طیبات عظمیٰ کے انوار ان کے دلوں سے ان کے نفسوں پر جس کی وجہ سے ان کو تذکیر روحانی وصفائی جسمانی حاصل ہوگی اور وصل منزل سے پہلے ہی حال غائبانہ میں حضور وحی قلبی کے مقام تک خشیت ربانی پیدا ہوگئی یہی وہ باسعادت ہستیاں ہیں جو اپنی قوت سے قیامت کبریٰ پر ایمان بالغیب لاتے ہیں اور اس سے خائف رہتے ہیں۔ قسمت عظیم والے ہیں وہ بندے جن کے لئے ان

کے قلب محبوب پر ہم نے نازل فرمایا خیر کثیر۔اور برکات عمیم کا ذکر نازل فرمایا،اس ذکر میں کشف ذاتی کی رحمتیں،شہود حق کی برکتیں جمعیت عینی کے جامع کلمات ہیں،برکت میں ہی نمود ہوتی ہے اور کثرت جو بندہ اللہ تعالیٰ سے ڈر کر تائب ہوتا ہے اور مغفرت کا امیدوار ہوتا ہے اس کے لئے امید وبیم کی حالت میں سچی قسم کی توبہ مقبول ہوتی ہے۔۔۔خوف کی تین قسمیں ہیں، ۱۔خَشَعٌ ۲۔خَشَیٌ، ۳۔شَفَقٌ،عقل سے خوف کرنے والے خَاشِعُوْنَ ہیں اور قلب سے خوف کرنے والے خَاشِیُوْنَ ہیں اور جسم وروح سے خوف کرنے والے مُشْفِقُوْن ہیں جب انمیں سے کوئی خوف بندے میں پیدا ہوتا ہے تو وہ توبہ کرنے والا بن جاتا ہے اور توبہ کرنے والا اپنے اعضاء کو برائیوں سے محفوظ رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاکراس کی اطاعت کرنے لگتا ہے اس طرح وہ اللہ تعالی کی نعمتوں کا شکر بجالاتا ہے،ہر بندے کے اعضاء اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں ان نعمتوں کا شکر یہ یہ ہے کہ انھیں گناہوں سے بچا کر رب تعالیٰ کی اطاعت میں مصروف رکھا جائے یہی اصل شکر گذاری ہے اور سچی توبہ سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں۔توبہ کی قبولیت کی نشانی یہ ہے کہ بندے کو توکل کی دولت نصیب ہوتی ہے،توکل کی نشانی دنیا والوں سے کنارہ کشی،اور کنارہ کشی وہی کرتا ہے جسے رب تعالیٰ کے ہر دعوے پر کامل بھروسہ ہو اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر مطمئن ہونا ہی عین توکل ہے بندے کو چاہئے کہ جب قلب پر مسلط ہو اور اس کے ساتھ شریعت مقدسہ کے مقرر کردہ مشاغل میں بھی لگا رہے تو سستی نہ کرے۔توبہ کی دو قسمیں ہیں،اول توبۂ انابت،دوم توبۂ استجابت۔توبۂ انابت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس لئے ڈرو کہ وہ تم پر قادر ہے،توبۂ استجابت یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے اس لئے شرم کرو کہ وہ تم سے قریب ہے،یہ توبہ اگر کسی بندے کے دل میں جاگزیں ہوجائے تو اس کو چاہئے کہ ہر حال وکیفیت میں بجز ذکر اللہ ہر تصور،ہر وسوسے سے استغفار کرتا رہے،توبۂ

استجابت کا معنی یہ ہے کہ بندہ اپنی ہستی کو بھی مقام فنائیت میں سمجھے خودی کو مٹائے اس کی بارگاہ قدسی میں ہستی انا بھی گناہ تصور کرے اور اپنی ہستی اپنے وجود سے توبہ کرے، آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہاری دینداری کا دارومدار پرہیزگاری پر ہے۔ موازین قسط کی تیاری کے لئے گیارہ خصلتیں اختیار کرو، ا۔ آخرت کا اہتمام، ۲۔ جنت سے محبت، ۳۔ حساب آخرت کا خوف، ۴۔ تواضع اور عاجزی سے دین ودنیا کے کام، ۵۔ کسی نیک انسان کو گالی نہ دینا، ۶۔ سچے آدمی کو نہ جھٹلاؤ، مومن سچا ہوتا ہے اور کافر جھوٹا اس لئے کہ اس نے اپنے دین میں جھوٹ داخل کرلیا تو اب اس کی کس بات کا اعتبار کیا جاسکتا ہے، ۷۔ کسی کافر فاسق وفاجر سے کبھی کسی بھلائی کی امید نہ رکھو، ۸۔ حاکم عادل کی نافرمانی مت کرو، ۹۔ زمین میں کسی قسم کا فساد نہ پھیلاؤ، ۱۰۔ ہر جگہ اللہ سے ڈرو اور ہر معاملے میں اس کی طرف دھیان رکھو، ۱۱۔ ہر گناہ پر جلدی توبہ کرو علانیہ پر علانیہ اور پوشیدہ پر پوشیدہ۔ یہی ہے اسلامی زندگی اور باادب شریفانہ بندگی، قدر کرو رب تعالیٰ کے اس فیصلۂ ازلی تقدیری کی کہ عالم ارواح میں ہی اس ذات رحیم وکریم نے تم کو اپنے محبوب کی امت اپنے قرآن کی اطاعت، اپنے اسلام کی پیروی کے لئے منتخب فرمالیا تھا جبکہ نہ تمھاری کسی نے سفارش کی نہ دعا، اس نے اپنی مرضی سے تم کو پسند کرلیا۔

(تفسیر نعیمی میں ہے کہ اس تفسیر کے ماخوذات، تفسیر معالم التنزیل، ابن کثیر، تفسیر نثر المرجان، تفسیر نیشاپوری، تفسیر بیان القرآن، منجد، لغات القرآن، تفسیر کبیر، روح البیان، روح المعانی، تفسیر صاوی، تفسیر مظہری تفسیر فتح القدیر، بیضاوی، جلالین، خازن وتفسیر مدارک ہیں)

[تفسیر نعیمی، از ص ۲۱۷ تا ص ۲۳۹ / ج ۱۷]

بَابُ

قَوْلِ اللهِ '' وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ '' [الانبیاء/۴۷] کی شرح علامہ عینی کی زبان سے۔ علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفیٰ ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں رقمطراز ہیں، اس باب کے عنوان میں '' الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ '' کا ذکر ہے، الْمَوَازِيْنَ ' میزان کی جمع ہے یہ اصل میں مِوْزَان تھا، واؤ کو یاء سے تبدیل کر دیا کیوں کہ واؤ ساکن ہے اور اس کا ماقبل مکسور ہے اور الْقِسْطَ کا لفظ مصدر ہے ،اس میں مفرد تثنیہ اور جمع تینوں برابر ہیں اور اس کا معنیٰ ہے عدل کرنے والے ترازو۔

سوال:۔ ارشاد '' الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ '' پر بظاہر دو طرح سے سوال وارد ہوتا ہے۔ اول، یہ کہ بروز قیامت ایک ہی میزان ہوگی تو پھر '' الْمَوَازِيْنَ '' جمع کا صیغہ کیوں ارشاد ہوا؟ دوم، یہ کہ '' الْمَوَازِيْنَ '' جمع ہے اور الْقِسطُ واحد ہے تو واحد لفظ ،جمع لفظ کی صفت کیسے ہوسکتا ہے؟ جبکہ موصوف وصفت میں مطابقت ضروری ہوتی ہے۔

جواب:۔ ان دونوں سوالوں کا جواب تفسیر میں گذر چکا ہے۔ وہ یہ کہ الْمَوَازِيْنَ، صیغۂ جمع بندوں کے اعتبار سے ہے کیوں کہ جن بندوں کے اعمال کا وزن کیا جائے گا وہ بہت زیادہ ہیں پس حال کا لحاظ کر کے محل کو بھی جمع لایا گیا۔ اور سوال دوم کا جواب یہ ہے کہ القسط مصدر ہے اور یہ واحد، تثنیہ اور جمع سب میں مساوی ہے لہٰذا موازین کی صفت القسط ہونے میں مضائقہ نہیں۔ اور زجاج نے اس کا دوسرا جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ اصل عبارت یوں ہے '' وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ ذَوَاتِ الْقِسْطِ '' ہم ایسے ترازو رکھیں گے جو انصاف کرنے والی ہوں گی یعنی عبارت میں لفظ ذوات محذوف ہے اور ذوات جمع ہے اس لئے مطابقت ہوگئی۔

ارشاد بخاری، ''وَ اَنَّ اَعۡمَالَ بَنِی آدَمَ وَ قَولَھُمۡ یُوۡزَنُ' وَ قَالَ مجاھدٌ: اَلۡقِسۡطَاسُ ، العَدلُ بِالرُّوۡمِیَّۃِ ، وَیُقَالُ القِسۡطُ مَصۡدَرُ الۡمُقۡسِطِ وَ ھُوَ العادِلُ وَ اَمّا الۡقَاسِطُ فَھُوَ الجَائِرُ'' یعنی بنی آدم کے اعمال اوران کے قول کووزن کیا جائے گا۔اور مجاہد نے کہا''القِسۡطَاس '' کامعنی رومی زبان میں عدل ہوتا ہے،اور کہاجاتا ہے کہ ''القِسۡط'' یہ اَلۡمُقۡسِط کا مصدر ہے اور اس کامعنی ہے العادل اور رہا ''القاسط'' تواس کامعنی ہے،ظالم۔ اس تعلیق کی شرح میں حضرت علامہ عینی فرماتے ہیں۔

''یعنی مجاہد نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد'' وَزِنُوۡا بِالۡقِسۡطَاسِ الۡمُسۡتَقِیۡمِ ،،[بنی اسرائیل ۳۵]اور برابر ترازو سے تولو، میں قسطاس کا لفظ پیش کے ساتھ قُسطاس اور زیر کے ساتھ قِسطاس بھی آتا ہے جس کا معنی رومی زبان میں عدل کرنا ہے۔اور ''القسط''کا لفظ جب ثلاثی مزید فیہ باب افعال سے ہوتواس کااسم فاعل ''المقسط'' ہوگا اوراس کا معنی عدل کرنے والا ہے اور جب یہ لفظ ثلاثی مجرد سے ہوتو اس کا فاعل ''القاسط'' ہوگا اوراس کامعنی ،ظالم ہوگا۔اس مقام پر اسماعیلی نے امام بخاری پراعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ امام بخاری کا القسط کو المقسط کا مصدر کہنا صحیح نہیں ،کیوں کہ المقسط کا مصدر 'الاقساط' ہے جب کوئی شخص عدل کرے تو کہا جاتا ہے ''اَقۡسَطَ''اور جب کوئی ظلم کرے تو کہا جاتا ہے ''قَسَطَ''[عمدۃ القاری ،ج ۲۵ ص ۳۰۲ بحوالہ نعمۃ الباری ،ص۱۰۱۱/ج۱۶]اس مقام پر شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں ،''حضرت امام بخاری اپنی عادت کے مطابق قسط اور اس کے مناسب الفاظ کی تفسیر بیان کرر ہے ہیں۔

امام مجاہد کے قول سے ظاہر ہورہا ہے کہ قرآن کریم میں کچھ الفاظ دخیل بھی ہیں یعنی وہ حقیقت میں

دوسری زبان کے ہیں مگر قرآن مجید نے ان کو استعمال کیا ہے، ہم نے (مفتی امجدی) نے کسی مقام پر یہ تحقیق کی ہے کہ قرآن کریم میں بلکہ زبان عرب میں کوئی لفظ دخیل نہیں ہے اور جن الفاظ کو نظیر میں پیش کرتے ہیں یہ حقیقت میں توارد ہے، بہر حال یہ صحیح ہے کہ قسطاس کے معنی انصاف کے ہیں۔ (اور بخاری کے قول القسط مصدر المقسط، میں) مصدر سے مراد مادہ ہے صرفی مصدر یہاں نہیں بن سکتا ہے اس لئے کہ مقسط مزید فیہ ہے اور قسط ثلاثی مجرد، مزید فیہ کا مصدر، ثلاثی مجرد نہیں ہوسکتا، اس لئے ضروری ہے کہ مصدر سے مادہ مراد ہو۔

کچھ لوگوں نے کہا قسط کے معنی ظلم کے ہیں اسی لئے قاسط کے معنی ظالم کے ہیں، باب افعال کی خاصیت سلب ماخذ ہے اور سلب ظلم انصاف ہے اس لئے **المقسط** کے معنی عادل کے ہوئے ،لیکن اس استدلال کی بنیاد ہی غلط ہے، قسط کے معنی صرف ظلم ہی کے نہیں بلکہ عدل کے بھی ہیں، یہ اضداد میں سے ہے جس کا ثبوت خود باب میں مذکور آیت کریمہ ہے کہ فرمایا گیا ''الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ'' نیز اس کی دلیل یہ آیت کریمہ بھی ہے کہ فرمایا گیا'' وَ اِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ'' جب ان کے درمیان فیصلہ فرماؤ تو انصاف کے ساتھ فیصلہ فرماؤ[المائدة/ ۴۲]۔ نیز فرمایا'' وَ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَاللهِ وَ اَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ، [البقرة/ ۲۸۲] یہ اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کی بات ہے، اس میں گواہی خوب ٹھیک رہے گی، اقسط اسم تفضیل قسط ہی سے ہے اور بھی کثیر آیتوں میں قسط بمعنی انصاف مذکور ہے ،ایسی آیتوں کی تعداد کثیر ہے۔ (لیکن یہ بھی ایک قرآنی حقیقت ہے کہ قسط بمعنی عدل کا اسم فاعل، قاسط بمعنی عادل کہیں نہیں مذکور ہے ،قسط بمعنی عدل کا اسم فاعل جہاں کہیں آیا ہے وہ اَلْمُقْسِطُ ہی آیا ہے چنانچہ آیت کریمہ ''وَ اِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ'' کے بعد ارشاد ہے اِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ' بیشک انصاف والے اللہ کو پسند ہیں)۔

حکایت :۔ اس سلسلے میں ایک بڑی معنی خیز حکایت بھی مروی ہے کہ جب سیدنا سعید بن جبیر شہید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حجاج بن یوسف ظالم نے گرفتار کر کے اپنی کچہری میں کھڑا کیا اور ان سے پوچھا مجھے کیا کہتے ہو تو انھوں نے فرمایا ''اَنْتَ الْقَاسِطُ الْعَادِلُ'' یہ سن کر دربار والے حیرت میں پڑ گئے کہ باہر تو حجاج کو ظالم اور جفا کار اور کیا کیا کہتے تھے اور جب گرفتار ہو کر اس کے سامنے کھڑے ہیں اور موت اپنے سر پر کھڑی دیکھ رہے ہیں تو اس کو قاسط و عادل کہہ رہے ہیں، حجاج بہت ذہین فطین تھا وہ سمجھ گیا اس نے درباریوں سے کہا، تم نے سمجھا نہیں یہ مجھے کیا کہہ رہا ہے اس نے مجھے (عادل نہیں بلکہ) جہنمی کافر کہا چونکہ قرآن مجید میں ہے ''وَ اَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۝'' [الجن/۱۵] اور رہے ظالم تو وہ جہنم کے ایندھن ہونگے، اس نے مجھ کو عادل کہا، اس کی مراد حق سے عدول کرنے والا ہے جیسا کہ فرمایا گیا ''ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ'' [الانعام/۱] پھر کافر اپنے رب سے عدول کرتے ہیں۔

مقصد باب :۔ امام بخاری نے اس باب کو معتزلہ کے نظریات فاسدہ کے رد و ابطال کے لئے لایا ہے چونکہ معتزلہ **میزان اور وزن اعمال** کا انکار کرتے ہیں، معتزلہ کہتے ہیں کہ وزن اعمال لغو ہے، جب حساب و کتاب ہو گیا اور فرشتوں کے لکھے ہوئے صحیفے سب ہاتھوں میں دے دیئے گئے اور اس کے مطابق فیصلہ بھی ہو گیا تو اب وزن اعمال کی کیا ضرورت؟ نیز اس لئے بھی کہ اعمال اعراض ہوتے ہیں اور اعراض دو زمانہ باقی نہیں رہتے بلکہ معدوم اور ہلاک ہو جاتے ہیں اور معدوم کا اعادہ محال ہے اور بالفرض اس کا اعادہ ممکن بھی ہو تو اس کا وزن کرنا ممکن نہیں ہے اس لئے کہ وزن، اعمال ثقیلہ کے خواص میں سے ہے ۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ سارے بندوں کے سارے اعمال نیک و بد اللہ تعالیٰ کو معلوم ہی ہیں تو علم ہوتے ہوئے اعمال کا وزن کرنا عبث و لغو ہے اور اللہ عز شانہ تعالیٰ عبث و لغو سے منزہ ہے۔ شرح العقائد اور اس کی

شرح نبراس میں ہے،''(وَ اَنْکَرہُ المعتزلۃ)زَاعِمِینَ اَنَّہٗ عبارۃٌ عَنِ العَدلِ فِی الحکمِ اَوْ عَنْ جَزَاءِ الْاَعْمَالِ (لِاَ نَّ الْاَعْمَالَ اَعْرَا ضٌ) وَ الْعَرض لا یَبْقیٰ زَمَا نَینِ وَ اِعَا دَۃُ المَعدُومِ مُحَالٌ (وَ اِنْ اَمْکَنَ اِعَادَتُھَا) بِالفرضِ (لَمْ یُمْکِنْ وَزنُھَا) لِاَ نَّ الوزنَ مِنْ خَواص الْاَجسَامِ الثقِیْلۃِ (وَ لِاَنَّھَا مَعْلُومۃٌ لِلّٰہِ تَعَالیٰ فوَزْنُھَا عبثٌ)''[ص۴۶۱] یعنی معتزلہ نے وزن اعمال سے انکار کیا ہے ان کا گمان یہ ہے کہ وزن اعمال سے مراد فیصلے میں انصاف کرنا یا اعمال کی جزاء ہے، اس لئے کہ اعمال اعراض ہیں اور عرض دوزمانہ باقی نہیں رہتا (بلکہ ہلاک ومعدوم ہوجاتا ہے)اور معدوم کا اعادہ محال ہے اور بالفرض اس کا اعادہ ہو بھی تو وزن ممکن نہیں ہے اس لئے کہ وزن، اجسام ثقیلہ کے خواص میں سے ہے اور پھر وہ تو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہی ہے تو (علم ہوتے ہوئے)اس کا وزن کرنا عبث ہے؟

معتزلہ کے نظریات کا جواب:۔ اہلسنت وجماعت کے نزدیک میزان ووزن اعمال دونوں حق ہیں، **میزان**، یہ ایک ترازو ہوگا جس کے دو پلے ہونگے جس میں بندوں کی نیکیاں اور برائیاں تولی جائیں گی، اس کا ایک پلہ اتنا وسیع ہوگا کہ ساتوں آسمان وزمین اس میں رکھ دیئے جائیں تو بھی نہیں بھرے گا، یہ روایت پہلے گذر چکی ہے کہ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ مجھے میزان دکھائی جائے، جب انھوں نے میزان دیکھا تو ان پر غشی طاری ہوگئی، افاقہ کے بعد انھوں نے عرض کیا اے اللہ میزان کے بھرنے پر کون قادر ہے، اللہ عزوجل نے فرمایا کہ اے داؤد جس سے میں راضی ہوں گا اس کے صدقہ کے ایک چھوارے سے بھر دوں گا، یا لا الٰہ الا اللہ پڑھنے پر بھر دوں گا۔

یہ میزان اللہ عزوجل کے حضور اس طرح نصب کیا جائے گا کہ نیکیوں کا پلہ عرش کی داہنی طرف ہوگا جنت کے بالمقابل۔اور برائیوں کا پلہ عرش کے بائیں طرف جہنم کے بالمقابل، جیسا کہ امام حکیم ترمذی نے

نوادر الاصول میں اور امام ابو القاسم لا لکائی نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے اور اعمال کے تولنے کا کام حضرت جبریل علیہ السلام کے سپرد ہوگا یا حضرت ملک الموت کے۔[نزھۃ القاری] اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ نے اپنے فتاوی میں فرمایا ''وہ میزان یہاں کے ترازو کے خلاف ہے وہاں نیکیوں کا پلہ اگر بھاری ہوگا تو اوپر اوٹھے گا اور بدی کا پلہ نیچے بیٹھے گا، قال اللہ تعالیٰ (اِلَیْہِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُہٗ) [سورۃ الفاطر/۱۰] اسی کی طرف چڑھتا ہے پاکیزہ کلام اور جو نیک کام ہے وہ اسے بلند کرتا ہے'' [فتاوی رضویہ، ص ۶۲۶ / ج ۲۹] اس کا ثبوت قرآن کی آیات، احادیث پاک سے ہے اور اجماع امت سے بھی ثابت ہے۔

آیات قرآن:۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''وَالْوَزْنُ یَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُہٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُہٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَظْلِمُوْنَ ۝'' [الاعراف، ۸/۹] یعنی اس دن اعمال کا وزن کرنا حق ہے پھر جن کی (نیکی) کے پلڑے بھاری ہوئے تو وہی کامیاب ہیں اور جن کی (نیکی) کے پلڑے ہلکے ہوئے تو وہی ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو خسارے میں ڈالا اس وجہ سے کہ وہ ہماری آیتوں کے ساتھ ظلم کرتے تھے۔

سورۂ مومنون میں بایں طور ارشاد عالیشان ہے۔

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُہٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُہٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِیْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۚ [آیت ۱۰۲ / ۱۰۳] تو جن کی ترازو کے پلے بھاری ہوئے وہی فلاح پانے والے ہونگے اور جن کی ترازو کے پلے ہلکے ہوئے تو وہی ہونگے جنہوں نے اپنی جانوں کو نقصان میں ڈالا وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ اور سورۂ انبیاء کی آیت نمبر ۴۷'' وَ نَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ

الْقِیٰمَۃِ‘‘ الایۃ جسکو حضرت امام بخاری نے ترجمۃ الباب میں ذکر فرمایا ہے سب اس باب میں بہت ہی واضح اور صریح نص ہیں کہ میزان اور وزن اعمال سب برحق ہیں اس میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں، اس لئے معتزلہ کی تاویل غیر مسموع ہے۔ **(گناہ کے ننانوے دفتر/ حدیث بطاقہ)**

احادیث مبارکہ:۔ میزان اور روز قیامت وزن اعمال کے سلسلے میں احادیث پاک بھی بکثرت وارد ہیں ایک تو یہی صحیح بخاری کی آخری حدیث جس کا متن آئندہ سطور میں مسطور ہوگا، اس کے علاوہ چند احادیث مبارکہ ذیل میں بطور حصول تیمن و برکت ہم لکھنے کی سعادت حاصل کررہے ہیں، (۱)عن اَبی عبد الرحمن المعافری ثم الحبلی قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یقول (ان اللہ سیخلص رجلاً من امتی علیٰ رؤوس الخلائقِ یومَ القیامةِ ، فینشر علیه تسعة وتسعین سجلا ، کل سجل مثل مد البصر ،ثم یقول أ تنکر من ھٰذا شیئاً؟ أ ظلمک کتبتی الحافظون ؟ یقول: لا،یاربِ! فیقول: أفلک عذر ؟ فیقول: لا یارب،فیقول بلیٰ! اِنَّ لکَ عندنَا حسنةً فانّہٗ لا ظلم علیک الیوم ،فیخرج بطاقةً فیھا اشھد انْ لا الٰہَ الا اللہ وَ اشھد ان محمدا عبدہ و رسولہ ،فیقولُ: احضر وَزنِک، فیقول یاربِ! ما ھٰذہٖ البطاقه مع ھٰذہٖ السجلات ؟ فقال فانک لا تظلم، قال فتوضع السجلات فی کفةٍ و البطاقة فی کفةٍ ،فطاشت السجلات و ثقلتِ البطاقةُ، و لا یثقل مع اسم اللہ شیئٌ‘‘

[سنن الترمذی، کتاب الایمان]

اس حدیث کو حدیث بطاقہ کہتے ہیں امام ترمذی کے علاوہ ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم اور بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک شخص کو تمام مخلوقات سے الگ کرے گا اور اس کے سامنے اس کے گناہوں کے نناوے دفتر پھیلا دے گا ہر دفتر تا حد نظر لمبا ہوگا، اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا ان دفتروں میں جو لکھا ہوا ہے کیا تو اس سے انکار کرتا ہے، کیا ہمارے کراما کاتبین نے تجھ پر کچھ ظلم کیا ہے؟ وہ عرض کرے گا نہیں اے رب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہاں اے بندے ہمارے پاس تیری ایک نیکی ہے، آج تجھ پر ظلم نہیں ہوگا، پھر اللہ تعالیٰ کاغذ کا ایک چھوٹا سا ٹکرا نکالے گا جس میں لکھا ہوگا "اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللہ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ" فرمائے گا یہ لے اور میزان پر جا وہ عرض کرے گا اے رب! اس چھوٹے سے ٹکرے کی ان دفتروں کے مقابلے میں کیا حیثیت ہے؟ فرمائے گا جا تیرے اوپر کوئی ظلم نہیں ہوگا، میزان کے ایک پلے میں وہ سارے دفتر رکھے جائیں گے اور ایک پلے میں وہ کاغذ کا ٹکرا، اس کاغذ کے ٹکرے والا پلہ ان دفتروں پر بھاری ہو جائے گا۔ کہ اللہ کے نام پاک کے مقابل کوئی چیز بھاری ہوئی نہیں ہوسکتی۔

(۲) میزان و پل صراط اور حوض کوثر پر دورہ:۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا، یارسول اللہ! میدان قیامت میں، میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟ فرمایا پل صراط کے پاس، میزان عمل کے پاس یا پھر حوض کوثر کے نزدیک پوری حدیث اس طرح ہے

،"حَدَّثَنَا النّضر ابن انس بن مالک عن اَبیهِ: قال سألتُ النبی ﷺ أنْ یَشْفعَ لی یَوْمَ الْقیمَةِ فقال : انا فاعلٌ قلتُ یا رسول الله ! اَیْنَ أطلبکَ ،قال: اطلبنی اَول ما تطلبنی علیَ الصراط، قلتُ فِانْ لم القکَ علی الصراط ،قال فاطلبنی عند المیزانِ ،قلتُ: فِانْ لم القکَ عند المیزانِ ،قال: فاطلبنی عند الحوضِ فَاِنّیِ لَا اخطیءُ هٰذهِ الثّلاث المواطن"

[سنن الترمذی، ابواب صفة القیامةِ]

حضرت نضر بن انس، اپنے والد حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انس بن مالک نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کیا کہ آپ قیامت کے دن میری شفاعت فرمائیں گے، فرمایا میں شفاعت کروں گا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟ فرمایا سب سے پہلے مجھے پل صراط کے پاس تلاش کرنا، میں نے عرض کیا اگر میں آپ کو پل صراط پر نہ پاسکوں ،فرمایا تو مجھے میزان کے پاس تلاش کرنا ،میں نے عرض کیا اگر میں آپ کو میزان کے پاس بھی نہ پاسکوں، فرمایا تو پھر حوض کے پاس تلاش کرنا، اس لئے کہ میں ان تین جگہوں سے ہٹ نہیں سکتا۔

(۳) عن عبد اللہ بن عمرو قال قال رسولُ اللہ ﷺ التسبیح نصف المیزان والحمد للہ یملأہٗ ولا الٰہ الا اللہ لیس لھا حجاب دون اللہ حتیٰ تخلص الیہِ رواہ الترمذی" روایت ہے حضرت عبداللہ بن عمرو سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا سبحان اللہ آدھی میزان ہے اور الحمدللہ اسے بھر دے گی اور لا الہ الا اللہ کے لئے رب سے کوئی پردہ نہیں سیدھا اس تک پہنچتا ہے۔

(۴) عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنھما قال: اِنَّ لآدم من اللہ موقفا فی فسیح العرش علیہ ثوبان اخضران کانہ نخلۃ سحوق ینظر اِلیٰ من ینطلق بہ من ولدہ إلی الجنۃ وینظر إلی من ینطلق بہٖ من ولدہ إلیَ النار، قال فبینا آدم علٰی ذالک اذ نظر إلیٰ رجلٍ من أمۃ محمد ﷺ منطلق إلی النار، فینادی آدم: یا احمد! یا احمد! فیقول لبیک یا ابا البشر! فیقول: ھذا رجل من أمتک منطلق بہ الی النّار، فاشدّ المئزر و اسرع فی اثر الملٰئکۃ، واقول یا رسل ربی! قفوا، فیقولون: نحن الغلاظ الشداد، الذین لا نعصی اللہ ما أمرنا و نفعل ما نؤمر ،فإذا أیس النبی ﷺ قبض علی لحیتہ بیدہ الیسریٰ و استقبل العرش بیدہٖ، فیقول یا رب

!ألیسَ قد وعدتنی أن لا تخزینی فی امتی، فیاتی النداء من عند العرش :أطیعوا محمداً و ردوا ھذا العبد إلی المقام ،فأخرج من حُجَزی بطاقةً بیضاء کَالأنْمُلةِ فألْقِیَھا فی کَفَّةِ المیزانِ الیُمنیٰ وَ أنا اقولُ بسم اللہ ، فترجح الحسَنات علی السیئات ، فیُنادی سعِد و سعِدَ جدُّہٗ و ثقلت موازینُہٗ انطلقوا به الی الجنة فیقول العبد یا رسلَ ربی قفوا حتیٰ اکلّمَ ھذاالعبدَ الکریمَ علیٰ ربّہٖ فیقولُ: بأبی و أمِّی ! ماأحسنَ وجھکَ و أحسن خلقکَ فقد أقلتنی عثرتی و رحمت عبرتی ، فیقولُ أنا نبیُّک محمدٌ وھٰذہٖ صلاتک التی کنتَ تصلِّیَھا عَلَیَّ وقد وافقتک أحوج ما کنتَ إلَیْھا“ (فرشتوں سے اپنے امتی کو چھڑانا)

[الراوی، کثیر بن مرة الحضرمی، السخاوی، القول البدیع]

حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام عرش کے وسیع وعریض میدان میں ایک مقام پر رب کے حضور کھڑے ہونگے ، دوسبز لباس میں ملبوس ہونگے جیسے کہ وہ لمبے کھجور کے درخت ہیں، ان کی جو اولاد جنت ، یا جو اولاد جہنم لے جائی جا رہی ہوگی ، انھیں دیکھ رہے ہوں گے، فرمایا حضرت آدم اسی حال میں ہوں گے کہ اچانک دیکھیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے ایک شخص کو فرشتے جہنم کی طرف لئے جارہے ہوں گے۔ پس حضرت آدم علیہ السلام پکاریں گے اے احمد! اے احمد! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیں گے، لبیک اے ابوالبشر، حضرت آدم کہیں گے، آپ کی امت کے ایک شخص کو جہنم میں لے جایا جارہا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں اپنی تہبند سنبھالتے اور باندھتے ہوئے فرشتوں کے پیچھے تیزی سے چلوں گا اور کہوں گا اے میرے رب کے فرشتو! ٹھیر جاؤ، فرشتے کہیں گے ہم سختی کرنے والے بڑے طاقتور فرشتے ہیں ہم اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرسکتے ہم تو وہی کریں گے جو ہمیں حکم دیا گیا

ہے،اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مایوسی ہوگی ،آپ اپنے بائیں دست مبارک سے اپنی ریش مبارک پکڑیں گے اور اپنے دست مبارک کو عرش کی طرف اٹھاتے ہوئے عرض گذار ہوں گے ،اے میرے رب! کیا تو نے مجھ سے وعدہ نہیں فرمایا ہے کہ تو مجھکو میری امت کے بارے میں رسوانہیں فرمائے گا؟ پس اس وقت عرش سے ندا ہوگی اے فرشتو! (میرے حبیب) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرو جو وہ کہیں وہ کرو اور اس بندہ کو اسی مقام پر (یعنی میزان پر) لے جاؤ،اب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے پاس سے سفید باریک پرچہ نکالیں گے اور بسم اللہ پڑھ کر میزان کے داہنی پلے میں رکھ دیں گے جس میں باریک حروف میں کچھ لکھا ہوگا اس پرچے کی وجہ سے اس کی نیکیاں اس کے گناہوں پر بھاری ہو جائیں گی ،آواز آئے گی سعد یہ،سعد یہ بندہ کامیاب ہوگیا کامیاب ہوگیا ،اب فرشتے اسے جنت کی طرف لے چلیں گے ،یہ شخص کہے گا اے میرے رب کے فرشتو! ٹھہرو،ذرا مجھے رب کی بارگاہ کے اس مکرم اپنے محسن اعظم سے گفتگو کر لینے دو وہ کہے گا،اے حسین چہرہ والے،اعلیٰ اخلاق کے پیکر! میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ کون ہیں جنھوں نے مجھ پکڑے ہوئے کو چھڑایا، مجھ ڈوبتے کو تیرایا،تمھارے سوا میرے کوئی کام نہ آیا،حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیں گے انا نبیک محمد، میں تیرا نبی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں اور یہ پرچہ جو میں نے میزان میں رکھا تمہارا وہ درود شریف ہے جو تو مجھ پر بھیجا کرتا تھا، وہ درود میرے پاس محفوظ تھے، تیری مصیبت میں آج ان کے ذریعہ تیری بگڑی بنائی گئی [تفسیر روح المعانی،نعیمی /ج۸]

دل عبث خوف سے پتہ سا اڑا جاتا ہے :پلہ ہلکا سہی بھاری ہے بھروسہ تیرا ۔

(۵)ابن عبد البر نے بروایت ابراہیم نخعی روایت کی کہ ایک مسلمان کے نیک اعمال میزان میں ہلکے ہو جائیں گے تو کوئی چیز ہلکی بارش کی طرح اس نیکیوں کے پلے پر برسے گی جس سے یہ پلہ بھاری ہو جائے گا پھر

اس سے کہا جاوے گا کہ تو جانتا ہے کہ یہ کیا چیز برسی؟ جس نے تیری نیکیاں بھاری کردیں ،عرض کریگا نہیں ،ارشاد ہوگا کہ تونے دنیا میں لوگوں میں علم دین پھیلایا ، پڑھایا ،علم سکھایا ، یہ تیری وہ خدمات تھیں جو آج تیری رہائی کا ذریعہ بنیں ۔اور ابن مبارک نے زھد میں بروایت حماد بن ابی سلیمان تخریج کی کہ ایک شخص قیامت کے دن لایا جائے گا تو وہ دیکھے گا کہ اس کا عمل حقیر اور معمولی ہے وہ اسی حالت میں ہوگا کہ اس کے پاس بادل کے مثل کوئی چیز آئے گی اور اس کے میزان میں ڈال دی جائے گی ، پھر اس سے کہا جائے گا یہ وہ علم خیر ہے جو تو دنیا میں لوگوں کو سکھاتا تھا اور تمہارے بعد اس میں اضافہ ہوا جس کا تمہیں اجر دیا گیا ۔[ایضا]

اصل عبارت یہ ہے، ''اخرج ابن عبد البر فی فضل العلم ،عن ابراھیم النخعی قال: یجاء بعمل الرجل فیوضع فی کفة میزانه یوم القیمة ،فیخف ،فیُجاء بشیءٍ أمثال الغمام ،فیوضع فی کفة میزانه ،فیرجح ،فیقال لهٗ : أتدری ما ھٰذا ؟ فیقول :لا ،فیقال لهٗ :ھٰذا فضل العلم الذی کنت تعلمهٗ الناس۔۔۔۔ و اخرج ابن المبارک فی الزھد ،عن حماد بن سلیمان قال یجیءُ رجلٌ یوم القیمة ،فیری عملهٗ محتقرا ،فبینما ھو کذالک اذ جاءهٗ مثل السحاب حتیٰ یقع فی میزانه ،فیقال ھذا ما کنت تعلم الناس من الخیر فورث بعدک فأجرت فیه''

جب بہت سی آیات کریمہ اور احادیث کثیرہ سے میزان کا قیام اور اعمال واقوال کا وزن کرنا ثابت ہے تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ اس پر ایمان لائیں ،نصوص اپنے ظاہر پر محمول ہوں گی جب تک کہ ظاہر سے پھیرنے والا شرعی قرینہ نہ ہو،اور یہاں کوئی قرینہ نہیں اس لئے وہ اپنے ظاہر ہی پر رکھی جائیں گی ، ہماری سمجھ

میں نہ آئے تو یہ ہماری سمجھ کا قصور ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر بات ہر انسان کی سمجھ میں آجائے، روزمرہ مشاہدے میں آتا ہے، ایک ذہین انسان اپنے سے زیادہ ذہین انسان کی باتوں کو سمجھ نہیں پاتا تو پھر ہر انسان اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کے ارشادات کے اسرار و رموز کو سمجھ لے یہ کیا ضروری ہے! اس کے باوجود معتزلہ کے شبہات کا علمائے محققین اہلسنت نے نہایت ہی عمدہ جواب عطا فرمائے ہیں جیسا کہ شرح عقائد، نبراس وغیرہ کتب معتبرہ میں ہے۔

(معتزلہ کے شبہ و اعتراض کا جواب)

معتزلہ کا یہ شبہ کہ اعمال اعراض ہیں وہ باقی نہیں رہتے لہٰذا اس کا وزن نہیں ہوسکتا، اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ بندوں کے اعمال و اقوال اللہ تعالیٰ کے حکم سے جسم و جوہر بن جائیں گے پھر ان کا وزن کیا جائے گا، یا بندوں کے ان صحائف اعمال کا وزن کیا جائے گا جن میں کراماً کاتبین نے بندوں کے اعمال لکھے ہیں اس کی دلیل حدیث بطاقہ ہے جسے امام ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم اور بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی جو متن و سند کے ساتھ گذشتہ اوراق میں مذکور ہے، اور آج کے ترقی یافتہ ٹکنالوجی دور میں اعراض کے وزن کا مسئلہ آفتاب نیمروز کی طرح روشن ہو چکا ہے، چنانچہ جدید تحقیق سے ثابت ہے کہ اعراض کا بھی وزن کیا جاسکتا ہے اور پوری دنیا میں اعراض کا وزن بھی کیا جا رہا ہے کیا لوگ یہ نہیں جانتے کہ بخار، حرارت، برودت، ٹمپریچر، وشوگر سب از قبیل اعراض ہیں، پس تھرما میٹر سے بخار کی مقدار کا وزن کیا جاتا ہے کہ کتنے سینٹی گریڈ بخار ہے یا کتنے فورن ہائیٹ بخار ہے، اسی طرح شوگر (مٹھاس)، بلڈ پریشر (خون کا دباؤ)، کولیسٹرول (چکنائی) سب اعراض ہیں اور الکٹرانک مشین کی مدد سے سب کو با آسانی وزن کیا جا رہا ہے کہ آدمی میں کتنا شوگر، کتنا بلڈ پریشر، اور کولیسٹرول کی مقدار کیا ہے بلکہ منٹ منٹ پر آلات کی مدد سے ہوا کے دباؤ کی مقدار کا علم بھی ہوجاتا ہے تو جب انسان آلات کے ذریعے اعراض کی

مقدار اور اس کے وزن کو معلوم کرسکتا ہے تو کیا خیال ہے اس خالق کلیات و جزئیات، پروردگار عالم کے بارے میں جو تمام اعراض و جواہر کا تنہا خالق و مربی ہے! کیا وہ اپنی بنائی ہوئی اور پیدا کی ہوئی چیزوں کا وزن نہیں کرسکتا ہے؟ یقینا جس کے دل میں ایمان کا کچھ بھی حصہ ہے وہ ایمان رکھے گا کہ وہ چاہے تو ضرور بالضرور اعراض کو وزن کرسکتا ہے اس لئے انسانی اعمال و اقوال جو اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ اعراض ہیں وہ وزن کئے جاسکتے ہیں اور یقینا کئے جائیں گے اس میں کوئی عقلی بھی استحالہ نہیں اس لئے ارشاد فرمایا ہے ''وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ ۚ، اور ارشاد ہے وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ''

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:۔ اس مقام پر یہ شبہ وارد کیا جاتا ہے کہ چند اعمال ایسے ہیں کہ جن کے لکھنے میں کاغذ برابر ہی صرف ہوتا ہے مگر ثواب ایک دوسرے سے بہت زیادہ ہے، مثلا زید نے ایک پیسہ دیا، عمرو نے ایک لاکھ روپئے دیا دونوں میں کاغذ برابر صرف ہوگا لیکن ثواب میں تفاوت ظاہر ہے؟

جواب:۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح بعض چیزیں دوسرے سے وزنی ہوتی ہیں مثلا ایک انچ لمبا چوڑا ایک سوت موٹے لوہے سے اسی مقدار کا سونا زیادہ وزنی ہوتا ہے اور پلاٹینم اس سے بھی زیادہ وزنی ہوتا ہے، اسی طرح اعمال کے ثواب میں بھی وزن کم و بیش ہوگا۔

دوسرا جواب حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ وزن کے وقت اعراض کو جواہر سے بدل دے گا۔ (نزہۃ القاری)

معتزلہ کا دوسرا شبہ:۔ رہا معتزلہ کا یہ شبہ کہ جب اللہ تعالیٰ، عالم الغیب والشہادۃ ہے تو پھر وزن اعمال کی کیا ضرورت؟ تو واضح رہے کہ معتزلہ کا یہ شبہ بھی نہایت ہی واہی اور کمزور ہے کیوں کہ اعمال واقوال وزن کرنا عدم علم کو مستلزم نہیں، اس کی بہت سی دوسری حکمتیں اور مصلحتیں بھی ہوسکتی ہیں جن پر بندے کو اطلاع نہ

ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا '' وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۱۷﴾ '' جیسی آیات میں استفسار اس کے عدم علم کو مستلزم نہیں ۔اسی طرح بندوں کے حسنات وسیئات کا علم ہوتے ہوئے ان کے وزن کا حکم فرمانا عبث کو لازم نہیں کرتا کہ عبث اس کو نہیں کہتے ہو جو غرض سے خالی ہو بلکہ ہمارے نزدیک عبث وہ ہے جو منفعت اور مصلحت سے خالی ہو اور یہ امر پوشیدہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہر فعل میں بے شمار حکمتیں اور مصلحتیں ہیں اگر چہ ہم ان پر مطلع نہ ہوسکیں ، رہا غرض تو اللہ رب العلمین غرض سے پاک ہے، اہلسنت و جماعت بلکہ فلاسفہ تک کا قول ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کے افعال معلل بالاغراض نہیں ہیں اس لئے کہ غرض اس امر کو کہتے ہیں جو فاعل کو فعل پر ابھارے گو یا وہ فاعل کے لئے محرک اول ہوتا ہے اسی لئے علت غائیہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ فاعل کی فاعلیت کے لئے علت فاعلیہ ہے، اور اللہ سبحانہ تعالیٰ اس بات سے منزہ ہے کہ وہ کسی شئ سے منفعل ہو یا کسی شئ سے کمال حاصل کرے، چونکہ جو شخص کہ کوئی فعل کسی غرض کی وجہ سے کرتا ہے اس کے نزدیک اس غرض کا وجود وحصول ، عدم وجود وحصول کی بہ نسبت افضل واولیٰ ہوتا ہے تو اگر اللہ تعالیٰ کے کسی فعل کے لئے غرض ثابت مانیں تو استکمال بالغیر لازم آئیگا اور یہ اس کے حق میں محال ہے۔مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ کے افعال معلل بالاغراض نہیں ہیں، اس لئے عبث لازم نہیں آئیگا اور اگر بفرض محال نظریۂ معتزلہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کے افعال کو معلل بالاغراض تسلیم بھی کرلیں تو بھی عبث لازم نہیں آتا کہ وزن اعمال میں بہت سی حکمتیں ہوسکتی ہیں جن پر بندے کو اطلاع نہیں ہے اور بندے کا حکمت الٰہیہ پر مطلع نہ ہونا عبث کو لازم نہیں کرتا۔شرح عقائد اور اس کی شرح نبراس میں ہے۔

"والجواب عن الشبهۂ الاولیٰ انه ورد فی الحدیث ان کتب الاعمال هی التی توزن فلا اشکال لحدیث عبد اللہ بن عمرو بن العاص عن النبی ﷺ قال ان رجلا من امتی ینشر تسعة

وتسعون سجلا الحدیث ۔۔۔۔۔۔۔۔ و علیٰ تقدیر تسلیم کون افعال اللہ تعالیٰ معللة بالاغراض ، جواب عن قولھم وزنھا عبث بوجھیں ، احدھما لا نسلم ان افعال الحق سبحٰنه للاغراض فعلیٰ ھذا لا یجوز ان یسال عن اغراض افعالہٖ بل افعاله حسنة لذاتھا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔لعل فی الوزن حکمة لا نطلع علیھا جواب ثان وقال اللہ تعالیٰ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلاً ، وعدم اطلاعنا علیھا لا یوجب العبث وقال بعض المحققین الحکمة فیه اظھار العدل علی الخلائق وقطع لمعذرة العصاة“

وزن اعمال کی حکمت :۔ بعض محققین نے کہا ہے کہ وزن اعمال میں خلائق پر کمال عدل کا اظہار ، اور عصاۃ و نافرمان کی معذرت کا منقطع کرنا ہے اور شرح احیاء میں ہے کہ وزن کی حکمت ، بندے کو اس کے اعمال کی مقدار دکھا کر ، عقاب میں عدل کا ، یا معافی میں فضل کا ، بلکہ گوناگوں ثواب دے کر شان کریمی کا اظہار ہے ، بعض متأخرین نے یہ بھی حکمت بیان کی ہے روز قیامت علیٰ رؤس الاشہاد ، ارباب فضل و کمال کے مراتب عالیہ کا اظہار اور فساق و فجار کی ذلت و رسوائی کا انکشاف ہوگا کہ گروہ اول عرش کی داہنی جانب بے انتہا مسرت شادمانی میں ہونگے اور دوسرا گروہ عرش کے بائیں غمزدہ ، رنجیدہ ذلت و رسوائی میں پڑے ہوں گے اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اعداء کے بالمقابل ، اولیائے کرام کے مراتب و درجات کا اظہار مقصود ہوگا چنانچہ محبوبین اعظم سرور میں ہوں گے اور مذمومین اعظم شرور میں ہوں گے ۔ خلاصہ یہ کہ روز قیامت فضل و عدل کا اظہار ہوگا ، یہ تو اہل علم و کتاب کی بات تھی لیکن اہل عشق و محبت کے نزدیک ، میدان محشر کا انعقاد اور میدان محشر میں صراط و میزان وغیرہ کے قیام میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام محبوبیت کبریٰ اور منصب شفاعت عظمیٰ کا اظہار و اعلان مقصود ہوگا چنانچہ جناب حسن بریلوی نے کہا ہے ۔

فقط اتنا سبب ہے انعقاد بزم محشر کا

کہ ان کی شان محبوبی دکھائی جانے والی ہے

ہمارے شہر فیض آباد کے ایک عاشق زار شاعر نے بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میدان محشر میں اپنی امت کی شفاعت فرمانے اور آپ کی امت کی دہائی دینے کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے۔

جسے دیکھو دُہائی دے رہا ہے میرے آقا کی

ارے یہ میدان قیامت ہے یا دربار رسالت ہے

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت فاضل بریلوی قدس سرہ نے اپنے بہت سے اشعار میں اس حقیقت کو آشکارہ فرمایا ہے فرماتے ہیں۔

سنتے ہیں کہ محشر میں صرف ان کی رسائی ہے	۔	گر ان کی رسائی ہے لو جب تو بن آئی ہے
سب نے صف محشر میں للکار دیا ہم کو	۔	اے بے کسوں کے آقا اب صرف تیری دہائی ہے
لو وہ آیا مرا حامی مرا غم خوار امم	۔	آگئی جاں تن بے جاں میں یہ آنا کیا ہے
پھر مجھے دامن اقدس میں چھپالیں سرور	۔	اور فرمائیں ہٹواس پہ تقاضا کیا ہے
بندہ آزاد شدہ ہے یہ ہمارے درکا	۔	کیسا لیتے ہو حساب اس پہ تمہارا کیا ہے
چھوڑ کر مجھ کو فرشتے کہیں محکوم ہیں ہم	۔	حکم والا کی نہ تعمیل ہو زہرہ کیا ہے
یہ سماں دیکھ کے محشر میں اٹھے شور کہ واہ	۔	چشم بد دور ہو کیا شان ہے رتبہ کیا ہے

غرض کہ انعقاد بزم محشر میں اور میدان محشر میں میزان وصراط کے قیام میں بہت سی حکمتیں ہوسکتی ہیں اس لئے علم ہوتے ہوئے عبث لازم نہیں آتا۔

امام بخاری کے ترجمۃ الباب سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ سب کے اعمال واقوال تولے جائیں گے حالانکہ ایسانہیں، انسان تین قسم کے ہونگے۔

اول:۔ کچھ خوش نصیب وہ لوگ ہوں گے جو بلا حساب و کتاب جنت میں جائیں گے جیسا کہ مسلم اور بخاری کی حدیث میں مذکور ہے کہ پہلا گروہ جو بلاحساب وکتاب جنت میں جائیگا وہ ستر ہزار ہوگا۔

دوم:۔ دوسرا وہ بدنصیب گروہ جو بلاحساب وکتاب جہنم میں جائے گا وہ کفار ہوں گے جنہوں نے کوئی نیکی نہ کی ہوگی، جیسا کہ بخاری شریف ہی میں ہے کہ قیامت کے دن ایک بہت بڑا موٹا شخص لایا جائے گا جس کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسّو کے پر برابر بھی وزن نہ ہوگا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ۝ '' یہ لوگ جنہوں نے اپنے رب کی آیتیں اوراس کا ملنا نہ مانا تو ان کا کیا دھرا سب اکارت ہے تو ہم قیامت کے دن ان کے لئے کوئی تول نہیں قائم کریں گے۔

سوم:۔ تیسرا گروہ وہ ہوگا جس کا حساب بھی ہوگا اور ان کے اعمال و اقوال بھی تولے جائیں گے۔

اب ذیل میں صحیح البخاری شریف کی آخری حدیث پاک مع سند ومتن اور ترجمہ وتشریح مذکور ہے،۔

''حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ إِشْكَابٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ الْقَعْقَاعِ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ كَلِمَتَانِ حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ''۔

تخریجات:۔ اس حدیث کو حضرت امام بخاری نے کتاب الدعوات ،باب فضل التسبیح میں

زہیر بن حرب کے بطریق ذکر کیا ہے اس میں سبحان اللہ العظیم مقدم ہے اور سبحان اللہ وبحمدہٖ مؤخر، نیز کلمتان خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان مقدم ہے حبیبتان الی الرحمن مؤخر، کتاب الایمان والنذر میں بھی یہ حدیث قتیبہ بن سعید کی روایت سے ہے، اس میں بھی حبیبتان الی الرحمن مؤخر ہی ہے البتہ سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم یہیں کی روایت کے مطابق ہے۔ ان کے علاوہ اس حدیث کو امام مسلم، امام ترمذی، ابن ماجہ اور امام احمد وغیرہم محدثین نے بھی تخریج کی ہیں۔ لیکن امام بخاری اور مسلم کی روایت میں ابتدائے سند میں فرق ہے امام بخاری نے صرف احمد ابن اشکاب سے روایت کی ہے لیکن امام مسلم نے بیک وقت اپنے چار چار شیوخ سے روایت کی ہے فرماتے ہیں "حَدَّثنَا محمدُبنُ عبدِ اللّٰہِ بن نُمیرٍ وَ زُھَیرُ بنُ حربٍ وَ ابو کُریبٍ وَ محمد بنُ طَرِیفٍ اَلْبَجَلِی قَالوا حَدَّثَنَا ابنُ فُضَیلٍ" الی آخر السند (۲۶۹۴) اور امام ترمذی نے بطریق یوسف بن عیسیٰ، از محمد بن فضیل روایت کی ہے (۳۴۶۷) ابن ماجہ نے ابوبکر بن ابی شیبہ اور علی بن محمد کے طریق سے روایت کی ہے اور بقیہ سند علیٰ حالہٖ ہے (۳۸۰۶) امام نسائی نے "فی الیوم واللیلۃ" میں علی بن منذر وغیرہ کی روایت سے تخریج کی ہے اسی طرح (مسند احمد ۷۱۲۷) میں بھی ہے۔

ترجمۂ حدیث:۔ حضرت امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے احمد بن اشکاب نے حدیث بیان کی، انھوں نے کہا کہ ہم سے محمد بن فضیل نے حدیث بیان کی، وہ روایت کرتے ہیں عمارہ بن القعقاع سے، وہ ابوزرعہ سے، وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، آپ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دو کلمے رحمٰن کو محبوب ہیں، اور پڑھنے کے اعتبار سے زبان پر ہلکے ہیں اور میزان میں بھاری ہیں سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

راویان حدیث کا تعارف:۔ اس حدیث کے راویان میں احمد بن اشکاب، محمد بن فضیل، عمارہ بن قعقاع، ابوزرعہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وعنہم ہیں، صحیح البخاری شریف کے اردو شارحین نے اس مقام پر ان راویوں کا کوئی تعارف نہیں پیش کیا ہے ہوسکتا ہے کہ ان راویوں کے اسماء بخاری شریف کی دوسری سندوں میں آئے ہوں اور وہیں انھوں نے ان کا تعارف کرادیا ہو اس لئے آخری حدیث کی شرح میں اردو شراح نے رجال سند کی طرف کوئی توجہ نہ دی، یہ میرا ان کے ساتھ حسن ظن ہے ورنہ اور بھی وجہ ہوسکتی ہے لیکن مجھ پر ضروری ہے کہ میں ان راویوں کا کچھ نہ کچھ تعارف پیش کروں کہ میری یہ کتاب صحیح البخاری کی اول وآخر صرف دو حدیث کی شرح پر مشتمل اور منحصر ہے پس ذیل میں راویان حدیث کا مختصر تعارف پیش ہے۔

(۱) احمد بن اشکاب:۔ اشکاب بکسر ہمزہ، شین کے سکون کے ساتھ غیر منصرف ہے اس لئے کہ عجمی ہے اور عربی ہونے کا بھی قول کیا گیا ہے اس قول کے مطابق منصرف ہوگا بہر دوصورت یہ لقب ہے ان کا نام مجمع ہے اور کہا گیا ہے کہ معمر ہے اس لئے بعض نے احمد بن معمر بن اشکاب اور بعض نے احمد بن عبید اللہ بن اشکاب کا قول کیا ہے، احمد بن اشکاب کی کنیت ابوعبداللہ تھی اور صفار حضرمی کوفی سے مشہور ہیں، مصر میں فروکش رہے چنانچہ امام بخاری نے کہا ہے کہ میں نے ان سے آخری بار ۲۱۸ یا ۲۱۹ھ میں مصر میں ملاقات کی ہے اور ابن حبان نے کہا ہے کہ یہیں ۲۱۸ھ میں ان وفات بھی ہوئی ہے۔

احمد بن اشکاب نے اسمٰعیل بن ابراہیم، ابویحییٰ تیمی احول، رفاعہ بن ایاس بن نذیر الضبی، شریک بن عبداللہ نخعی، عبدالرحمٰن بن عبدالملک بن ابجر، عبدالرحمٰن بن محمد المحاربی، عبدالرحیم بن سلمان رازی، عبد السلام بن حرب الملائی، علی بن عابس، قاسم بن مالک مزنی، محمد بن بشر عبدی، محمد بن عبید الصنافسی اور محمد بن

فضیل بن غزوان وغیرہم جیسے ارباب علم سے روایت کی ہے۔اور احمد بن اشکاب سے حضرت امام بخاری، احمد بن عیسیٰ اللخمی التینسی الخشاب، ابو یعقوب اسحاق بن حسن بن حسین الطحان المصری، بکر بن سہل بن اسمٰعیل الدمیاطی، ابوعلی حسن بن سلیمان بن سلام الفزاری الحافظ، حسن بن علی اللیثی، سعد بن اسد بن موسیٰ ،عباس بن محمد دوری، ابوامیہ محمد بن ابراہیم بن مسلم طرطوسی، محمود بن ادریس ابوحاتم رازی، محمد بن اسحاق صاغانی، یحییٰ بن معین، یعقوب بن سفیان فارسی، اور یعقوب بن شیبہ السدوسی جیسے اساطین امت نے روایت کی ہیں۔یعقوب بن شیبہ السدوسی نے ان کے بارے میں کہا "کوفی ثقة" کوفہ کے رہنے والے ثقہ ہیں۔ابوزرعہ نے کہا "صاحب حديث ادركتهٔ و لم اكتب عنه" حدیث کے جانکار ہیں میں نے پایا لیکن میں نے ان سے حدیث نہیں لکھی ہے۔ابوحاتم نے کہا "ثقة مامون صدوق كتبتُ عنه بمصر" ثقہ ہیں، طعن سے مامون ہیں صدوق ہیں میں نے ان سے مصر میں حدیث لکھی ہے۔عباس الدوری نے کہا "كتب عنه يحيىٰ بن معين كثيراً" یعنی یحییٰ بن معین نے ان سے بہت سی احادیث لکھی ہیں۔مختصر یہ کہ احمد بن اشکاب ثقہ، صدوق اور مامون ہیں جبھی تو امام بخاری اور یحییٰ بن معین جیسے جلیل القدر محدثین نے ان سے روایت کی ہیں۔

[رجال صحیح البخاری، تهذیب الکمال، فتح الباری]

(۲) **محمد بن فضیل**:۔محمد بن فضیل، یہ دراصل محمد بن فضیل بن غزوان ابوعبد الرحمٰن الضبی کوفی ہیں، سیر أعلام النبلاء میں علامہ ذہبی نے کہا "الامام الصدوق الحافظ ابو عبدالرحمٰن الضبی مولاهم الكوفی مصنف كتاب الدعاء و كتاب الزهد و كتاب الصيام و غير ذالک" امام صدوق حافظ ابوعبدالرحمن بنوضبیہ کے مولا، کوفہ کے باشندہ ہیں، کتاب الدعاء، کتاب الزھد، اور کتاب الصوم وغیرہ

کے مصنف ہیں ۔۱۹۵ھ یا ۱۹۴ھ میں وفات ہوئی۔انھوں نے اپنے باپ فضیل ،حصین بن عبد الرحمٰن، عاصم الاحول، عمارہ بن قعقاع ، بیان بن بشر، ابراہیم الھجری، عطاء بن سائب، ہشام بن عروہ، ابن ابی خالد، زکریا بن ابی زائدہ، لیث بن ابی سلیم، مسعر بن کدام، حبیب بن ابی عمرہ، اسمٰعیل بن مسلم المکی، حجاج بن ارطاط، حمزہ بن حبیب زیات، ابوسنان ضرار بن مرہ شیبانی، عبدالرحمٰن بن اسحاق کوفی، ہشام بن عروہ، یحییٰ بن سعید انصاری، ابواسحاق شیبانی، ابوحیان تیمی، اور ابو مالک اشجعی وغیرہم محدثین سے روایت کی ہے۔اوران سے ابراہیم بن سعید جوہری، احمد بن اشکاب صفار کوفی، احمد بن بدیل الیامی، احمد بن حرب طائی، احمد بن حمید کوفی، امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ سلیمان اعمش، عاصم بن کلیب، عمارہ بن قعقاع بن شبرمہ الضبی، محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ وغیرہم خلق کثیر نے روایت کی ہیں۔

امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ وہ حسن الحدیث تھا لیکن شیعیت کی طرف مائل تھا"**ھو حسن الحدیث شیعی**، اور ابوداؤد سجستانی نے کہا "**کان شیعیا متحرقا**" وہ متشدد شیعی تھا، اس پر ذہبی نے کہا وہ متشدد اس کے لئے تھا جس نے دربارۂ خلافت حضرت علی سے جنگ کیا چنانچہ وہ حضرات شیخین کی تعظیم کرنے والے تھے۔تاہم اس پر اتفاق ہے کہ وہ امامی شیعی۔حضرت امام جعفر صادق کے مصاحبین میں سے تھا لیکن علمائے اہلسنت بھی اس کی ثقاہت پر اعتماد کرتے ہیں۔[سیر اعلام النبلاء، تھذیب الکمال فی اسماء الرجال وغیرہ]

(۳)**عمارہ بن قعقاع:۔** یہ عمارہ بن قعقاع بن شبرمہ ابن اخی عبداللہ بن شبرمہ الضبی کوفی ہیں تہذیب الکمال میں ہے کہ عمارہ بن قعقاع ، عبداللہ بن شبرمہ کے برادرزادہ ، اپنے چچا سے عمر میں بڑے اور علمی اعتبار سے افضل تھے، انھوں نے اخنس بن خلیفہ الضبی ، حارث العکلی ، عبدالرحمٰن بن ابی النعم بجلی ، ابوزرعہ بن عمرو بن جریر اور ابوصالح کیسان وغیرہم سے روایت کی ہے۔اوران سے جریر بن عبدالحمید الضبی ، ان کے

شیخ ،سفیان ثوری ،سفیان بن عیینہ،سلیمان اعمش،شریک بن عبداللہ،عبدالواحد بن زیاد،عثمان بن زائدہ ،فضیل بن غزوان ،اوران کے صاحبزادے قعقاع بن عمارہ بن قعقاع اور محمد بن فضیل بن غزوان وغیرہم نے روایت کی ہیں ،حضرت امام بخاری نے علی بن مدینی سے روایت کر کے کہا ہے کہ ان کی تقریبا تیس حدیثیں ہیں ۔اسحاق بن منصور نے یحییٰ بن معین سے روایت کر کے کہا ہے کہ وہ ثقہ ہیں ،ایسا ہی امام نسائی نے بھی کہا ہے،ابوحاتم نے کہا ہے کہ وہ صالح الحدیث ہیں،اسی طرح ابن حبان نے بھی ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔[تھذیب الکمال،رجال صحیح البخاری]

(۴)**ابوزرعہ:۔** یہ ابوزرعہ بن عمرو بن جریر بن عبداللہ بجلی کوفی ہیں،ثقات تابعین علماء میں سے ہیں کہا گیا ہے کہ ان کا نا ھرم ہے اور عبداللہ یا عبدالرحمٰن یا عمرو یا جریر کے نام سے بھی موسوم ہونے کا الگ الگ قول کیا گیا ہے یعنی باپ، یا دادا یا پردادا کے نام پر نام رکھا گیا ہے،سیر اعلام النبلاء میں علامہ ذہبی نے کہا ہے کہ زیادہ مشہور یہ ہے کہ ان کی کنیت ہی ان کا نام ہے اور جن لوگوں نے ان کا نام ان کے باپ کے نام پر عمرو بتایا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے والد، ان کے دادا کی حیات ہی میں فوت ہو گئے تھے اس لئے ابوزرعہ کا نام والد کے نام پر عمرو رکھ دیا گیا اور امام واقدی نے کہا ہے کہ جریر کو ایک لڑکا تھا جس کا نام عمرو تھا اسی لڑکا کے نام پر اس کی کنیت تھی لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد امارت میں عمرو فوت ہو گیا، پھر عمرو کو ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام دادا کے نام پر جریر رکھا۔غرض کہ ان کے نام میں اختلاف ہے لیکن ان کی کنیت ابو زرعہ سب پر غالب آ گئی اور اسی سے مشہور ہو گئے۔مولائے کائنات حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دیدار سے مشرف ہوئے ہیں، جامع صحیح بخاری کی یہ آخری حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ سے انھوں نے ہی روایت کی ہے، ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں کہا ہے کہ ایک وفد کے ہمراہ اپنے دادا جریر کے ساتھ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھی گئے ہیں۔انھوں نے ثابت بن قیس نخعی،اپنے جد کریم،جریر بن عبداللہ بجلی،خرشہ بن حر،عبداللہ بن عمرو بن العاص،عبداللہ بن یحییٰ حضرمی،حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ (مرسلا) حضرت معاویہ بن ابوسفیان،حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہما (مرسلا) اورحضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ،سے روایت کی ہے۔اوران سے ان کے عم محترم ابراہیم بن جریر بن عبداللہ بجلی،ابراہیم بن یزید نخعی،بکیر بن عامر بجلی،ان کے پوتا جریر بن ایوب بجلی،ان کے چچازاد جریر بن یزید بجلی،حارث عکلی،حسن بن عبید،سلم بن عبدالرحمٰن،طلق بن معاویہ،عبداللہ بن بشرالخثعمی،عبداللہ بن شبرمہ الضبی،عبداللہ بن یزید نخعی،عمارہ بن عمیر، عمارہ بن قعقاع بن شبرمہ الضبی،عمرو بن سعید ثقفی،عینی بن مسیب بجلی،غیلان بن عبداللہ عامری،فضیل بن غزوان الضبی اورابوحیان تیمی وغیرہم خلق کثیر نے روایت کی ہیں۔محمد بن سعد نے ''الصغیر'' میں ان کواہل کوفہ کے طبقۂ ثانیہ میں شمارکیاہے جبکہ ''الکبیر'' میں طبقۂ ثالثہ میں ذکرکیاہے۔خلیفہ بن خیاط نے ان کوتابعین اہل مدینہ کے طبقۂ ثالثہ میں شمارکیاہے۔عثمان بن سعید دارمی نے یحییٰ بن معین کی روایت سے کہا ہے کہ وہ ثقہ ہیں،ابن خراش نے صدوق اور ثقہ کہا ہے،جریر بن عبدالحمید نے عمارہ بن قعقاع بن شبرمہ سے روایت کرکے کہاہے مجھ سے ابراہیم نے کہا کہ جب مجھ سے حدیث بیان کروتوابوزرعہ سے روایت کرکے بیان کرواس لئے کہ میں ان سے ایک حدیث کے بارے میں پوچھا،پھراسی حدیث کے بارے میں ایک سال یادوسال کے بعد پوچھاتوایک حرف کافرق نہ پایا۔

[عمدۃ القاری،سیراعلام النبلاء،تھذیب الکمال]

(۵)**ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ:۔**آپ اپنی کنیت سے اتنے زیادہ مشہور ہوئے کہ نام گمنام ہوگیا،جتناان کے نام کے بارے میں اختلافات ہیں اورکسی کے نام کے بارے میں اتنااختلاف نہیں،علامہ عبد

البر نے فرمایا کہ بیس اقوال ہیں اور علامہ نووی نے فرمایا کہ تیس سے زیادہ اقوال ہیں، ایک روایت ہے کہ ان کا نام جاہلیت میں عبد شمس تھا اور مسلمان ہونے کے بعد عبد الرحمٰن رکھا گیا، علامہ عینی نے فرمایا سب سے قریب تر قول یہ ہے کہ ان کا نام عبد اللہ یا عبد الرحمٰن تھا اور باپ کا نام صخر تھا، قبیلہٗ اوس کے فرد تھے اپنی کنیت کے بارے میں خود فرمایا کہ میں بکریاں چراتا تھا، میری ایک چھوٹی بلّی تھی اس سے دل بہلاتا تھا تو لوگوں نے ابو ہریرہ کہنا شروع کر دیا اور ایک روایت یہ ہے کہ اس بلّی کو آستین میں رکھے رہتے ایک بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دیکھ لیا فرمایا، ابو ہریرہ! اب یہی نام زبان زد عام وخاص ہو گیا، واضح رہے کہ ھُرَیْرَۃ، ھِرّۃ کی تصغیر ہے اور ھرۃ کے معنی ہیں بلّی، پس ھُریرۃ کے معنی بِلَیّا اور ابو ھریرۃ کے معنی بِلَیّا والا یا بِلَیّا کا باپ۔

ان کی والدہ کا نام میمونہ یا امینہ تھا زمانے تک اسلام سے مشرف نہ ہوئیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی درخواست پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دعا فرمائی تو فوراً مسلمان ہو گئیں۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔

امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ ایک روز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روتے ہوئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے، حضور نے رونے کی وجہ پوچھی عرض کی، یارسول اللہ میں عرصہ سے اپنی ماں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا تھا لیکن ہر بار انکار کرتی تھی آج میں نے پھر اسے اسلام لانے کی دعوت دی تو وہ غصہ سے بپھر گئی اور حضور کی شان میں گستاخی کرنے لگی، یارسول اللہ! اللہ کریم سے دعا فرمائیں تاکہ وہ میری ماں کو ہدایت دے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسی وقت دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور عرض کی "اَللّٰھُمَّ اِھْدِ اُمَّ اَبِیْ ھُرَیْرَۃ" اے میرے اللہ ابو ہریرہ کی ماں کو ہدایت عطا فرما۔ انھیں یقین تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعا بارگاہ الٰہی میں ہمیشہ مستجاب ہوتی ہے، وہ خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے وہ فرحاں وشاداں اپنے

گھر کی طرف روانہ ہوئے جب دروازہ پر پہنچے کسی کے پاؤں کی آہٹ کی آواز سنی، ساتھ ہی یہ آواز بھی آئی ’’مَکَانَکَ یَا اَبَا هُرَیْرَةَ‘‘ اے ابو ہریرہ وہیں ٹھہر جاؤ آگے مت آنا آپ کھڑے ہو گئے سنا جیسے ان کی والدہ اپنے اوپر پانی ڈال رہی ہیں، چنانچہ غسل کیا کپڑے بدلے اور دروازہ کھولا جب اندر قدم رکھا تو ماں نے کہا اے ابو ہریرہ ’’اِنِّی اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ‘‘ انھیں قدموں پر حضرت ابو ہریرہ بارگاہ رسالت میں واپس آئے، ان کی خوشی کی حد نہ تھی، عرض کی یا رسول اللہ مبارک ہو اللہ تعالیٰ نے حضور کی دعا قبول فرمائی اور میری ماں کو اسلام قبول کرنے کی ہدایت دے دی ہے، سرور عالم ﷺ نے اپنے رب کریم کی حمد کی، پھر حضرت ابو ہریرہ نے عرض کی یا رسول اللہ! دعا فرمائیں ’اَنْ یُحَبِّبَنِیْ اَنَا وَ اُمِّیْ اِلٰی عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ حَبِّبْهُمْ اِلَیْنَا‘ اے اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کے نزدیک مجھے اور میری ماں کو محبوب بنا دے اور ہمارے دلوں میں اپنے نیک بندوں کی محبت پیدا فرما دے۔ حضور ﷺ نے عرض کی ’’اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ عَبْدَکَ هٰذَا وَ اُمَّهٗ اِلٰی عِبَادِکَ وَ حَبِّبْهُمْ لَهُمَا‘‘ یعنی اے اللہ! اپنے اس بندے اور اس کی ماں کو اپنے بندوں کا محبوب بنا دے اور اپنے بندوں کی محبت سے ان کے دلوں کو بھی لبریز فرما دے۔ [ضیاء النبی ص ۷۸۶/۵]

(لیکن حضرت ابو ہریرہ تو بہت پہلے) خیبر کے سال ایمان لائے، اصحاب صفہ کے نقیب تھے، ان کی دیکھ بھال تعلیم و تربیت ان کے سپرد تھی مسلمان ہونے کے بعد ہمیشہ خدمت اقدس میں حاضر رہے، تمام غزوات میں ہمرکاب رہے، صحابہ کرام میں سب سے زیادہ حدیثیں انھیں سے مروی ہیں، اجلۂ صحابہ کرام ان سے حدیثیں پوچھتے اور لوگوں کو ان کے پاس بھیجتے خود فرمایا ابو ہریرہ بہت زیادہ حدیثیں بیان کرتا ہے، اللہ کے یہاں جانا ہے میں مسکین تھا کھانے کو مل جاتا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتا

،مہاجرین بازاروں میں تجارت میں رہتے اورانصار(اپنے باغوں کے) کام میں، میں ان موقعوں پرموجود رہتا کہ یہ لوگ نہ ہوتے میں ان باتوں کو یادرکھتا جو یہ لوگ یادنہیں رکھتے ۔ پہلے ان کا حافظہ اتنا قوی نہ تھا ایک بار خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ضعف حافظہ کی شکایت کی ،فرمایا اپنی چادر پھیلاؤ انھوں نے چادر پھیلادی حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دوچلواس میں ڈالا پھرحکم دیا کہ چادر سینے سے لگالوانھوں نے ایسا ہی کیا فرماتے ہیں پھرمیرا حافظہ اتنا قوی ہوگیا کہ اس کے بعد پھر کچھ نہیں بھولا۔ یہ بھی فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے علم کا دوبرتن عطا فرمایا ہے، ایک تو لوگوں میں پھیلاتا ہوں اگر دوسرے کوظاہر کردوں تو یہ ٹیٹوا کاٹ ڈالا جائے ۔ان سے پانچ ہزارتین سو چوہتر احادیث مروی ہیں ،تین سو پانچ امام بخاری وامام مسلم نے ،ترانوے صرف بخاری نے اورایک سونوے صرف امام مسلم نے روایت کی ہیں ۔ان سے آٹھ سوحضرات نے روایت کی ہیں جن میں صحابی بھی ہیں اور تابعی بھی ،اجلۂ صحابہ مثلاً حضرت ابن عمر ،حضرت جابر،حضرت انس اورحضرت ابن عباس رضی اللہ عنھم نے ان سے حدیث اخذکیں ۔اللہ تعالیٰ کے اس فضل پر یوں شکرادا کرتے 'یتیمی میں پلا،مسکینی کی حالت میں ہجرت کی ،بُسرہ بن غزوان کا نوکر بنا انھوں نے میری شادی بھی کردی ،اس اللہ کا شکرجس نے دین کو پشت پناہ اورابو ہریرہ کوامام بنادیا۔اتنی کثرت کے ساتھ حدیثیں بیان کرنے کے باوجودروزانہ ہزاررکعت نمازیں پڑھتے ، ۵۹ھ میں ۷۸ سال کی عمر پاکر مدینہ طیبہ میں وصال فرمایا ، یہ دعا مانگا کرتے 'اے اللہ ۶۰ھ اورچھوکروں کی حکومت سے پناہ مانگتا ہوں دعا قبول ہوئی چنانچہ یزید پلید کے تسلط سے سال بھر پہلے واصل بحق ہوئے۔

[نزھۃ القاری،ص ۲۴۸ تا ۲۵۰ / ج۱]

الفاظ حدیث کی تشریح:۔ قول النبی ﷺ: **کَلِمَتَانِ**۔ تثنیہ ہے کلمۃ کی ،لیکن اس مقام پر کلمۃ

سے نحوی وصرفی کلمہ مراد نہیں ہے بلکہ عرفی کلمہ مراد ہے جو کلام کو بھی عام ہے جیسے ” اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا کَلِمَۃً طَیِّبَۃً “ [ابراھیم ۲۴] اور جیسے ” اِلَیۡہِ یَصۡعَدُ الۡکَلِمُ الطَّیِّبُ “ [فاطر/۱۰] اور جیسے ارشاد ہے ” وَ جَعَلَ کَلِمَۃَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوا السُّفۡلٰی ؕ وَ کَلِمَۃُ اللّٰہِ ہِیَ الۡعُلۡیَا ؕ “ [التوبۃ ۴۰] اس طرح بہت سی قرآن حکیم کی آیتوں میں کلمۃ ارشاد ہے جہاں نفس کلمہ مراد نہیں ہے بلکہ کلام مراد ہے۔ چنانچہ امام رازی نے سورہ فاطر کی آیت بالا کی تفسیر میں کہا ” فی قولہ اِلَیۡہِ یَصۡعَدُ الۡکَلِمُ الطَّیِّبُ “ وجوہ أحدھا کلمۃ لا الٰہ الا اللہ ھی الطیبۃ و ثانیھا: سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللّٰہ وَ اللّٰہُ اکبر طیب ،ثالثھا: ھٰذہٖ الکلمات الاربع ،وخامسۃ: وھی تبارک اللہ والمختار انَّ کل کلامٍ ھو ذکر اللّٰہ او ھو للہِ کالنصیحۃ والعلم فھو الیہ یصعد ‘ اور وَ کَلِمَۃُ اللّٰہِ ہِیَ الۡعُلۡیَا ‘ کی تفسیر میں کہا وَ ہِیَ قَولہٗ لَا اِلٰہَ اِلّا اللّٰہ “ [تفسیر رازی سورہ توبہ وسورہ فاطر] عمدۃ القاری میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرمایا ” قولہ: کلمتانِ أی کلامان ، وتطلق الکلمۃ علیہ کما یقال : کلمۃ الشھادۃ “ ان سب سے بہت ظاہر ہے کہ کلمہ کا اطلاق کلام پر قرآن و حدیث میں بھی ہوا ہے۔ فتح الباری میں ہے کہ نحوی اعتبار سے کلمتان موصوف ہو کر خبر مقدم واقع ہے اور حبیبتان وغیرہ اس کی صفت ہے اور سبحان اللہ و بحمدہ پورا جملہ ملکر مبتداء مؤخر ہے، خبر کی تقدیم میں نکتہ یہ ہے کہ مبتدا کے ذکر کرنے پر شوق دلانا ہے چونکہ جب جب خبر کے اوصاف میں کلام طویل ہوتا ہے تو اس کی تقدیم حسن ہے اس لئے کہ اوصاف جمیلہ کی کثرت سامع کے شوق میں اضافہ کرتی ہے۔

قَوۡلُ النّبی ﷺ: حَبِیۡبَتَانِ:۔ کلمتان کی صفت، حبیبۃ سے تثنیہ ہے محبوبۃ کے معنیٰ میں ہے اس لئے کہ حبیبٌ فعیلٌ کے وزن پر، مفعول کے معنیٰ میں ہے پس حبیبٌ ، محبوب کے معنیٰ

میں ہوگا۔

اعتراض:۔لیکن اس مقام پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ فعیل جب مفعول کے معنی میں ہوتا ہے تو مذکر اور مؤنث دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے تو یہاں حبیبتان کو مؤنث لانے کی کوئی خاص وجہ نہیں تھی۔

جواب:۔شارحین بخاری نے اس کے مختلف جوابات عنایت فرمائے ہیں۔

اول:۔شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق صاحب امجدی نے یہ جواب دیا ہے کہ خَفِيْفَتَانِ ، ثَقِيْلَتانِ کی مناسبت کی وجہ سے حَبِيْبَتَانِ کو بھی مؤنث کا صیغہ لائے۔امام قسطلانی نے بھی یہی کہا ہے۔

دوم:۔ہاں یہ صحیح ہے کہ جب فعیل کا وزن مفعول کے معنی میں ہو تو وہ مذکر اور مؤنث میں برابر ہوتے ہیں لیکن یہ برابر ہونا واجب نہیں ہے۔

سوم:۔حَبِيْبَتَانِ، میں جو تاء ہے وہ تانیث کی نہیں ہے بلکہ وصفیت سے اسمیت کی طرف نقل کرنے کے لئے ہے اس لئے کہ تاء کی کئی قسمیں ہیں۔جو مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) تاء وحدت:۔ جیسے تمرةٌ ایک کھجور، درةٌ ایک موتی وغیرہ۔

(۲) تاء مصدریت:۔ جیسے فاعلیت اور مفعولیت کی تاء، یعنی کسی لفظ کا فاعل یا مفعول بنانا۔

(۳) تاء مبالغہ:۔ جیسے علّامَۃ کی تاء۔

(۴) تاء عوض:۔ جیسے عِدَةٌ کی تاء کہ یہ اصل میں وَعْدٌ تھا واؤ کو حذف کر کے اس کے عوض، آخر میں تاء لے آئے اسی طرح زنۃ کی تاء ہے جس کی تعلیل مشہور ہے۔

(۵) تاء زائدہ:۔ جیسے حجارةٌ، جمع کا وزن حجار ہے اور یہ تاء زائدہ ہے، اور اسی طرح مَلٰئکةٌ، ہے کہ اس میں بھی تاء زائدہ ہے۔

(۶)تاء تذکیر:۔ جیسے ثلاثۃ رجالٍ، اور جیسے قرآن حکیم میں ہے '۔۔۔۔۔۔۔۔ 'سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّ ثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا ۙ [الحاقۃ / ۷] (اللہ نے) اس آندھی کو ان پر مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن تک مسلط رکھا۔ واضح رہے کہ رجال اور ایام کے لفظ مذکر ہیں اور ان کا ممیز ثلاثۃ اور ثمانیۃ ہے اس لئے یہ تاء تانیث کی نہیں بلکہ تذکیر کی ہے۔

(۷)تاء تانیث:۔ جیسے ضاربۃ و قائمۃ وغیرہ۔

(۸)تاء اسمیت:۔ یعنی کسی وصف کو اسم بنانے کے لئے آخر میں تاء لگا دیتے ہیں جیسے کافیۃ، شافیۃ اسی طرح حبیبتانِ میں بھی تاء اسمیت ہے کہ حبیب کا لفظ جو کہ وصف تھا اس کے آخر میں تاء لگا کر اس کو اسم بنا دیا۔ [نعم الباری شرح البخاری/ ۱۶۔ اغراض کافیہ/ شرح کافیہ]

عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں ہے۔ "قيل: ما وجهُ لحوق علامة التانيث؟ و الفعيل اذا كَانَ بمعنى المفعولِ يستوى فيه المذكر والمؤنث ـ فأجيب: بأنَّ التسوية جائزة لا واجبة، و وجوبها في المفرد لا في المثنىٰ، او انَّ هٰذه التاء للنقل من الوصفية إلى الاسميةِ"

[ص ۲۰۲/ ج ۲۵]

حبیب، حُب سے ماخوذ ہے محبت کرنا کے معنی میں ہے اور محبت دل کے میلان کا نام ہے، اللہ تعالیٰ دل اور میلان دونوں سے منزہ ہے اس لئے یہاں اس کا معنی موضوع لہ مراد نہیں ہو سکتا ہے بلکہ اس کا لازم معنیٰ مراد ہے اور وہ ہے انعام واکرام کرنا، چونکہ جس سے محبت ہوتی ہے اس پر انعام و اکرام زیادہ ہوتا ہے اس کی کوتاہیوں سے درگذر کیا جاتا ہے، اب ان دونوں کلمے کے رب تعالیٰ کو محبوب ہونے کا معنی یہ ہوگا کہ ان دونوں کلموں کے ورد کرنے والے رب تعالیٰ کو محبوب ہیں یعنی ان کو ثواب بہت زیادہ ہے۔ پس ان

کلمات مبارکہ کے ورد، رکھنے کا شوق دلانے کے لئے ہی حبیبتان کو مقدم فرمایا چونکہ ''کسی قول یا عمل پر داعی محبت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر پر داعی اللہ تعالیٰ کی محبت ہوتی ہے اور ذکر کا جو صیغہ اللہ عزوجل کو زیادہ محبوب ہوتا ہے آدمی اس کی طرف زیادہ رغبت کرتا ہے اگر وہ کلمہ مختصر اور سہل ہو تو وہ زیادہ ذاکر کو پسند ہوتا ہے اور اگر اس کا ثواب بھی زیادہ ہو تو کیا کہنا، تو ذکر پر داعی کلمہ کا محبوب عند اللہ ہونا ہے اس لئے اس کو مقدم کیا''۔[نزھۃ القاری]

قَوْلُهٗ ﷺ: **اَلرَّحْمٰنِ**۔ لفظ رحمٰن نحوی اعتبار سے منصرف ہے یا غیر منصرف، اس بارے میں اولاً نحو کا ایک ضابطہ مدنظر ہونا چاہئے وہ ضابطہ یہ ہے کہ الف ونون زائدتان کبھی اسم میں ہوتے ہیں اور کبھی وصف میں ، اگر اسم میں زیادتی ہو تو اس کے غیر منصرف ہونے کے لئے علمیت شرط ہے اور اگر وصف میں الف ونون زائد ہوں تو اس کے غیر منصرف ہونے کے لئے بعض نحویوں کے یہاں انتفاء فعلانہ شرط ہے، جب کہ بعض نحویوں کے نزدیک وجود فعلیٰ شرط ہے یہی وجہ کہ سکران کو غیر منصرف پڑھا گیا کہ اس کی مؤنث فعلیٰ کے وزن پر سکریٰ آتی ہے فعلانہ کے وزن پر نہیں آتی، اس کے برعکس ندمان کو منصرف پڑھا گیا کہ اس کی مؤنث فعلانہ کے وزن پر ندمانہ آتی ہے۔

اس ضابطہ کے بعد لفظ رحمٰن کی نحوی اور اعرابی حیثیت واضح ہو جاتی ہے وہ یہ کہ لفظ رحمٰن غیر منصرف ہوگا کہ اس کی مؤنث فعلانہ کے وزن پر نہیں آتی البتہ وہ لوگ جو وجود فعلیٰ کی شرط لگاتے ہیں ان کے نزدیک رحمٰن منصرف ہوگا کیوں کہ لفظ رحمٰن کا ذات باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہونے کی وجہ سے کوئی صیغہ مؤنث نہیں آتا چہ جائے کہ فعلیٰ آئے۔ پس لفظ رحمٰن اسی طرح لفظ رحیم کے بارے میں نحویوں کے دو قول ہیں ، ایک قول جمہور کا اور دوسرا قول سیبویہ کا ہے، جمہور یہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں صفت مشبہ کے صیغے ہیں لیکن

مفید مبالغہ ہیں، رحمٰن فعلان کے وزن پر ہے اور رحیم فعیل کے وزن پر ہے۔ مفید مبالغہ دو طریقے سے ہے ایک تو اس لئے کہ صفت مشبہ دوام وثبوت پر دلالت کرتی ہے اور دوام وثبوت میں زیادتی معنی ظاہر ہے ،دوسرا طریقہ وہ ہے جو زمخشری نے کہا ہے ”کُلُّ مَا هُوَ مَعْدُولٌ عَنْ اَصلِهٖ فَهُوَ اَبْلَغُ عَنْ اَصْلِهٖ“یعنی جو صیغہ معدول ہو اپنی اصل سے تو وہ بمقابلۂ اصل کے بلیغ ہوگا اور یہ دونوں معدول ہیں راحم سے، سیبویہ کا قول یہ ہے کہ رحمٰن تو صفت مشبہ ہے لیکن رحیم صفت فاعل ہے جو مبالغہ کے لئے وضع کیا گیا ہے دونوں اسماء باب سَمِعَ کے فعل رَحِمَ سے مشتق ہیں جیسا کہ غضبان غضب سے اور علیم علم سے مشتق ہیں لیکن اس پر یہ شبہ وارد کیا جاتا ہے کہ جمہور کے نزدیک جب یہ دونوں صفت مشبہ ہیں اور صفت مشبہ لازم سے آتی ہے متعدی سے نہیں تو رحمٰن ورحیم کیوں کر صفت مشبہ ہوسکتا ہے؟ جبکہ رَحِمَ متعدی ہے اس لئے رحمن ورحیم کو، رحم متعدی سے مشتق ماننا درست نہ ہوگا اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ رحم اگرچہ متعدی ہے لیکن لازم کی طرف منتقل کرلیا گیا ہے اور انتقال اس طور پر ثابت ہے کہ باب کَرُمَ سے افعال خلقیہ آتے ہیں لھذا رحم جو باب سمع سے ہے بمنزلۂ لازم کے ہوگیا پس رحمٰن ورحیم کو رحم سے مشتق ماننا درست ہے جیسا کی زمخشری نے رفیع الدرجات کو اسی قاعدہ سے لازم گردانا ہے۔

رحمت کا لغوی معنی اور مراد:۔ رحمت کا لغوی معنی بہت مشہور ہے وہ یہ کہ رحمت لغت میں رقۃ القلب اور میلان طبعی کو کہتے ہیں جو فضل واحسان کا متقاضی ہے، رِحم مادر، جو بچہ دانی کے معنی میں آتا ہے اسی سے ماخوذ ہے کیوں کہ رحم مادر بھی اس کے اندر موجود شئ پر نرم ہوتی ہے لیکن جب اس کی نسبت رب تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے تو رقت قلب اور میلان نفس کے معنی سے تجرید کر کے معنی نتیجہ یعنی تفضّل واحسان مراد ہوتا ہے کیوں کہ اللہ عز شانہ تعالیٰ قلب ونفس اور رقت ومیلان سب عوارض ممکنات سے پاک اور منزہ ہے، ورنہ

ذات باری تعالیٰ کا ممکن ہونا لازم آیگا اور یہ محال ہے، اسی وجہ سے رحمٰن ورحیم کا اطلاق ذات باری تعالیٰ پر باعتبار معنی مبدأ وسبب کے نہیں ہوسکتا ہے بلکہ غایت وتاثیر کے اعتبار سے ہوگا کہ رقت قلب اور میلان نفس کی غایت ونہایت تفضّل واحسان اور انعام واکرام پر ہوتی ہے پس رحمٰن ورحیم منعم کے معنی میں ہے۔ یہاں یہ نکتہ بھی ذہن میں رہے کہ رحمت سے انعام مراد لینا یونہی نہیں ہے بلکہ فن بلاغت کے مشہور ومعروف قاعدہ مجاز مرسل اور استعارۂ تمثیلیہ پر مبنی ہے۔

مجاز مرسل:۔ اصطلاح میں سبب بول کر مسبب مراد لینے کو مجاز مرسل کہتے ہیں اور یہاں یہ صورت متحقق ہے کیوں کہ رحمت یعنی رقت قلب، یقیناً احسان وانعام کا سبب ہوتی ہے چنانچہ کسی مجبور، پریشان حال یا اعرج واپاہج کو جب ہم دیکھتے ہیں تو اولا دل میں رقت طاری ہوتی ہے پھر یہی رقت اس پر انعام واحسان کرنے کا سبب بنتی ہے اور انعام مسبب ہے جو اس مقام پر مراد ہے۔

استعارۂ تمثیلیہ:۔ اصطلاح میں ایک ہیئت منتزعہ کو دوسری ہیئت منتزعہ کے ساتھ تشبیہ دینے کو استعارۂ تمثیلیہ کہتے ہیں، پس جو لفظ ہیئت مشبہ بہ کے لئے استعمال ہوتا ہے اسی کو ہیئت مشبہ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، اس مقام پر یہ صورت بھی متحقق ہوسکتی ہے اور وہ اس طرح کہ بندوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے معاملۂ انعام واحسان اور دفع مضرات کو، سخی رحم دل بادشاہ کے معاملہ سے تشبیہ دی گئی ہے جو وہ اپنی رعایا کے ساتھ بطور انعام واحسان کرتا ہے اور ان کی تکالیف کو دور کرتا ہے پس مشبہ بہ کے لئے جو لفظ رحمت استعمال کیا گیا وہ مشبہ یعنی معاملۂ ذات باری تعالیٰ کے لئے استعمال ہوا اس لئے اس اعتبار سے اس پر رحمٰن ورحیم کا اطلاق صحیح ہے۔ پس اس اعتبار سے کہ رحمت کا معنی رب تعالیٰ کی طرف نسبت کرتے ہوئے انعام واحسان کرنا ہے قاضی بیضاوی نے رحمٰن کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے کہ رحمٰن اس منعم حقیقی کو کہتے ہیں جو انعام کے انتہائی

کمال کے درجہ کو پہنچا ہوا ہو،اوراسی طرح حضرت امام رازی نے بایں طور تعریف کی ہے کہ رحمٰن وہ ذات منعم ہے جوایسی نعمتیں انعام فرمائے جن کا صدور بندوں سے متصور نہ ہو۔

لفظ رحمٰن کے ذکر کی خصوصیت:۔ مندرجہ بالا تفصیل سے یہ امر بھی واضح ہوگیا کہ حدیث پاک میں اللہ عزشانہ تعالیٰ کے تمام صفات کمالیہ اوراسمائے حسنیٰ کی بہ نسبت ''رحمٰن'' ارشادفرمانے کی خصوصیت کیا ہے؟ خصوصیت یہ ہے کہ یہاں پر مقصود بندوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت یعنی بے انتہا انعام واحسان کو بیان فرمانا ہے کہ وہ رحمٰن کریم رب اپنے بندوں کے عمل قلیل پر اجرعظیم اورثواب جزیل عطافرماتا ہے۔جیسا کہ فتح الباری وعمدۃ القاری وغیرہ میں ہے،واللفظ لفتح الباری ''وَ خَصَّ لفظَ الرَّحمٰنِ بِالذکر لانَّ المقصودَ مِنَ الحدِیثِ بیانُ سعۃِ رحمۃِ اللّٰہِ تعالیٰ علیٰ عبادِہٖ حیثُ یُجازی علیَ العملِ القَلیلِ بِا الثَّوَابِ الکثیرِ''[ص۵۴۰/ج۱۳]

مگرسوال:۔ یہاں ایک دوسراسوال قائم ہوتا ہے کہ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت واسعہ پررحمٰن ورحیم دونوں صیغے دلالت کرتے ہیں کہ دونوں کے بارے میں نحوی علمانے کہا ہے کہ مبالغہ پر دلالت کرتے ہیں تو پھررحیم کے بجائے رحمٰن کیوں ارشادہوارحیم کیوں نہیں فرمایا؟

جواب:۔ لفظ رحیم اگر چہ لفظ رحمٰن کی طرح،رحمت کی وسعت اورمبالغہ کے معنی پردال ہے تاہم لفظ رحیم کے معنیٰ کی بہ نسبت رحمٰن کے معنیٰ میں زیادتی مبالغہ پائی جاتی ہے کیوں کہ یہ قاعدہ مشہور ہے کہ زیادتی مبانی ،زیادتی معانی پردلالت کرتی ہےاورلفظ رحیم کے مقابلہ میں لفظ رحمٰن میں حروف زیادہ ہیں کہ رحیم میں چار حرف ہیں تورحمٰن میں پانچ حروف ہیں،پس رحیم کے مقابلہ میں رحمٰن کے معنیٰ میں بھی زیادتی ہوگی جیسا کہ قَطَعَ کے معنی کاٹنا ہے توقَطَّعَ بالتشدید کے معنی بار بار کاٹنے کے ہیں،اسی طرح کبار کا معنی بڑا ہے اور کُبَّار

مشدد کا معنی بہت بڑا بوڑھا کے ہے،اس سے واضح ہے کہ کثرت حروف، کثرت معانی پر دلالت کرتی ہے اس لئے لفظ رحمٰن کا معنی رحیم کے معنی کے بالمقابل بہرحال زیادہ ہوگا۔

رحمٰن کے معنیٰ کی زیادتی کی صورتیں:۔ لفظ رحیم کی بہ نسبت ،لفظ رحمٰن کے معنیٰ میں دو طرح سے زیادتی معنیٰ ہے ایک زیادتی کمیت کے اعتبار سے ہے اور دوسری زیادتی کیفیت کے اعتبار سے ہے ،کمیت کی زیادتی سے مراد کثرت افراد ہے اور کیفیت کی زیادتی سے مراد قوت افراد ہے اس اعتبار سے مفسرین نے رحمٰن کی نسبت دنیا کی طرف اور رحیم کی نسبت آخرت کی طرف کرتے ہوئے کہا ''یا رحمٰنَ الدُّنیا و رحیمَ الآخرۃِ'' یعنی دنیا کی طرف نسبت کرتے ہوئے رحمٰن اور آخرت کی نسبت کرتے ہوئے رحیم ہے کہ دنیا میں رحمت کے افراد زیادہ ہیں بہ نسبت آخرت کی رحمت کے افراد کے، کیوں کہ دنیا کی رحمت مومن وکافر، دوست ودشمن، انسان وحیوان ،نباتات وجمادات ،جن وملٰئکۃ اور زمین وآسمان بلکہ ان میں موجود ہر فرد مخلوق کے لئے عام تام ہے،اس کے برعکس آخرت میں رحمت کے افراد ومصداق کم ہوں گے کہ آخرت میں رحمت صرف اہل ایمان کے ساتھ مخصوص ہوگی۔اور کیفیت کے اعتبار سے زیادتی اس طرح ہے کہ لفظ رحمٰن کی نسبت دنیا اور آخرت دونوں طرف ہو اور لفظ رحیم کی نسبت صرف دنیا کی طرف ہو، پھر آخرت کی نعمتیں سب بڑی بڑی دائمی اور عظیم الشان ہیں جب کہ دنیا کی نعمتیں چھوٹی بڑی دونوں ہیں اور عارضی بھی ہیں پس باعتبار کیفیت رحمٰن کا معنی ہوگا کہ دنیا وآخرت دونوں جگہ بڑی بڑی عظیم الشان اور دائمی نعمتیں عطا فرمانے والا اور رحیم کا معنی ہوگا دنیا کی ہر چھوٹی سے چھوٹی نعمتیں عطا فرمانے والا۔اس طرح لفظ رحمٰن کا معنی لفظ رحیم سے کمیت وکیفیت دونوں اعتبار سے زیادہ بلیغ ہوگا یہی وجہ ہے کہ حدیث پاک میں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے رحیم کے بجائے لفظ رحمٰن ارشاد فرمایا۔[تفسیر سورۃ الفاتحہ،ازمرتب]

یہ بھی جواب دیا گیا ہے کہ کلمتان حبیبتان کی طرف نظر کرتے ہوئے بطور سجع رحمٰن ارشاد ہوا اور رہا یہ شبہ کہ سجع تو منع ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو سجع بطور تکلف بے فائدہ استعمال ہو وہ منع ہے لیکن جو بے تکلف اور فائدہ مند ہو وہ منع نہیں ہے اور یقینا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو ارشاد فرمایا وہ بے تکلف اور فائدہ سے لبریز ہے۔ اس لئے یہ سجع منع نہیں۔

قولہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: خفیفتان، ثقیلتان:۔ یہ دونوں کلمے تثنیہ ہیں اور کلمتان کی صفت ہیں، دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں چنانچہ الثقل: یہ خفۃ کی ضد ہے اور اسکے معنی بھاری اور انبار ہونا کے ہیں، ہر وہ چیز جو وزن یا اندازہ میں دوسری پر بھاری ہو اسے ثقیل کہا جاتا ہے۔ اصل وضع کے اعتبار سے تو یہ اجسام کے بھاری ہونے پر بولا جاتا ہے لیکن مجازا معانی کے بھاری ہونے پر بھی اطلاق ہوتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے اَثْقَلَهُ الْغَرْمُ وَ الْوَزْنُ، اسے تاوان یا گناہ کے بوجھ نے دبا لیا۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے (اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ۝ [الطور/ ۴۰] کیا تم ان سے صلہ مانگتے ہو کہ ان پر تاوان کا بوجھ پڑ رہا ہے۔ عرف میں انسان کے متعلق، ثقیل کا لفظ عام طور پر مذمت کے لئے استعمال ہوتا ہے اور کبھی بطور مدح کے بھی آتا ہے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے، تَخِفُّ الاَرضُ اِذْمَا زِلتَ عنها وَ تَبقٰی مَا بَقِیتَ بِهَا ثَقِیلاً لَّلتَ بِمُستَقَرِّ العِزِ مِنْهَا فَتمنعُ جَانِبَیْهَا اَنْ تَمِیْلاً۔

یعنی جس سرزمین سے تم چلے جاؤ وہ ہلکی ہو جاتی ہے اور وہ اسی وقت تک بھاری رہتی ہے جب تک تم اس پر ہو۔ تم زمین میں عزت کے مقام پر فروکش ہو اور تمھاری وجہ سے اس میں توازن قائم ہے۔۔۔۔۔۔۔۔

اور کہا جاتا ہے فِی اُذُنِهٖ ثِقْلٌ، یعنی اس کی قوت سماعت کمزور ہے ضِد فِی اُذُنِهٖ خِفَّةٌ، گویا جو بات اس سے کی جاتی ہے اس کو سمجھنے میں گرانی محسوس کرتا ہے اور کسی بات کا سننا ناگوار معلوم ہو تو کہا جاتا ہے چنانچہ اسی

معنی میں قیامت کے متعلق فرمایا(ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ)[الاعراف/ ۱۸۷]وہ یعنی قیامت آسمان اور زمین میں ایک بھاری بات ہوگی۔اور آیت کریمہ (وَ اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا)یعنی زمین اپنے (اندر کی)خزانے نکال دے گی یعنی زمین اپنے دفینے نکال دے گی یا بروز حشر زمین اپنے اندر میں دفن ہوئے مردے نکال دے گی[الزلزال/ ۲]۔اورارشاد(وَ تَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ)[النحل/ ۷]اور وہ تمھارے بوجھ اٹھا کر لے جاتی ہے میں اثقال سے بھاری بوجھ مراد ہے لیکن آیت کریمہ (وَ لَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَ اَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ) [العنکبوت/ ۱۳]اور یہ اپنے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور لوگوں کے بوجھ بھی۔میں اثقال سے گناہوں کے بوجھ مراد ہیں جوانھیں ثواب سے روک دیں گے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا(لِيَحْمِلُوْۤا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَ مِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ۠ ۲۵۔ یعنی قیامت کے دن اپنے بوجھ پورے اٹھائیں اور کچھ بوجھ ان کے جنھیں اپنی جہالت سے گمراہ کرتے ہیں،سن لو کیا ہی برا بوجھ اٹھاتے ہیں یعنی اے محبوب انھیں بکنے دو یہ قیامت کے دن اپنے اعمال کے پورے بوجھ تو اٹھائیں گے ہی ،انھیں ان کے بھی گناہوں کا بوجھ اٹھانا ہوگا جن کو گمراہ کرتے ہیں۔ایک مقام پرارشاد فرمایاہے اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا [۹/۴۱]تم سبکسار رہو یا گراں بار گھروں سے نکل آؤ۔اس آیت میں بعض نے خفاف سے نادار اور ثقال سے غنی لوگ مراد لئے ہیں ،بعض کے نزدیک اس سے غریب الوطن اور مقیم لوگ مراد ہیں اور بعض نے خفاف سے چست اور ثقال سے سست مراد لئے ہیں لیکن آیت اپنے عموم کے اعتبار سے جملہ معانی کو شامل ہے کیوں کہ مقصود جہاد فی سبیل اللہ کی ترغیب دینا ہے کہ تنگی کی حالت ہو یا فراخی کی ، ہر حال میں تمھیں، جہاد کے لئے چل کھڑے ہونا چاہئے۔**المثقال** ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے کہ جس سے کسی چیز کو وزن کیا جاتا ہے قرآن حکیم میں ہے (

فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ۔۔ وَ مَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ) [۸،۷/۹۹] توجس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔اور آیت کریمہ (وَ اَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُہٗ) [۱۰۱/۸]اس میں وزن کے ہلکا ہونے سے مراد اعمال حسنہ کا کم ہونا مراد ہے۔۔۔۔۔۔ثقیل وخفیف کے الفاظ دوطرح سے استعمال ہوتے ہیں ایک بطور مقابلہ کے یعنی ایک چیز کو دوسری چیز کے مقابلہ سے ثقیل یا خفیف کہہ دیا جاتا ہے چنانچہ متلوہ بالا آیت کریمہ میں یہی مراد ہےاور دوسرے یہ کہ جو چیزیں طبعاً نیچے کی طرف مائل ہوتی ہیں انہیں ثقیل کہا جاتا ہے جیسے حجر وغیرہ اور جو چیزیں طبعاًاوپر کو اٹھتی ہیں جیسے آگ اور دھواں وغیرہ انھیں خفیف کہا جاتا ہے، چنانچہ آیت کریمہ(اثَّاقَلْتُمْ اِلَی الْاَرْضِ)[لتوبۃ/ ۳۸] توتم زمین میں گرے جاتے ہو، میں ثقیل کا دوسرا معنی مراد ہے۔

اس تفصیل سے ظاہر ہے کہ ثقیل وخفیف کا جواہر واعراض دونوں کے لئے حقیقتا ومجازاًاستعمال ہوا ہے پس قرآن حکیم میں یا احادیث پاک میں تسبیح وتہلیل ودیگر اعمال حسنہ وسیئہ کے بھاری وہلکا ہونے یاوزن کئے جانے کا جوذکر ہے ان میں جواہر واعراض دونوں اعتبار سے اعمال کے وزن کئے جانے اور بھاری وہلکا ہونے کا معنی مرادلیا جاسکتا ہے پس اگرنفس اعمال تولے جائیں تو یہ بھی باری تعالیٰ کی قدرت سے بعید نہیں جیسے آج دنیا حرارت وبرودت کوناپ رہی ہےاور اگر اعمال کوانکے رجسٹروں کے ساتھ بصورت اجسام وزن کئے جائیں جیسا کہ حدیث پاک (حدیث بطاقہ وغیرہ) سے اس کا ثبوت گذرا،تب توکوئی استحالہ ہی نہیں کہ اجسام کاوزن کیاجانااوراس کاہلکااور بھاری ہونا حقیقتاً ہے۔

حضرت مفتی احمد یارخاں نعیمی اشرفی ،مشکوٰۃ شریف کی شرح مرأۃ المناجیح میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں ،’’سبحان اللہ! کیسی پیاری فصیح وبلیغ زبان ہے اس پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی، خَفِیفَتَانِ، ثَقِیلَتَانِ: یعنی بھاری، ہلکے، اس میں متضادین کا اجتماع ہے، لسان ومیزان میں تناسبین کا اجتماع ہے کیوں کہ لسان انسانی زبان کو بھی کہتے ہیں اور ترازو کی زبان کو بھی، جو ہاتھ کی مٹھی میں بروقت تولنے کے رہتی ہے، حبیبتان و رحمن، اس میں ایسی مناسبت ہے کہ سبحان اللہ، محبت ورحمت میں بہت ہی (گہرا) تعلق ہے یعنی یہ دونوں کلمے پڑھنے میں زبان پر بہت آسان ہیں مگر کل قیامت میں ان کا وزن بہت زیادہ (بھاری) ہوگا کیوں کہ ہمارے کلام سے رب تعالیٰ کا نام وزنی ہے پھر خوبی یہ کہ رب تعالیٰ کو یہ کلمات بڑے پیارے ہیں تو جوان کا ورد کرے گا وہ بھی پیارا ہوگا اس کی زبان پیاری ہوگی اس مقام پر فتح الباری میں فرمایا کہ خفیفتانِ و ثقیلتانِ دونوں کلمتانِ کی صفت ہیں اور کلمہ کو خفت وثقل سے اسلئے متصف فرمایا تا کہ قاری وذاکر کو اول نظر میں یہ معلوم ہو جائے کہ نہایت ہی قلیل عمل پر نہایت ہی کثیر ثواب ہے۔

اوران تینوں الفاظ کے ذکر میں (جہاں کمال فصاحت وبلاغت کا بیان ہے وہیں) شاندار اور شیریں سجع کی رعایت بھی ہے جیسا کہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں، اور رہا یہ شبہ کہ سجع تو ممنوع ہے تو ممنوع کا استعمال قول رسول میں کیوں کر ہوسکتا ہے؟ اس شبہ کا جواب یہ کہ مطلقاً سجع ممنوع نہیں ہے بلکہ وہ سجع ممنوع ہے جو بتکلف صادر ہو یا باطل پر مشتمل ہو لیکن جو بلا تکلف صادر ہو جائے اور اس میں باطل کا شائبہ بھی نہ ہو ایسی سجع کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا اور پُر ظاہر کہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد گرامی انھیں خوبیوں سے لبریز ہے۔ اس لئے آپ کے ارشاد گرامی پر سجع ممنوع سے اعتراض واقع نہ ہوگا۔

خفیفتانِ، میں اشارہ ہے کہ ان دونوں کلام مبارک کے کلمے اور اس کے سب حروف بہت ہی قلیل ہونے کے ساتھ ایسے فصیح بھی ہیں کہ ہر کس وناکس کی زبان پر بڑی آسانی کے ساتھ نہایت ہی کم وقت میں ادا ہو سکتے ہیں۔

چنانچہ علامہ طیبی نے کہا ہے کہ خفت ،سہولت و آسانی سے مستعار ہے ،کلام کے بآسانی زبان پر جاری ہوجانے کوسامان کے اس ڈھونے والے سے تشبیہ دی گئی ہے جوسامان کو بآسانی ڈھولیتا ہےاورسامان اس کو کچھ بھی بوجھل نہیں بنا تا جیسے کہ شئ ثقیل ڈھونے والے کو تھکا دیتی ہے لیکن ان کلمات مبارکہ کے وردکرنے پر مطلقا تھکاوٹ اوراکتاہٹ کا احساس تک نہیں ہوتا۔ نیز اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ تمام تکالیف نفس پر نہایت دشوار، مشکل اورثقیل لگتے ہیں لیکن یہ دونوں کلمے ایسے خفیف اوراتنے آسان ہیں کہ نفس پر کچھ شاق نہیں اور زبان پر دشوار نہیں ۔نہایت ہی آسانی کے ساتھ اقل قلیل وقت میں ادا ہوجاتے ہیں جب کہ آخرت میں یہ دونوں کلمے ،تکالیف شاقہ کی طرح اتنے بھاری ہونگے کہ میزان عمل کا آسمان وزمین جیساوسعتوں والاترازو بھر جائے گا۔بعض سلف صالحین سے سوال ہوا کہ آخراس کی کیا وجہ ہے کہ میزان عمل میں ایک (معمولی) نیکی بھاری ہوجائے گی اور برائی ہلکی ہوگی؟۔تو انھوں نے اس کے جواب میں فرمایا کہ حسنہ (نیکی) کی کڑواہٹ اورتلخی باقی رہتی ہےاوراس کی حلاوت ختم ہوجاتی ہےاس لئے وہ میزان عمل میں بھاری ہوگی لہٰذا اس کی تلخی ،کڑواہٹ اوراس کاثقل تمھیں کسی نیکی کے چھوڑنے پرنہ ابھارے،اس کے برعکس سیئہ (برائی) ہے کہ اس میں حلاوت موجودرہتی ہےاوراس کی تلخی اورکڑواہٹ جاتی رہتی ہےاس لئے وہ ہلکی ہوگی ،لہٰذا اس کی حلاوت اوراس کا ہلکا پن تمہیں کسی برائی کے ارتکاب کرنے پرنہ ابھارے (چنانچہ نیکی کومعمولی سمجھ کر چھوڑ نانہیں چاہیےاور برائی کومعمولی سمجھ کرکرنانہیں چاہئے ارشاد ہے وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ)''خَفِيفَتَانِ و ثَقِيلَتَانِ،کی شرح کرتے ہوئے شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق صاحب امجدامجدی رحمہ اللہ تعالیٰ ارقام فرماتے ہیں۔

''مراد یہ ہے کہ کلمہ بہت مختصر ہےمگراس پرثواب بہت زیادہ ہے جیسا کہ فرمایا گیا''سُبْحَانَ اللّٰهِ

نصفُ المیزَانِ وَ الحمدُ لِلّٰہِ تملَأہُ، سبحان اللہ آدھا میزان ہے اور الحمد للہ اسے بھر دیتا ہے، اسکے دو معنی ہو سکتے ہیں کہ نصف میزان سبحان اللہ سے بھرتی ہے اور نصف الحمد للہ سے۔ اور ایک مطلب یہ بھی ہے کہ الحمد للہ تنہا میزان کو بھر دیتا ہے، اس صیغے میں دونوں جملے ہیں، سبحان اللہ بھی اور وَ بحمدہٖ بھی، پھر اس کے ثواب کا کیا اندازہ کیا جاسکتا ہے، اسی لئے فرمایا گیا کہ میزان میں بھاری ہیں اور کلمہ کے خفیف ہونے سے مراد یہ ہے کہ بہت مختصر ہے اور یہ بھی مراد ہوسکتی ہے کہ یہ کلمے بہت ہی فصیح اور پڑھنے میں آسان ہیں، ثقیل بمعنی زبان پر ثقیل اور بھاری نہیں جیسے مُستَشزِرَاتٌ اور مَا لکُمْ تَکَأ کَأتُمْ عَلَیَّ کَتکَا کُائِکُمْ عَلیٰ ذِیْ جِنَّۃٍ اِفْرَنْقِعُوا عَنِّی ''تمہارا کیا حال ہے میرے گرد بھیڑ لگائے ہوئے ہو جیسے جن والے پر بھیڑ لگائی جاتی ہے مجھ سے دور ہو جاؤ۔ ایک شخص کو مِرگی کی بیماری تھی اس پر مِرگی کا دورہ پڑا اور بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑا لوگ چاروں طرف سے اس کے پاس جمع ہو گئے، ہوش میں آنے کے بعد جب اس نے لوگوں کی بھیڑ دیکھی تو جملہ مذکورہ کہا کسی نے کچھ نہیں سمجھا حالانکہ سب عربی جاننے والے تھے ان لوگوں نے کہا اس پر شیطان سوار ہے اس کو چھوڑ دو اس کا شیطان ہندی میں بول رہا ہے۔

قولہ ﷺ:۔ سُبحَانَ اللّٰہ وَ بِحَمْدِہٖ سُبحَا نَ اللّٰہِ الْعَظِیمِ، سُبحَانَ:۔

سبحان، سَبَحَ سے بنا ہے اسم مصدر ہے جس کے لغوی معنی ہیں تیرنا اور دور ہونا، (ارشاد ہے) کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَسبَحُونَ، چونکہ تیرنے والا کنارے سے دور نکل جاتا ہے اس لئے دور ہونے کے معنی میں استعمال ہونے لگا اور چونکہ جو ذات عیوب سے پاک ہو وہ تمام برائیوں سے دور ہوتی ہے اس لئے پاکی کے معنی میں بھی استعمال ہوا۔ اصطلاح میں ہر عیب سے پاک ہونے کو بولتے ہیں کیوں کہ ذات پاک ہم جیسوں کے وہم و گمان سے دور ہے (ہر عیب سے پاک ہے) اسی سے تسبیح بنا جس کے معنی ہیں رب کو پاک جاننا۔ خیال رہے کہ چونکہ سبحان

میں ہر عیب سے کامل پاکی مراد ہے اس لئے کسی مخلوق کے واسطے یہ لفظ نہیں بولا جا سکتا بخلاف حمد وتکبیر کے کہ اسے مخلوقات کے لئے بھی استعمال کرلیا جاتا ہے۔[تفسیر عزیزی، بحوالہ تفسیر نعیمی پ ۲/آیت ۱۱۶]

فتح الباری میں ہے ”یعنی قول سبحان اللہ و معناه تنزيه الله عما لايليق به من كل نقص فيلزم نفي الشرک و الصاحبة و الولد و جميع الرذائل و يطلق التسبيح و يراد به جميع الفاظ الذكر و يطلق و يراد به صلاة النافلة و اما صلاة التسبيح فسميت بذالک لكثرة التسبيح فيها“ یعنی سبحان اللہ کا معنی، اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ کرنا ہے ہر اس نقص سے جو اس کے شایان شان نہیں لہٰذا شریک، زوج واولاد اور ہر قسم کے عیوب ورذائل سے نفی لازم ہے اور تسبیح جب بولا جاتا ہے تو اس سے تمام ذکر کے کلمات مراد ہوتے ہیں اور اس سے کبھی صلاۃ النافلہ بھی مراد ہوتا ہے اور صلاۃ التسبیح کا نام اس سے، اسی لئے رکھا کہ اس میں تسبیح کی کثرت ہے۔ سُبْحَانَ، اسم مصدر ہے سب کا اتفاق ہے کہ یہ بحالت نصب ہے، مفعول مطلق ہے فعل پوشیدہ کا، ہمیشہ مضاف ہوتا ہے اور اس کا مضاف الیہ واحد مذکر اسم ظاہر یا اسم ضمیر ہوتا ہے یا اسم موصول جیسے سبحان اللہ، سُبْحانَہ، سُبْحَان الّذي، تینوں طرح سے قرآن حکیم میں ارشاد ہوا ہے اس (لفظ سبحان) میں مختلف اقوال ہیں کہ یہ بناوٹ (صیغہ وہیئت) کے اعتبار سے کیا ہے؟

پہلا قول: یہ ہے کہ یہ مصدر سماعی ہے سَبَّحَ فعل پوشیدہ کا۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ یہ مصدر قیاسی ہے بروزن فُعلان وغُفران، سَبَّحَ پوشیدہ فعل کا۔

تیسرا قول: یہ ہے کہ حاصل مصدر جامد ہے۔

چوتھا قول؛ یہ ہے کہ اسم جامد علم ہے تسبیح کا بمعنی پاکیزہ، منزہ، ستھرا، بے عیب ہونا خصوصی صفت ہے رب تعالیٰ کی۔[تفسیر نعیمی/پ ۱۵] فتح الباری شرح البخاری میں ہے۔

"وَ سُبحان اسم منصوب عَلیٰ اَنّہٗ واقِعٌ مَوقَعَ المصدرِ لِفِعلٍ محذوفٍ تقدیرہٗ سَبحتُ اللّٰہَ سُبحاناکَسَبّحتُ اللّٰہَ تَسْبیحاً ، وَ لاَ یُستعملُ غَالباً الّاَمضافاً و ھو مضافٌ الیَ المفعولِ ای سبحتُ اللّٰہَ، وَیجوزُ اَنْ یَّکُونَ مضافاً الیَ الفاعلِ ای نزہ اللّٰہُ نفسہٗ و المشھور الاول"

[ج۱۱/ص۲۰۶]

اللّٰہ:۔ بر بناء تحقیق "اللہ" علم ہے اس ذات واجب الوجود کا جو جمیع صفات کمالیہ کی جامع ہے اس لئے کل حمد اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خاص ہے، حضرت امام رازی وغیرہ مفسرین کا مذہب مختار یہ ہے کہ لفظ اللہ، اللہ تعالی کا اسم علم ہے اس لئے وہ مشتق نہیں ہے یہی مذہب خلیل نحوی اور سیبویہ، اکثر اصولیین وفقہائے کرام کا ہے ۔اسم جلالت لفظ اللہ کی لغوی وصرفی تشریح اور اس کے مادۂ اشتقاق ومشتقات منہ کا بیان کتب تفسیر میں "بسم اللہ والحمدللہ" کی تفسیر کے ضمن میں کیا جاتا ہے ناچیز راقم الحروف نے بھی تفسیر رازی و بیضاوی کے حوالے سے اپنی کتاب "الاسرار الواضحۃ فی تفسیر سورۃ الفاتحۃ ،المعروف تفسیر سورۃ الفاتحۃ" میں اس اسم مبارک ودیگر اسمائے حسنیٰ کی لفظی ومعنوی تشریح کی ہے اس لئے یہاں اعادہ کی حاجت نہیں، صرف ایک نکتہ پر اکتفا کرتا ہوں۔

نکتہ در بارۂ اسم اللہ:۔ اللہ رب العٰلمین کے تمام اسمائے حسنیٰ میں لفظ اللہ ایسا باکمال لفظ ہے جو فصاحت و بلاغت کے ایسے حد اعجاز پر فائز ہے کہ لفظ اللہ اور اس کا ایک ایک حرف حذف کرنے کے بعد بھی، اس کی دلالت اس کی ذات واجب الوجود، وحدہ لاشریک لہ پر ہوتی ہے چنانچہ جب ہم لفظ اللہ بولیں تو اس کا مصداق تو اللہ وحدہٗ لاشریک لہ متعین ہے بیشمار آیات میں ارشاد ہے، آیۃ الکرسی میں ہے "اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ،سورۂ حشر میں ہے ھُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّھَادَۃِ ۚ ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ﴿۲۲﴾ ھُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ۚ اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُھَیْمِنُ الْعَزِیْزُ

الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۴﴾ پھر لفظ اللہ سے کوئی، الف حذف کر کے تکلم کرے تو **لِلّٰہ** باقی رہتا ہے اور اس کی بھی دلالت اسی ذات قدیم واجب الوجود پر ہوتی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ [البقرۃ/۱۴۲] لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ [البقرۃ/۲۸۴] لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا فِيْهِنَّ ؕ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۲۰﴾ [المائدۃ/۱۲۰] اسی طرح **للّٰہ** سے لام اول کو حذف کر کے پڑھیں گے تو **لَہٗ** باقی رہتا ہے اور اس کی بھی دلالت اسی ذات وحدہ لاشریک لہ پر ہوتی ہے چنانچہ کثیر آیات قرآنیہ اس پر شاہد و ناطق ہیں اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ [البقرۃ/۱۰۷] بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ [البقرۃ/۲۱۶] لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ [البقرۃ/۲۵۵] اسی طرح اللہ کے لام دوم کو حذف کریں گے تو ''ہ'' باقی رہتا ہے اس کا بھی کامل مصداق صرف وہی ذات واجب الوجود باری تعالیٰ ہے جس پر کثیر آیات قرآنیہ شاہد و ناطق ہیں ارشاد ہے مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ [البقرۃ/۲۵۵] بلکہ پوری آیۃ الکرسی جہاں ''ہ'' ضمیر ارشاد ہے اس کا مصداق باری تعالیٰ ہے۔

حضرت امام رازی نے تفسیر کبیر میں کہا ہے کہ **لَہٗ** سے لام کو حذف کر دینے کے بعد ''ھوَ'' باقی رہتا ہے اور یہ بھی باری تعالیٰ عز شانہ پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ سورۂ اخلاص میں ارشاد ہے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ﴿۱﴾ اور ارشاد ہے هُوَ الْحَيُّ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۵﴾ [المومن/۶۵. لہ سے لام کے حذف کے بعد لفظ ھو کے باقی رہنے کا قول اس لئے کیا جاتا ہے کہ ھو میں واو زائد ہے کیوں کہ تثنیہ اور جمع کی صورت میں واو نہیں آتا ہے کہتے ہیں ھما، ھُم، پس ان

دونوں میں واؤ باقی نہیں رہتا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ ھو میں واؤ زائد ہے اصل میں 'ہ' ہے۔ یہ نکتہ خاصہ رب تعالیٰ کے اس اسم شریف کو حاصل ہے جو دنیا کے کسی لفظ اور کسی اسم کو حاصل نہیں ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس طرح اس کی ذات لاشریک لہ ہے اسی طرح اس کا اسم جلالت اللہ بھی بے مثل و بے مثال ہے پھر جس طرح باعتبار لفظ ''اللہ'' میں یہ نکتۂ دقیقہ اور خصوصیت خاصہ پائی جاتی ہے باعتبار معنی بھی اس اسم مقدس میں عظیم خصوصیت ہے اور وہ یہ ہے کہ جب کوئی اللہ سے اس کو اسم رحمٰن سے ندا کر کے دعا کرتا ہے تو اس نے اس کو صفت رحمت سے متصف کر کے دعا کیا لیکن اس نے اس کو اس کی دوسری صفت قہر وغیرہ سے متصف کر کے دعا نہیں کیا اسی طرح جب اس کو یا علیم کہہ کر ندا کرتا ہے تو اس نے اس کو صفت علم سے متصف کر کے ندا کیا لیکن اس کی دوسری صفت قدرت کو نہیں ذکر کیا لیکن جب بندہ یا اللہ کہتا ہے تو گویا اس نے اس کو اس کے تمام صفات کمالیہ سے متصف کر کے یاد کیا کیوں کہ الہ، الہ ہو ہی نہیں سکتا جب تک وہ اپنی تمام صفات کمالیہ کا جامع نہ ہو اور تمام اسماء حسنیٰ میں صرف لفظ اللہ ہی کو وہ خصوصیت خاصہ حاصل ہے جو تمام صفات کمالیہ کا جامع ہے۔

وَبِحَمْدِهٖ:۔ وَبِحَمْدِہٖ میں ''و'' ایک قول کے مطابق حالیہ ہے اس صورت میں تقدیر عبارت یہ ہوگی 'اُسَبِّحُ اللّٰہَ مُتَلَبِّساً بِحَمْدِیْ لَہٗ مِنْ أَجلِ تَوْفِیْقِهٖ' یعنی اس کی توفیق سے میں اس کی حمد کرتے ہوئے اس کی تسبیح کرتا ہوں۔ ایک قول یہ ہے کہ ''و'' عاطفہ ہے اس تقدیر پر عبارت یوں بنے گی 'اسبحُ اللّٰہَ وَ اتَلبسُ بِحَمْدِهٖ' یعنی میں اللہ کی تسبیح کرتا ہوں اور اس کی حمد میں لگا ہوں۔ حمدہ، میں احتمال اس کا بھی ہے کہ حمد مضاف ہو فاعل کے لئے، اور مراد حمد سے لازم حمد ہو یا موجب حمد یعنی توفیق وغیرہ مراد ہو اور 'ب' محذوف متقدم سے متعلق ہو پس تقدیر عبارت یہ ہوگی ''وَ اثْنِیْ علیہ بحمدِهٖ'' یعنی میں اس کی توفیق سے اس کی حمد کے ساتھ اس کی ثناء کرتا ہوں اس تقدیر پر 'سبحان اللہ وبحمدہ' ایک جملہ نہیں بلکہ مستقلا دو جملے ہوں گے، سبحان اللہ ایک مستقل جملہ ہے اور بحمدہ ایک الگ جملہ ہے۔ [فتح الباری]

حمد کی تعریف :۔ حمد لغت میں تعریف کو یا تعریف کرنے کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں (افعال اختیاریہ جمیلہ) اختیاری خوبی پر نعمت یا غیر نعمت کے بدلے تعریف کرنے کو حمد کہتے ہیں تفسیر بیضاوی میں ہے'' **الحمدُ ھو الثناء علی الجمیل الاختیاری من نعمۃ او غیرھا**''یعنی نعمت یا غیر نعمت کے بدلے جمیل اختیاری پر ثناء کرنے کا نام حمد ہے۔

واضح رہے کہ حمد کی تعریف میں تین الفاظ 'ثناء، جمیل اختیاری، نعمت' خاص طور سے قابل لحاظ ہیں ہم ذیل میں ان تینوں کی قدرے تشریح کرتے ہیں تاکہ حدیث پاک میں مذکور تسبیح وحمد کا معنی اور مقصود خوب واضح ہو جائے۔ثناء کے تین معنی آتے ہیں ایک معنی ہے، صفات کمالیہ کو ظاہر کرنا حدیث شریف میں ہے'' لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علیٰ نفسک''یعنی میں تیری ثناء کا احاطہ نہیں کرسکتا تو ویسا ہی ہے جیسا کہ تو نے اپنی ثناء کی ہے۔اس حدیث میں ثناء کا معنی صفات کمالیہ ظاہر کرنا ہے،ثناء کا دوسرا معنی مطلقا اوصاف بیان کرنے کے آتے ہیں خواہ خیر ہوں یا شر،اس معنی کا بھی حدیث میں ذکر ہے ارشاد ہے'' من اثنیتم علیه خیرا وجبت له الجنة و من اثنیتم علیه شراً وجبت له النار''نبی کریم ﷺ نے صحابہ سے فرمایا جس کا تم نے بھلائی کے ساتھ ذکر کیا اس کے لئے جنت واجب ہے اور جس کا تم نے شر کے ساتھ ذکر کیا اس کے لئے جہنم واجب ہے۔ثناء کا تیسرا معنی **ذکر الخیر باللسان**'یعنی زبان سے بھلائی کی تعریف کرنا، عام طور پر حمد کا یہی معنی مشہور ہے لیکن اس معنی کے اعتبار سے ثناء کی نسبت رب تعالیٰ کی طرف درست نہیں ہے کہ اس معنی میں لسان کی قید ہے اور اللہ عز شانہ تعالیٰ لسان وزبان سے پاک اور منزہ ہے البتہ اگر لسان سے قوت تکلم اور مبدأ تعبیر مراد لیا جائے تو درست ہے بلکہ اپنے علم و ارادہ کا فیضان کرنا مراد لیا جائے تو رب تعالیٰ کی طرف حمد کی نسبت بخوبی ہوسکتی ہے۔

حمد کی تعریف میں ایک قید جمیل اختیاری کی ہے، واضح ہو کہ جمیل، ذات و وصف اور فعل، تینوں کی صفت بن سکتا ہے چنانچہ ذات جمیل، وصف جمیل اور فعل جمیل ہر طرح استعمال ہوسکتا ہے، پس حمد کی تعریف میں جمیل اختیاری کا مفہوم یہ ہوگا کہ کسی کی وصف جمیل اختیاری یا فعل جمیل اختیاری پر تعریف کرنا۔ مگر اس پر یہ اعتراض وارد ہوگا کہ حمد کی یہ تعریف، غیر اختیاری وصف وفعل پر صادق نہیں آئے گی کہ اس میں جمیل اختیاری مذکور ہے حالانکہ حمد جس طرح جمیل اختیاری پر کی جاتی ہے جمیل غیر اختیاری پر بھی کی جاتی ہے چنانچہ ہم رب تعالیٰ کے افعال اختیاریہ جیسے ترزیق، احیاء، اماتہ انزال وغیرہ کی تعریف اور حمد کرتے ہیں اسی طرح صفات ذاتیہ غیر اختیاریہ جیسے حیوۃ، سمع، بصر اور علم و قدرت وغیرہ کی بھی حمد وثناء کرتے ہیں۔ مگر حمد کی جو تعریف عام طور پر کی جاتی ہے وہ تعریف، صفات ذاتیہ غیر اختیاریہ پر صادق نہیں آتی اس لئے حمد کی تعریف جامع نہ ہوئی، اس اعتراض کے کئی جوابات دیئے گئے ہیں، تمام جوابوں میں بہتر جواب یہ ہے کہ جمیل اختیاری کا معنی یہ ہے کہ جو افعال فاعل مختار سے صادر ہوں خواہ بالاختیار صادر ہوں یا بالاضطرار، اور صفات ذاتیہ کا صدور رب تعالیٰ سے اگرچہ بالاختیار صادر نہیں ہے لیکن بالاضطرار ضرور ہے۔۔۔ یہ بھی جواب دیا گیا ہے حمد خاص ہے اور مدح عام ہے اور خاص بول کر عام مراد لیا گیا ہے یعنی حمد سے مدح مراد ہے اور مدح کا اطلاق اختیاریہ غیر اختیاریہ دونوں پر ہوتا ہے۔ تسبیح وحمد کے درج بالا معنی وتشریح سے خوب واضح اور روشن ہوتا ہے کہ "سُبۡحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمۡدِہٖ" زبان رسالت، مشکوٰۃ نبوت سے صادر شدہ کلمۂ طیبہ نہایت ہی فصیح وبلیغ، جامع قلیل الکلام، سہل اللسان اور ثقیل المیز ان ہے اس کلمہ کو ورد میں رکھنے والا خدائے رحمٰن کا محبوب ہوجاتا ہے اور جب اللہ اپنے کسی بندہ کو اپنا محبوب بنالیتا ہے تو روز قیامت صرف اسی دو مختصر کلمۂ مبارکہ سے زمین وآسمان جیسے وسیع وعریض پلۂ میزان کو بھر دیگا۔

چونکہ یہ دونوں کلمے الفاظ وحروف کے اعتبار سے اگرچہ نہایت ہی مختصر ہیں لیکن اس میں معنیٰ ومطالب کا ایک سمندر موجزن ہے چنانچہ جب کسی نے صرف سبحان اللہ کہا تو گویا اس نے اللہ جل شانہ تعالیٰ کے لئے تمام صفات سلبیہ یعنی عیوب ونقائص جیسے شریک، ولد، زوجہ، عجز وکذب وجہل وغیرہ شائبہ امکانات کی نفی کردی اور جب ''بِحَمْدِہٖ'' کہا تو گویا اس نے اللہ رب العلمین کو تمام صفات ثبوتیہ اور اسمائے حسنیٰ کا جامع مانا بلکہ صرف اسی ایک لفظ بحمدہ سے اس نے اللہ تعالیٰ کے تمام صفات کمالیہ کو ذکر کردیا کہ حمد تمام صفات ثبوتیہ کو عام ہے۔ فتح الباری میں ہے کہ علامہ کرمانی نے کہا کہ ''تسبیح سے اشارہ ہے صفات جلال کی طرف، اور تحمید سے اشارہ ہے صفات اکرام کی طرف۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ صفات وجودی ہیں جیسے علم وقدرت وغیرہ یہ صفات اکرام ہیں اور کچھ صفات عدمی ہیں جیسے لاشریک لہ، ولامثل لہ، وغیرہ یہ صفات جلال ہیں اور یہ کسی قید سے مقید بھی نہیں اس لئے عموم پر دلالت کرتا ہے اس صورت میں سبحان اللہ وبحمدہ کا معنی یہ ہوگا ''انزھہ عن جمیع النقائص و احمدہ بجمیع الکمالات'' یعنی تمام نقائص سے اس کی تنزیہ کرتا ہوں اور تمام کمالات کے سبب اس کی حمد کرتا ہوں۔ نیز لفظ اللہ کو صفت عظیم کے ساتھ متصف کرنے کی وجہ بھی یہی ہے تا کہ تنزیہ کی عظمت کے ساتھ صفات کمالیہ کی عظمت پر بھی دال ہو اس لئے کہ صفت عظیم نامناسب صفات سے سلب اور مناسب وکمال صفات کے اثبات دونوں کے لئے آتا ہے ۔ بلفظ دیگر صفت عظیم، صفات سلبیہ اور ثبوتیہ دونوں کو عام ہے، قرآن حکیم میں کمال ونقصان دونوں کے لئے وصف عظیم ارشاد ہوا ہے چنانچہ '' وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ، وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ، وَ هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ؕ'' وغیرہا کے ساتھ '' فَنَجَّیْنٰهُ وَ اَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِیْمِ ۚ ذٰلِكَ الْخِزْیُ الْعَظِیْمُ ۝ '' وغیرہا بھی آیا ہے جس کا واضح مطلب ہے کہ عظیم، نقصان وکمال اور سلوب واثباتات دونوں کا وصف بن سکتا ہے پس

جب اسم جلالت لفظ اللہ کے لئے لفظ عظیم بطور وصف مذکور ہوگا تو معنی ہوگا کہ وہ تمام صفات سلبیہ سے منزہ اور تمام صفات کمالیہ کا جامع ہے اور وہ ان دونوں میں عظمت کے اس غیر محدود مقام پر فائز ہے جہاں تک کسی بشر یا ملک مقرب کے تصور کی رسائی نہیں ہوسکتی، پس صفات سلبیہ میں عظمت کاملہ مستلزم ہے اس کے عدم نظیر و عدم مثیل ہونے کو، اور صفات ثبوتیہ میں عظمت کاملہ مستلزم ہے صفات کاملہ جیسے علم وقدرت وغیرہا سے متصف ہونے کو لہذا وہ تمام معلومات کا عالم، اور تمام مقدورات پر قادر ہے اسی طرح تسبیح کو حمد کے ساتھ ذکر فرمانے میں بھی اشارہ ہے کہ وہ نفیاً و اثباتاً تمام کمالات سے متصف ہے، نفیاً اس طور پر کہ وہ کامل طور پر تمام عیوب و نقائص سے منزہ ہے جس کی طرف تسبیح سے اشارہ ہے اور اثباتاً اس طور پر کہ وہ تمام صفات کمالیہ کا جامع اور اسمائے حسنیٰ کا حقیقی مصداق ہے جس کی طرف بحمدہ سے اشارہ ہے۔

تسبیح کو حمد پر مقدم کرنے کی وجہ:۔ یہ تو پہلے معلوم ہوگیا کہ تسبیح تمام عیوب و نقائص سے تبری و تنزیہ پر دلالت کرتی ہے جو بمنزلۂ تخلیہ ہے اور تحمید تمام صفات کمالیہ کے اثبات و اتصاف پر دال ہے جو بمنزلۂ تحلیہ ہے، اور تخلیہ تحلیہ پر مقدم ہوتی ہے۔ بعض عرفاء نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کا پہلا زینہ صفات سلبیہ ہیں مثلاً یہ کہنا کہ اللہ علیم ہے کیوں کہ وہ جہل سے منزہ ہے، اس لئے تسبیح کو مقدم فرمایا، کسی کا عیب سے پاک ہونا اس کو مستلزم نہیں کہ وہ کمالات سے متصف ہو مثلاً ایک شخص بخیل نہیں تو لازم نہیں کہ وہ جواد ہو پس ایسی ذات جو ہر عیب سے پاک بھی ہو اور تمام کمالات کا جامع بھی ہو یقیناً بہت عظیم ہوگی اور اس تصور پر بے ساختہ زبان پر سبحان اللہ جاری ہوجاتا ہے۔ اس لئے سُبۡحَانَ اللّٰہِ بِحَمۡدِہٖ کے بعد سُبۡحَانَ اللّٰہِ الۡعَظِیۡمِ، فرمایا۔ [نزھۃ القاری]

سُبۡحَانَ اللّٰہِ الۡعَظِیۡمِ، پر ختم کرنے کی وجہ: ایک وجہ اوپر بیان ہوئی، دوسری وجہ امام قسطلانی نے

بیان کیا ہے کہ سُبۡحَانَ اللّٰہِ الۡعَظِیۡم، سے اختتام اس لئے فرمایا تا کہ مقام خوف ورجاء دونوں کا اجتماع ہوجائے (اس لئے کہ ایمان خوف ورجاء کے درمیان کا نام ہے) اور خوف ورجاء کا اجتماع اس طرح ہے کہ لفظ رحمٰن کمال انعام واحسان کی طرف راجع ہے اور لفظ عظیم کمال خوف الٰہی وخشیت ربانی کی طرف مشیر ہے۔

تکرار تسبیح کی وجہ: ۔سُبۡحَانَ اللّٰہِ، دوبار ارشاد فرمایا یا تو تاکید کے لئے، یا اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کہ شان کمالات کے بیان سے زیادہ شان تنزیہات کے بیان کرنے کی ضرورت ہے کہ اللہ عزشانہ تعالیٰ کی تنزیہ وتقدیس کے بالمقابل غلط عقائد اور فاسد نظریات رکھنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اس لئے تسبیح جو تنزیہات الٰہیہ پر دلالت کرتی ہے مکرر بیان فرمایا تا کہ کفار ومشرکین، یہود ونصاری، فلاسفہ، معطلہ مجسمہ وغیرہا فرق باطلہ کا خوب رد بلیغ ہوجائے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں بھی مختلف الفاظ وعبارات کے ساتھ، صیغۂ تسبیح سے شان تنزیہ کا بیان ہوا ہے۔لفظ سبحان سے ارشاد ہے ''سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی'' ''سُبۡحَانَ اللّٰہِ عَمَّا یَصِفُوۡنَ'' وغیرہا، صیغۂ سبحانہ سے ارشاد ہے ''ؕ سُبۡحٰنَہٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ﴿۱۸﴾ سُبۡحٰنَہٗ ؕ ہُوَ الۡغَنِیُّ ؕ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ'' وغیرہا۔ سَبِّحۡ فعل امر سے ارشاد ہے ''سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّکَ الۡاَعۡلَی ۙ'' فعل ماضی سے بھی متعدد مقام پر ارشاد ہے '' سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ۚ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ '' وغیرہا اور صیغۂ مضارع سے بھی متعدد جگہ ارشاد ہے '' اَنَّ اللّٰہَ یُسَبِّحُ لَہٗ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ '' یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ '' وغیرہا۔

ان ساری آیات مبارکہ میں باری تعالیٰ کی تنزیہات کا بیان بڑے احسن طریقہ پر ہوا ہے جبکہ تنزیہات کا ادراک عقل سے بھی ہوسکتا ہے برخلاف کمالات کے، کہ عقل کمالات کے ادراک سے قاصر ہے۔

حمد و تسبیح سے متعلق دیگر احادیث (۱) امام دیلمی نے از وہب بن منبہ، حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے انھوں نے بیان کیا کہ جو بندہ بھی ''سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ'' کہتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندہ نے سچ بولا اور میں سبحان ہوں اور میری حمد ہے اگر اس نے سوال کیا تو میں اس کے سوال کے مطابق عطا فرماؤں گا، اور اگر وہ خاموش رہا تو میں اس کی اتنی مغفرت فرماؤں گا جس کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔ [کنزالعمال:۲۰۲۹ /نعم الباری، ج۱۶]

(۲) امام طبرانی نے اپنی تفسیر میں روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ملائکہ کی صلوٰۃ التسبیح ہے ،پس آسمان دنیا کے فرشتے سجدہ میں قیامت تک کہتے رہیں گے " سبحان ذی الملک و الملکوت''اور دوسرے آسمان کے فرشتے حالت قیام میں قیامت تک کہتے رہیں گے ''سبحان ذی العزۃ و الجبروت''اور تیسرے آسمان کے فرشتے حالت قیام میں قیامت کہتے رہیں گے ''سبحان الحی الذی لایموت''[تفسیر الطبری:۶۱۷ /نعم الباری ۱۶]

(۳) صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کہ جو دن میں سو بار ''سبحان اللہ وبِحمدہٖ'' پڑھے تو اس کی تمام خطائیں بخش دیجائیں گی'' وان کانت مثل زبد البحر ''اگرچہ کف دریا یعنی سمندر کے جھاگ کے برابر ہو۔ اس حدیث کے تحت امام قسطلانی نے کہا ہے کہ یہ حدیث اور اس جیسی دوسری حدیثیں سب کنایات ہیں جن سے عرفاً کثرت مراد ہے اور بظاہر حدیث کے اطلاق سے اشارہ ملتا ہے کہ یہ اجر وثواب ہر اس شخص کو حاصل ہوگا جو سو بار ان کلمات مبارکہ کا ورد کرے گا اب خواہ بیک وقت ایکبارگی کہے یا متفرق مجلس میں کہے یا کچھ ابتدائے نہار میں کہے اور کچھ انتہائے نہار میں، ہر طرح جائز ہے ثواب پائیگا لیکن بہر حال افضل یہی ہے کہ اول نہار میں ایکبارگی کہے۔

(۴) صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو صبح وشام کے وقت "سبحان اللہ و بِحمْدِہٖ" سو بار پڑھ لیا کرے تو قیامت کے دن کوئی اس سے بہتر عمل نہ لائے گا سوائے اس کے جو اس طرح یا اس سے زیادہ پڑھا کرے۔ الفاظ حدیث یہ ہیں "لم یاتِ أحَدٌ یو مَ القیمۃِ بِاَفضَلَ مما جاءَ بِہٖ الا احدٌ قالَ مِثْلَ ما قالَ أو زادَ علیہِ"

(۵) حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں تھے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی اس سے عاجز ہے کہ روزانہ ایک ہزار نیکیاں کر لیا کرے، ہمنشینوں میں سے کسی نے عرض کیا کہ کوئی روزانہ ہزار نیکیاں کیسے کر سکتا ہے؟ ارشاد فرمایا ایک سو دفعہ سبحان اللہ پڑھ لیا کرے اس کے لئے ہزار نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کی ہزار خطائیں معاف کی جائیں گی، الفاظ حدیث یہ ہیں "قَالَ یُسَبِّح مائۃَ تَسْبِیْحَۃٍ فَیُکتَبُ لَہٗ الفُ حَسَنۃٍ اَوْ یُحَط عنہ الف خطیئۃٍ" [رواہ مسلم]

(۶) روایت ہے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کون سا کلام افضل ہے؟ فرمایا "مَا اصْطَفَیٰ اللّٰہُ لِمَلائِکَتِہٖ" جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے لئے منتخب فرمایا "سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ [رواہ مسلم]

(۷) ام المومنین حضرت جویریہ (بنت حارث) رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس سے گذرے جب کہ نماز فجر پڑھی، وہ اپنی مسجد (بیت) میں تھیں پھر دوپہر کے بعد واپس ہوئے وہ وہاں ہی بیٹھی تھیں، فرمایا "مَا زِلْتِ عَلیَ الحالِ الَّتِی فَارَقْتُکِ علیھا؟" کیا تم اسی طرح بیٹھی ہو جیسے میں تمھیں چھوڑ کر گیا تھا عرض کیا ہاں تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے تمھارے پیچھے چار کلمے

تین دفعہ پڑھ لئے " لَوْ وُزِنَتْ بِمَا قُلْتِ منذُ الیومِ لَوَزَنَتْھُنَّ " اگر انہیں تمہارے وظیفوں سے تولا جائے جو تم نے سارے دن میں پڑھے تو ان پر بھاری ہوجائیں " سُبحانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ عدَدَ خَلْقِہٖ وَ رِضَا نفسِہٖ وَ زِنَۃَ عَرْشِہٖ وَ مِدَادَ کلِمَاتِہٖ " [رواہ مسلم]

(۸) جامع ترمذی میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جو " سُبحانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَ بِحَمْدِہٖ " پڑھے " غُرِسَتْ لَہٗ نَخْلَۃٌ فِی الجنَّۃِ " اس کے لئے جنت میں درخت بویا جائے گا۔

(۹) جامع ترمذی میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کہ ایسی کوئی صبح نہیں جسے بندے پائیں مگر ایک پکارنے والا پکارتا ہے " سَبِّحُوْا المَلِکَ الْقُدُّوْسَ " پاک بادشاہ کی تسبیح پڑھو۔

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے حضرت مفتی احمد یار خاں نعیمی اشرفی علیہ الرحمہ اپنی شرح مرأۃ المناجیح میں فرماتے ہیں " یعنی ہر صبح کو فرشتہ یہ آواز دیتا ہے کہ اس وقت تسبیح پڑھو یا آج دن بھر پڑھتے رہنا، چونکہ صبح کے وقت ہر مخلوق تسبیح کرتی ہے اس لئے خصوصیت سے انسانوں میں یہ اعلان ہوتا ہے کہ تم اشرف المخلوق ہو دوسری مخلوق سے پیچھے نہ رہو، نیز چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ ندا ہم تک پہنچا دی اس لئے فرشتہ کا پکارنا رائیگاں نہ گیا، لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جب ہم فرشتے کی آواز سنتے ہی نہیں تو اس کے پکارنے سے کیا فائدہ! بادشاہ کے فرمان عوام تک اخبارات، حکام کے ذریعے پہنچا کرتے ہیں، تسبیح کرنے سے مراد یا تو مطلقاً کوئی سی تسبیح پڑھ لینا ہے یا یہ پڑھنا ہے " سبحانَ الملکِ القدوسِ " یا یہ پڑھنا ہے " سُبُّوحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّنَا وَ رَبُّ الملٰئِکَۃِ وَ الرُّوْحِ " یا یہ پڑھنا ہے " سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ سُبحانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ " [مرقات]

(۱۰) بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی، فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ جنہیں قیامت کے دن سب سے پہلے جنت کی طرف بلایا جائے گا وہ ہوں گے جو خوشی اور غمی (ہر دو حالت) میں اللہ کی حمد کرتے ہیں۔

تسبیح وتحمید اور تکبیر وتہلیل کے متعلق احادیث:۔ (۱) صحیح بخاری ومسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ اللہ کے کچھ فرشتے راستوں میں اللہ کا ذکر کرنے والوں کی تلاش میں گھومتے رہتے ہیں پھر جب کسی قوم کو اللہ کا ذکر کرتے پاتے ہیں تو ایک دوسرے کو پکارتے ہیں "هَلُمُّوْا اِلیٰ حاجَتِکُمْ" کہ اپنے مقصد کی طرف آؤ چنانچہ وہ فرشتے ذاکرین کو اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں آسمان دنیا تک ہوجاتے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ان فرشتوں سے ان کا رب پوچھتا ہے حالانکہ وہ علیم وخبیر ہے، کہ میرے وہ بندے کیا کہتے تھے فرشتے کہتے ہیں کہ تیری تسبیح وتکبیر، تیری حمد اور تیری بزرگیاں بیان کررہے تھے رب تعالیٰ فرماتا ہے "هَلْ رَأَوْنی" کیا انھوں نے مجھے دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں نہیں، تیری قسم انہوں نے تجھے کبھی نہیں دیکھا، فرمایا، رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ "کَیفَ لَوْ رَاَوْنِیْ" اگر وہ مجھے دیکھ لیں تو ان کا کیا حال ہو؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اگر وہ تجھے دیکھ لیں تو تیری بہت عبادت کریں اور تیری بہت بڑائی بولیں اور تیری بہت ہی تسبیح کریں، فرمایا، رب تعالیٰ فرماتا ہے وہ مانگتے کیا تھے عرض کرتے ہیں "یَسْئَلُوْنکَ الجنّۃَ" وہ تجھ سے جنت مانگ رہے تھے رب تعالیٰ فرماتا ہے کیا انھوں نے جنت دیکھی ہے عرض کرتے ہیں یارب تیری قسم نہیں دیکھی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے اگر وہ دیکھ لیں تو کیا حال ہو، فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اگر وہ جنت دیکھ لیں "کَانُوْا اَشَدَ حِرْصاً وَ اَشَدَّ لَھا طَلَباً وَ اَعْظَمَ لَھا رَغبَۃً" تو اس کے بہت حریص اور طلبگار اور

اس میں راغب ہوجائیں ۔فرماتا ہے وہ کس چیز سے پناہ مانگ رہے تھے وہ عرض کرتے ہیں آگ سے ،رب تعالیٰ فرماتا ہے کیا انہوں آگ دیکھی ہے،عرض کرتے ہیں یا رب تیری قسم نہیں دیکھی،رب فرماتا ہے اگر وہ لوگ دیکھ لیں تو کیا حال ہو؟ فرشتے عرض کرتے ہیں اگر وہ لوگ دیکھ لیں "کَانوا أشَدَّ منھَا فِرَاراً وَ أشَدَّ مِنهَا مخافَةً" تو اس سے بہت بھاگیں اور اس سے بہت ڈریں ،فرمایا پھر رب تعالیٰ فرماتا ہے " فَاُشْھِدُ کُمْ اَنِّی قد غَفَرْتُ لَھُمْ " میں تمھیں گواہ بناتا ہوں کہ میں ان سب کو بخش دیا،فرمایا کہ ان فرشتوں میں سے ایک عرض کرتا ہے کہ ان میں فلاں آدمی بھی تھا جو ذکر والوں سے نہ تھا وہ تو کسی ضرورت سے آیا تھا،رب تعالیٰ فرماتا ہے "ھُمُ الجلَساءُ لَا یَشْقیٰ جَلِیسُھُمْ" کہ ذاکرین ایسے ہم نشین ہیں کہ ان کے ساتھ بیٹھنے والا بھی محروم نہیں رہتا ہے۔

واضح رہے کہ یہ بخاری کے الفاظ ہیں اور مسلم میں قدرے اختلاف کے ساتھ مروی ہے جو مشکوٰۃ شریف میں اسی مقام پر مذکور ہے۔

(۲) صحیح مسلم شریف میں حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ افضل کلمات چار ہیں " سبحان اللہ ، الحمد للہ ، لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر " اور ایک روایت میں یوں ہے " اَحَبُّ الکلامِ إلیَ اللہِ اربعٌ " اللہ کو پیارے چار کلمات ہیں " سبحان اللہ ، الحمد للہ ، لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر " جس کلمہ سے شروع کرو مضر نہیں۔

اس حدیث کے ضمن میں شارح بخاری امام قسطلانی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد کتاب اللہ کے بعد افضل الذکر ہے اور اس کی افضلیت کا موجب یہ ہے کہ یہ ارشاد پاک ذکر کی تمام قسموں تنزیہہ،تحمید،اور تمجید کو شامل ہے اور تمام مطالب الٰہیہ پر اس کی اجمالاً دلالت ہوجاتی ہے چنانچہ

بالغان معرفت کو اولاً اللہ سبحانہ تعالیٰ کی معرفت، اس کی ان صفات جلال سے ہوتی ہے جن (عیب ونقص) سے وہ ذات منزہ ہے جس کی طرف لفظ سبحان سے اشارہ ہے پھر اس کو صفات اکرام سے اس کی معرفت ہوتی ہے، صفات اکرام صفات ثبوتیہ ہیں جن کی وجہ سے وہ حمد کا مستحق ہے اس قدر حصول معرفت کے بعد بندہ اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ بیشک وہ ذات جس کی یہ شان ہے اس کا کوئی شریک اور مماثل نہیں ہوسکتا اور اس کے سوا کوئی الوہیت کا مستحق نہیں ہوسکتا پس اس وقت اس کے نزدیک یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ بیشک وہی اکبر ہے اس لئے کہ اس کے سوا ہر چیز ہالک ہے۔

(۳) صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کہ میرا "سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر" کہنا مجھے اس سب سے پیارا ہے جس پر سورج طلوع ہوا

(۴) صحیح بخاری ومسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کہ جو ایک دن میں سو بار یہ کہے "لَا اِلٰہَ الا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، لَہٗ المُلکُ وَ لَہٗ الحمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شیءٍ قَدِیرٌ" صرف اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کا ملک ہے، اسی کی سب تعریف ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے' اس کے لئے دس غلام آزاد کرنے کے برابر ہوگا اور اس کے لئے سو نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کے سو گناہ معاف کئے جائیں گے اور اس دن، دن بھر اس کی شیطان سے حفاظت ہوگی حتیٰ کہ شام پالے اور کوئی شخص اس سے بہتر افضل عمل نہ کرسکے گا "الّا رَجُلٌ عَمِلَ اکْثَرَ منہٗ" اس کے سوا جو اس سے زیادہ پڑھ لے۔

(۵) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کہ

موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا تھا کہ اے رب! مجھے وہ چیز سکھا جس سے تجھے یاد کیا کروں اور جس کے ذریعے تجھ سے دعا کیا کروں، رب نے فرمایا اے موسیٰ کہو "لا الٰہ الا اللہ" موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے رب! یہ تو تیرے سارے ہی بندے کہتے ہیں میں تو ایسی خاص چیز چاہتا ہوں جس سے تو مجھے خاص کرے، فرمایا اے موسیٰ! "لَوْ اَنَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعَ وَ عَامِرَهُنَّ غَیْرِیْ وَالْاَرْضِیْنَ السَّبْعَ وُضِعْنَ فِیْ كِفَّةٍ وَ لا اِلٰهَ اِلا اللّٰهُ فِی كِفَّةٍ لَمَالَتْ بِهِنَّ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" اگر ساتوں آسمان اور میرے سوا ان کی آبادی، اور ساتوں زمینیں ایک پلڑے میں رکھ دی جائیں اور لا الٰہ الا اللہ دوسرے پلڑے میں، تو ان سب پر لا الٰہ اِلّا اللہ بھاری ہوگا۔ [مشکوٰۃ]

(۶) حضرت ابو سعید و حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ جو کہتا ہے "لا الٰہ الا اللہ و اللہُ اکبر" تو رب تعالیٰ اس کی تصدیق کرتا ہے فرماتا ہے کہ واقعی میرے سوا کوئی معبود نہیں اور میں بہت بڑا ہوں، اور جب بندہ کہتا ہے "لا إلٰه إلا اللّٰهُ وَحدهٗ لا شریکَ لهٗ" تو رب فرماتا ہے واقعی میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں اکیلا ہوں میرا کوئی شریک نہیں، اور جب بندہ کہتا ہے "لا إلٰه إلا اللّٰهُ لَهُ الملکُ وَ لَهُ الحمدُ" تو رب فرماتا ہے واقعی میرے سوا کوئی معبود نہیں میرا ہی ملک ہے اور میری ہی تعریف ہے، جب بندہ کہتا ہے "لا إلٰه إلا اللّٰهُ وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ إِلَّا بَاللّٰهِ" تو رب تعالیٰ فرماتا ہے واقعی میرے سوا کوئی معبود نہیں میرے بغیر نہ قوت ہے نہ طاقت، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے "مَنْ قَالَهَا فِی مَرْضِهٖ ثُمَّ مَاتَ لَمْ تَطْعَمْهُ النَّارُ" جو یہ کلمات اپنے مرض میں کہے پھر مر جائے تو اسے آگ نہ جلائے گی۔ [ترمذی/ابن ماجہ]

(۷) جامع ترمذی و ابوداؤد میں حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک بی بی کے پاس گئے جن کے سامنے گٹھلیاں یا کنکریاں تھیں جن سے وہ تسبیح پڑھ رہی

لے یا اس سے زیادہ۔

(۹) جامع ترمذی میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ شب معراج میں ہماری ملاقات ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی، انہوں نے فرمایا: یا محمَّدُ أَقْرِئْ أُمَّتَکَ مِنِّی السلامَ وَ اَخْبِرْهُمْ أنَّ الجنَّةَ طَیِّبَةُ التربةِ عَذْبَةُ الماءِ وَ أَنَّها قِیعانٌ وَ اَنَّ غِراسَها سُبحانَ اللهِ وَ الحمدُ لِلّٰهِ وَ لا الٰهَ اِلا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ اکبرُ'' اے محمد ﷺ اپنی امت کو میرا اسلام پہنچا دیں اور انہیں بتا دیں کہ جنت کی زمین بہت زرخیز ہے، وہاں کا پانی بہت شیریں، جنت میں سفید زمین بہت ہے وہاں کے درخت یہ کلمات ہیں سُبحانَ اللهِ وَ الحمدُ لِلّٰهِ وَ لا الٰهَ اِلا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ اکبرُ''

(۱۰) صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فقراء مہاجرین رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو انہوں نے عرض کیا کہ (یا رسول اللہ) مالدار دائمی نعمتیں اور بلند درجات پا گئے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا وہ کیسے؟ انہوں نے عرض کیا جیسے ہم نماز پڑھتے ہیں ویسے وہ نماز پڑھتے ہیں، جیسے ہم روزے رکھتے ہیں ویسے وہ روزے رکھتے ہیں اور وہ صدقہ کرتے ہیں اور ہم صدقہ نہیں کر پاتے، وہ غلام آزاد کرتے ہیں اور ہم غلام نہیں آزاد کر سکتے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اَفَلا اُعَلِّمُکُمْ شَیْئاً تَدرکُوْنَ بِهٖ مَنْ سَبَقَکُمْ وَ تَسْبقُونَ بِهٖ مَنْ بعدَکُمْ وَ لا یکونُ احَدٌ افضَلَ منکُمْ اِلّا مَنْ صَنَعَ مِثْلَ ما صَنَعْتُمْ'' کیا میں تمہیں کوئی ایسی چیز نہ سکھاؤں جس کے ذریعہ تم اپنے سے سبقت کرنے والے کو پالو اور اپنے بعد والوں سے سبقت کر جاؤ اور تم سے صرف وہی (مالدار) شخص بہتر ہوگا جو تمہارے جیسا عمل کرے گا، انہوں نے عرض کیا، اللہ کے رسول! کیوں نہیں؟ (ضرور ارشاد فرمائیں) آپ ﷺ نے فرمایا ''تم ہر نماز کے بعد تینتیس تینتیس بار (سبحان اللہ)، (اللہ اکبر) اور

(الحمدللہ) پڑھ لیا کرو۔ابوصالح (تابعی) کہتے ہیں کہ پھر مہاجر فقراء حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں لوٹے اور عرض کیا ''سَمِعَ إِخوَانُنَا اهلُ الاموالِ بِما فَعَلنَا ففَعَلُوا مِثلَهٗ'' کہ ہمارے اس عمل کو ہمارے مالدار بھائیوں نے سن لیا تو وہ بھی یہی کرنے لگے، تب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ذَالِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ'' یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے۔

نوٹ:۔ یہ صحیح مسلم کے الفاظ ہیں اور صحیح بخاری میں قدرے اختلاف کے ساتھ مروی ہے چنانچہ اس میں قال ابوصالح''نہیں ہے اور نیز تینتیس تینتس بار کے بجائے دس دس بار تسبیح تحمید اور تہلیل کرنے کا ذکر ہے۔

تسبیح وتحمید اور تہلیل وتکبیر کے فضائل کے بیان میں صلوٰۃ التسبیح کے فضائل اور کیفیت کا ذکر کرنا بھی ضروری ہوجاتا ہے کہ کئی شارح بخاری نے صحیح البخاری کی اس آخری حدیث کی شرح میں صلوٰۃ التسبیح کا بھی ذکر کیا ہے چنانچہ انھوں نے کہا ہے کہ سبحان اللہ وبحمدہ ،اللہ تعالیٰ کی ایسی تسبیح وتحمید ہے جو ہر قسم کے اذکار وتسبیحات کو شامل ہے اس لئے یہ حدیث صلوٰۃ التسبیح کو بھی عام ہے اور کیوں نہ ہو کہ اس نماز میں جو ساری برکتیں ہیں وہ سب کلمات تسبیحات کی بدولت ہیں اور یہ انفع للمسلمین ہے۔

صلوٰۃ التسبیح:۔ بہار شریعت میں حضرت صدرالشریعہ فرماتے ہیں۔

اس نماز میں بے انتہا ثواب ہے،بعض محققین فرماتے ہیں اس کی بزرگی سن کر ترک نہ کرے گا مگر دین میں سستی کرنے والا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا''اے چچا! کیا میں تم کو عطا نہ کروں،کیا میں تم کو بخشش نہ کروں ،کیا میں تم کو نہ دوں ،تمہارے ساتھ احسان نہ کروں'' دس خصلتیں ہیں کہ جب تم کروتو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ بخش دے گا ،اگلا پچھلا، پرانا نیا، جو بھول کر کیا اور جو قصدا کیا، چھوٹا اور بڑا، پوشیدہ اور ظاہرہ (اس کے بعد صلوٰۃ التسبیح کی ترکیب تعلیم فرمائی) پھر فرمایا کہ اگر تم

سے ہو سکے کہ ہر روز ایک بار پڑھو تو کرو اور اگر روز نہ کرو تو ہر جمعہ میں ایک بار، اور یہ بھی نہ کرو تو ہر مہینہ میں ایک بار، اور یہ بھی نہ کرو تو عمر میں ایک بار۔

ترکیب صلوٰۃ التسبیح:۔ اس کی ترکیب ہمارے طور پر وہ ہے جو سنن ترمذی شریف میں بروایت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ مذکور ہے، فرماتے ہیں کہ ''اللہ اکبر'' کہہ کر ''سُبۡحَانَکَ اَللّٰھُمَّ وَ بِحَمۡدِکَ وَ تَبَارَکَ اسۡمُکَ وَ تَعَالیٰ جَدُّکَ وَ لَا اِلٰہَ غَیۡرُکَ'' پڑھے، پھر یہ پڑھے ''سُبۡحَانَ اللّٰہِ وَ الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکۡبَرُ'' پندرہ بار، پھر اَعُوۡذُ اور بِسۡمِ اللّٰہ اور اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ اور سورہ پڑھ کر دس بار یہی تسبیح پڑھے، پھر رکوع کرے اور رکوع میں دس بار پڑھے پھر رکوع سے سر اٹھائے اور بعد تسمیع و تحمید دس بار کہے ، پھر سجدہ کو جائے اور اس میں دس مرتبہ پڑھے پھر سر اٹھائے اور جلسہ میں دس بار پڑھے پھر دوسرے سجدے میں تسبیح کے بعد دس بار پڑھے ، یونہی چار رکعت پڑھے ہر رکعت میں ۷۵ بار تسبیح اور چاروں میں تین سو ہوئیں۔ اور رکوع و سجود میں ''سُبۡحَانَ رَبِّیَ الۡعَظِیۡم، سُبۡحَانَ رَبِّیَ الۡاَعۡلٰی'' کہنے کے بعد تسبیحات پڑھے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ کو معلوم ہے کہ اس نماز میں کون سی سورہ پڑھی جائے فرمایا سورۂ تکاثر، والعصر اور قُلۡ یٰاَیُّھَا الۡکَافِرُوۡنَ اور قُلۡ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ، اور بعض نے کہا سورہ حدید و حشر اور سورۂ صف و تغابن۔

مسائل:۔ صلاۃ التسبیح پڑھنے کے دوران اگر سجدۂ سہو واجب ہو اور سجدہ کرے تو ان دونوں میں تسبیحات نہ پڑھی جائیں، اور اگر کسی جگہ بھول کر دس بار سے کم پڑھی ہیں تو دوسری جگہ پڑھ لے کہ وہ مقدار پوری ہو جائے اور بہتر یہ ہے کہ اس کے بعد جو دوسرا موقع تسبیح کا آئے وہیں پڑھ لے مثلاً قومہ کی سجدہ میں کہے اور

رکوع میں بھولا تو اسے بھی سجدہ ہی میں کہے، نہ قومہ میں کہ قومہ کی مقدار تھوڑی ہوتی ہے، اور پہلے سجدہ میں بھولا تو دوسرے سجدہ میں کہے جلسہ میں نہیں۔ تسبیح انگلیوں میں نہ گنے، بلکہ ہو سکے تو دل میں شمار کرے ورنہ انگلیاں دبا کر۔ ہر وقت غیر مکروہ میں یہ نماز پڑھ سکتا ہے اور بہتر یہ ہے کہ ظہر سے پہلے پڑھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس نماز میں سلام سے پہلے یہ دعا پڑھے

”اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ تَوْفِیْقَ اَھْلِ الْھُدیٰ وَ اَعْمَالَ اَھْلِ الْیَقِیْنِ وَ مُنَاصَحَۃَ اَھْلِ التَّوْبَۃِ وَ عَزْمَ اَھْلِ الصَّبْرِ وَ جِدَّ اَھْلِ الخَشِیَۃِ وَ طَلَبَ اَھْلِ الرَّغْبَۃِ وَ تَعَبُّدَ اَھْلِ الْوَرَعِ وَ عِرْفَانَ اَھْلِ الْعِلْم حَتّیٰ اَخَافَکَ، اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مَخَافَۃً تَحْجُزُنِیْ عَنْ مَعَاصِیْکَ حَتّیٰ اَعْمَلَ بِطَاعَتِکَ عَمَلاً اَسْتَحِقُّ بِہٖ رِضَاکَ وَ حَتّیٰ اُنَاصِحَکَ بِالتَّوْبَۃِ خَوْفاً مِنْکَ وَ حَتّٰی اُخْلِصَ لَکَ النَّصِیْحَۃَ حُبّاً لَکَ وَ حَتّیٰ اَتَوَکَّلَ عَلَیْکَ فِیْ الْاُمُوْرِ حُسْنَ ظَنٍّ بِکَ سُبْحَانَ خَالِقِ النُّوْرِ“

ترجمہ:۔ یعنی اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ہدایت والوں کی توفیق اور یقین والوں کے اعمال، اہل توبہ کی خیر خواہی، صابرین کے عزم، خوف والوں کی کوشش، رغبت والوں کی طلب، پرہیزگاروں کی عبادت، اہل علم کی معرفت کا تاکہ میں تجھ سے ڈروں، اے اللہ بیشک میں تجھ سے ایسے خوف کا سوال کا کرتا ہوں جو مجھے تیری نافرمانی سے روکے تاکہ میں تیری طاعت کے ساتھ ایسا عمل کروں جس کی وجہ سے تیری رضا کا مستحق بنوں اور تاکہ تیرے خوف سے خالص توبہ کروں اور تاکہ تیری محبت کی وجہ سے، خیر خواہی کو تیرے لئے خالص کروں اور تاکہ تمام امور میں تجھ پر توکل کروں تجھ پر نیک گمان کرتے ہوئے پاک ہے نور کا پیدا کرنے والا۔

تسبیح وتہلیل کی احادیث کا موازنہ:۔ حضرات شارحین صحیح البخاری کی متابعت میں میں نے بھی تسبیح وتحمید اور تہلیل وتکبیر کے فضائل و برکات سے متعلق دونوں نوع کی دس دس حدیثیں ذکر کردی ہے تاکہ قارئین استفادہ کریں، لیکن ان کے پڑھنے کے بعد قارئین کے ذہن پر ایک سوال ابھرتا ہے کہ آخر تسبیح وتہلیل یعنی ''سبحان اللّٰہ و بحمدہٖ اور لا إلٰہَ الا اللّٰہ'' دونوں کلمات مبارکہ میں افضل کون ہے؟ علامہ سعیدی نے اپنی شرح نعم الباری شرح البخاری میں دونوں حدیثوں کے درمیان موازنہ پیش کیا ہے، انھیں کی شرح سے میں نقل کرنے کی سعادت حاصل کررہاہوں۔

''صحیح البخاری: ۶۴۰۳ میں مذکور ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے ایک دن میں سومرتبہ کہا ''لا إلٰہَ إلا اللّٰہ وَحْدہٗ لَا شرِیکَ لَہٗ، لَہُ الملکُ وَلَہُ الحمْدُ وَھوَ علیٰ کُلِّ شیٍٔ قَدِیرٌ'' تو یہ اس کے لئے دس غلام آزاد کرنے کے برابر ہے، اس کے لئے سونیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کے سوگناہ مٹادیئے جائیں گے اور وہ شخص اس دن شام تک شیطان سے حفاظت میں رہے گا۔ (الحدیث)

اور صحیح البخاری: ۶۴۰۵ میں مذکور ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے ایک دن میں سومرتبہ ''سُبحانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ'' کہا اس کے تمام گناہ مٹادیئے جائیں گے خواہ وہ سمندر کے جھاگ کے مثل ہوں۔ بظاہر اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تسبیح پڑھنے کا ثواب ''لَا إلٰہَ إلاّ اللّٰہ'' پڑھنے سے زیادہ ہے کیوں کہ سمندر کے جھاگ کا عدد سونیکیوں سے کئی گنا زیادہ ہے لیکن ''لَا إلٰہَ إلاّ اللّٰہ'' پڑھنے کے متعلق حدیث میں ہے کہ جس نے ایک دن میں سومرتبہ یہ پڑھا تو یہ اس کے مثل ہے جس نے دس غلام آزاد کئے اور غلام آزاد کرنے کا ثواب بہت بڑا ہے، حدیث میں ہے جس نے اللہ کے لئے غلام کو آزاد کیا تو اس غلام کے ہر عضو کے بدلہ میں اس شخص کے عضو کو دوزخ سے آزاد کردیا

جائے گا۔ اور اس کے اندر یہ بھی ہے اس کے سو درجے بڑھا دیئے جائیں گے۔

اور اس کی تائید دوسری حدیث سے ہوتی ہے کہ افضل الذکر "لَا إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰه" پڑھنا ہے اور یہ اس لئے افضل ہے کہ آپ سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام نے "لَا إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰه" پڑھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اللہ کا اسم اعظم ہے اور اس سے پہلے تسبیح کی شرح میں یہ گذر چکا ہے کہ تسبیح پڑھنے سے، ان چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ کی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے شان کے لائق نہیں، اور یہ "لا إلٰهَ إلا اللّٰه وَحْدَهٗ لَا شَرِيكَ لَهٗ، لَهُ الملكُ وَلَهُ الحمدُ وَهوَ علىٰ كُلِّ شيءٍ قَديرٌ" کے ضمن میں داخل ہے۔

نیز امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن حبان اور حاکم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ سب سے افضل ذکر "لَا إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰه" پڑھنا ہے۔ بظاہر اس کے معارض یہ حدیث ہے جو کہ امام مسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے بتایئے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ کلام کون سا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ کلام "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ" ہے اور ایک روایت میں ہے آپ سے سوال کیا گیا کہ کون سا کلام سب سے افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا: وہ کلام سب سے پسندیدہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ملٰئکہ کے لئے پسند فرمایا اور وہ کلام ہے "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ"۔ اور یہ بھی ممکن ہے "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ" ان چار کلمات کا اختصار ہو اور وہ یہ ہیں "سُبْحَانَ اللّٰهِ والحمدُ للّٰهِ وَلَا إلٰهَ إلا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أكْبَرُ" سُبْحَانَ اللّٰهِ، میں ان چیزوں سے تنزیہہ ہے جو اللہ عزوجل کے شان کے لائق نہیں ہیں اور اس کی صفات کی، نقائص سے تقدیس ہے تو اس میں لَا إلٰهَ إلا اللّٰه "کا معنی مندرج ہو جاتا ہے اور بِحَمْدِهٖ "الحمد للّٰه" کے معنی میں صریح ہے اور یہ اللّٰهُ أكْبَرُ، کے معنی کو شامل ہے۔

اس تمام بحث کے باوجود یہ لازم نہیں آتا کہ " سُبحَانَ اللّٰہ" کہنا "لَا اِلٰہَ اِلا اللہ" کہنے سے افضل ہے۔کیوں کہ "لَا اِلٰہَ اِلا اللہ" میں توحید کی تصریح ہے اور تسبیح ،توحید کو متضمن ہے۔امام مسلم نے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ کلام چار ہیں،تم ان میں سے جس سے بھی ابتداء کروگے تو اس میں ضرر نہیں ہے " سُبحَانَ اللّٰہِ والحمدُ للّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلا اللہُ وَ اللہُ اَکبرُ" کیوں کہ ان تمام کلمات کا حاصل اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور تنزیہہ ہے اور جس نے اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ کی اس نے اس کی تعظیم کی اور جس نے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی ،اس نے اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ کی اس لئے علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ جب ان اذکار کے متعلق مطلقا کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ سب سے زیادہ محبوب اذکار ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ اذکار اور ان کی مثل جو دوسرے اذکار ہیں سب محبوب ہیں۔

علامہ نووی نے کہا ہے کہ حدیث میں وارد ہے "افضلُ الذکرِ لاالٰہَ الا اللہ" اس سے مراد ہے جب بندہ ذکر کرے تو سب سے افضل ذکر لَا اِلٰہَ اِلا اللہُ ہے ورنہ مطلقا قرآن افضل الذکر ہے۔اور علامہ بیضاوی نے کہا کہ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ کلام سے مراد کلام بشر ہے کیوں کہ " سُبحَانَ اللّٰہِ والحمدُ للّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلا اللہُ وَ اللہُ اَکبرُ" میں پہلے تین کا ذکر تو قرآن مجید میں ہے اور چوتھے کا ذکر یعنی اللہُ اَکبر قرآن مجید میں نہیں ہے اور جو قرآن مجید میں نہ ہو وہ اس سے افضل نہیں ہوگا جو قرآن مجید میں ہے۔امام طبری نے عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب مرد نے کہا لَا اِلٰہَ اِلا اللہ" تو یہ کلمۃ الاخلاص ہے جس کے بغیر اللہ تعالیٰ کسی عمل کو قبول نہیں فرماتا اور جب اس نے کہا "الحمدُ للّٰہ" تو یہ کلمۃ الشکر ہے اور بندہ اس وقت تک اللہ تعالیٰ کا شکر گذار نہیں ہوتا جب تک کہ "الحمدُ للّٰہ" نہ کہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جس نے کہا "لَا اِلٰہَ اِلا اللہ" اسے چاہئے کہ اس کے بعد "الحمدُ

للہ" بھی کہے۔ امام نسائی نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے میرے رب مجھے ایسی چیز کی تعلیم فرما جس سے میں تجھے یاد کروں الخ۔ (یہ حدیث پاک پہلے گذر چکی ہے)

اس حدیث میں ہے کہ اگر سات آسمانوں کو اور جو کچھ ان میں ہے اور سات زمینوں کو ایک پلڑے میں رکھا جائے اور "لَا إِلٰهَ إِلا اللہ" کو دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو راجح ہوگا جس میں "لَا إِلٰهَ إِلا اللہ" ہے۔ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ "لَا إِلٰهَ إِلا اللہ" سے ذکر کرنا "الحمد للہ" سے ذکر کرنے پر راجح ہے۔ اور اس کے معارض حضرت ابو مالک رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "الحمد للہ" میزان کو بھر لیتی ہے، کیوں کہ بھرنا مساوات پر دلالت کرتا ہے اور راجح ہونا زیادہ ہونے میں صریح ہے پس "لَا إِلٰهَ إِلا اللہ" کا ذکر اولیٰ ہے۔ [نعم الباری، ص ۱۰۱۷، ۱۰۱۸ / ج ۱۶۔ فتح الباری، ج ۷، ص ۴۵۱، ۴۵۲۔ ج ۸، ص ۶۴۸، ۶۴۹]

حدیث "سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ" کو سب سے آخر میں ذکر کرنے کی توجیہات

(۱) اگر مجلس کے آخر میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح کی جاتی ہے تو اس مجلس میں صادر ہوئے گناہ کا وہ تسبیح کفارہ ہو جاتی ہے پس امام بخاری نے بھی سب سے آخر میں اس حدیث کی روایت کی کہ اگر صحیح البخاری کی تصنیف میں ان سے کوئی فروگذاشت ہوگئی ہو تو یہ حدیث اس کا کفارہ ہو جائے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے، امام ابوداؤد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں "چند کلمات ایسے ہیں کہ جو شخص بھی اپنی مجلس سے اٹھتے وقت ان کلمات کو تین مرتبہ پڑھے گا تو وہ کلمات اس کے گناہوں

کا کفارہ ہو جائیں گے اور جو شخص کسی نیک مجلس میں یا ذکر کی مجلس میں ان کلمات کو پڑھے گا تو ان کلمات سے اس کی مجلس پر مہر لگا دی جائے گی جیسا کہ صحیفہ کو ختم کر کے مہر لگائی جاتی ہے، وہ کلمات یہ ہیں "سُبْحَانکَ اَللّٰھُمَّ وَ بِحَمْدِکَ لَا اِلٰہَ اِلا اَنْتَ، اَسْتَغْفِرُکَ وَ اَتُوبُ اِلَیْکَ"۔

نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی حدیث کے مثل روایت کی ہے [سنن ابو داوٗد/ جامع ترمذی]، حضرت ابو برزہ الاسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب آخر میں کسی مجلس سے اٹھنے کا ارادہ فرماتے تو آپ پڑھتے "سُبْحَانکَ اَللّٰھُمَّ وَ بِحَمْدِکَ اَشْھَداَن لَا اِلٰہَ اِلا اَنْتَ، اَسْتَغْفِرُکَ وَ اَتُوبُ اِلَیْکَ" ایک مرد نے پوچھا: یارسول اللہ! آپ جو یہ کلمات پڑھ رہے ہیں اس سے پہلے نہیں پڑھتے تھے، آپ نے فرمایا کہ مجلس میں جو گناہ ہو جائے یہ کلمات ان کا کفارہ ہیں۔ [سنن ابو داوٗد]

(۲) امام بخاری نے اپنی کتاب صحیح البخاری میں پہلی حدیث روایت کی ہے "اِنَّما الْاَعمالُ بِالنِّیاتِ" اس روایت میں امام بخاری نے ادب کو ملحوظ رکھا کہ انہوں نے کمال اخلاص کے ساتھ اس کتاب کی تصنیف فرمائی ہے اور آخری حدیث روایت کی ہے "سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ" تاکہ اخیر میں دل سے پچھلے خیالات نکل جائیں اور آخرت کی طرف بالکلیہ متوجہ ہو جائے۔

(۳) پہلے گذر چکا ہے کہ حدیث "اِنَّما الْاَعمالُ بِالنِّیاتِ" باعتبار سند غریب ہے اور اتفاق ہے کہ یہ آخری حدیث "سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ" بھی باعتبار سند غریب ہے، اس سے امام بخاری نے اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے "بَدَأَ الاِسلامُ غَرِیباً وَ سیَعُودُ فِی الْغُرباء" (سعیدی) یہ تیسری وجہ جو مذکور ہوئی، حضرت مولانا غلام رسول سعیدی صاحب کا اپنا استخراج ہے لیکن ناچیز اشرفی مصباحی کا اپنا خیال یہ ہے کہ اول و آخر دونوں حدیثوں کو باعتبار سند غریب ہی اس لئے لایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ

احکام و مسائل اور فضائل و کرامات، دونوں باب میں احادیث غریبہ سے استدلال صحیح اور درست ہے چونکہ اول حدیث میں احکام نیت کا بیان ہے جبکہ آخری حدیث میں تسبیح وتحمید کے فضائل و برکات کا بیان ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف فضائل ہی نہیں بلکہ مسائل اور امور آخرت کا ثبوت بھی حدیث غریب سے ہوسکتا ہے۔ چنانچہ اس حدیث سے میزان اور وزن اعمال کے ثبوت پر اہلسنت کا اتفاق ہے۔

(۴) حدیث ''اِنَّما الْاَعمالُ بِالنِّیاتِ'' کا تعلق دنیا میں عمل کرنے کے ساتھ ہے اور اعمال کا وزن کیا جانا قیامت کے ساتھ خاص ہے اور یہ ظاہر و مشاہدہ ہے کہ دنیا آخرت پر مقدم ہے اس لئے جس حدیث کا تعلق دنیا میں عمل کے ساتھ تھا اس کے ساتھ اپنی کتاب صحیح البخاری کی ابتدا کی اور جس حدیث کا تعلق آخرت سے متعلق تھا اس پر صحیح البخاری کا اختتام کیا کیوں کہ دنیا آخرت پر مقدم ہے۔ فتح الباری لابن حجر، میں ہے ''فَبدأَبِحَدِیثِ الاعمال بالنیاتِ وَ ذَالِکَ فِی الدنیا وَ خَتَمَ باَنَّ الاعمالَ توزَنُ یومَ القیمۃِ وَ اشارَ الیٰ انہٗ انما یَثقل منھاما کانَ بالنیۃ الخالصۃِ للہِ تعالیٰ''

(۵) شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق امجدی قدس سرہ نے بیان کیا۔

''تسبیح اور حمد پر اختتام مشروع ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ اہل جنت کا اخیر کلام تسبیح اور حمد ہے ،فرمایا'' دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَ اٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ؑ ۝١ '' جنت میں ان کی دعا '' سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ ، ہوگی '' اور ملاقات کے وقت پہلا کلام تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ' سلام ہوگا اور ان کی اخیر دعا '' اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ '' ہوگی۔

اسی کے مطابق حضرت امام بخاری نے اپنی کتاب کو تسبیح اور حمد پر ختم فرمائی، مگر اس میں بھی اپنی محدثانہ یکتائی کا جلوہ دکھایا، حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کمال ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب کو اللہ کی

حمد اور تسبیح پر تمام فرمایا مگر اپنی طرف سے صیغۂ حمد نہیں لکھا بلکہ افضل الحامدین صلیؔ اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جو حمد کا صیغہ صادر ہوا اس پر کتاب کو تام کیا، حدیث کی روایت بھی ہوگئی اور حمد بھی ہوگئی۔ ذالِک مِسکُ الخِتام" [نزھۃ القاری]

ایسا ہی ارشاد الساری وفتح الباری میں بھی ہے واللفظ للفتح "والتسبیح مشروع فی الختام فلذالک ختمَ به کتاب التوحید، والحمد للہ بعد التسبیح آخر دعوی اهل الجنة قالَ اللّٰہُ تعالیٰ "دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰"

[ص ۵۵۴/ج ۱۳]

آیت تحیت کا معنیٰ: ۔آیت متلوہ کا معنی بیان کرتے ہوئے حضرت امام قسطلانی نے کہا ہے کہ "قاضی نے کہا ہے کہ میرے خیال میں معنی یہ ہے کہ جب جنتی جنت میں داخل ہونگے تو وہ اللہ رب العٰلمین کی مجد وبزرگی بیان کریں گے اور اس کی صفات جلال سے اس کی نعت وثنا بیان کریں گے پھر فرشتے انہیں آخرت کی تمام قسموں کی آفات سے سلامتی، اور جنت کی قسم قسم کی نعمت وکرامات کے حصول پر مبارکبادیاں پیش کریں گے تو اس وقت جنتی اللہ رب العٰلمین کی اس کی صفات اکرام سے حمد وثنا کریں گے۔ فتوح الغیب میں فرمایا کہ آیت میں جو سلام ہے ظاہر یہ ہے کہ اس کی نسبت اللہ رب العٰلمین کی طرف ہے معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جنتیوں کو ان کی عزت افزائی کے لئے سلام فرمائے گا اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے جو سورہ یٰسین میں ہے "سَلٰمٌ ۟ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ۝۵۸" یعنی اللہ تعالیٰ اہل جنت کی انتہائی عظمت و کرامت کے اظہار کے لئے انہیں بلا واسطہ سلام فرمائے گا اور یہی جنتیوں کی تمنا ہوگی، اور اس میں دلیل ہے کہ اہل جنت کو دخول جنت کے بعد تین قسم کی کرامتوں سے نوازا جائے گا، اول: تو یہی جو "سَلٰمٌ ۟ قَوْلًا

مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ ‘‘ میں بشارت ہے۔دوم: وہ جو مشاہدۂ جمال الٰہی کے وقت اہل جنت کہیں گے اور وہ ان کا ’’سُبْحٰنَكَ اللّٰھُمَّ ‘‘ کہنا ہے۔پس وراءحجابِ جلال سے نور جمال کا ظہور وسطوع ہوگا اور اس مقام میں لفظ ’’سُبْحٰنَكَ ‘‘ کے ساتھ لفظ ’’اَللّٰھُمَّ ‘‘ کا کیا ہی عظیم الشان اقتران ہے گویا اہل جنت جب ان انوار کی شعاعوں کا دیدار کریں گے تو اپنی آوازوں کو بلند کرنے سے روک نہ پائیں گے بلکہ بے اختیار بآواز بلند کہیں گے ’’سُبْحٰنَكَ اللّٰھُمَّ ‘‘سوم: اہل جنت کی تیسری اور آخری کرامت جو اول ودوم سابقہ دونوں سے اجل ہوگی وہ نعمت رویت پروردگار ہوگی اسی لئے رویت الٰہی کی نعمت سے مشرف اور سرفراز ہونے کے وقت اہل جنت اپنی دعاء کا اختتام اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ‘‘ پر کریں گے کہ یہ اس نعمت عظمیٰ کے سامنے آخرت کی ساری نعمتیں ہیچ ہوں گی۔غرض کہ پہلی دونوں کرامتیں،تیسری کی تمہید ہیں اور جو تاویل میں نے بیان کیا اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو ابن ماجہ میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ’’جس اثناء میں کہ اہل جنت،جنت کی نعمتوں میں ہوں گے کہ اچانک ان کے لئے نور الٰہی ظاہر ہوگا،جنتی اپنے سروں کو اٹھائیں گے تو دیکھیں گے کہ ان کا رب سبحانہ تعالیٰ،ان کے اوپر جلوہ افروز ہے ’’فَقَالَ :اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْجَنَّةِ ‘‘پھر ارشاد فرمائے گا اے جنتیو! تم پر سلام ہو،حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اور وہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ’’سَلٰمٌ ۣ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ ‘‘ ہے پس اللہ رب العٰلمین اہل جنت کی طرف نظر فرمائے گا اور جنتی رب تعالیٰ کا دیدار پر انوار کر رہے ہوں گے اور وہ دیدار الٰہی میں ایسا محو ہوں گے کہ جنت کی کسی نعمت کی طرف ان کی بالکل توجہ نہ ہوگی‘‘

[ارشاد الساری،ص ۴۸۸ / ج۔۱۰]

منارالقاری سے حدیث کا خلاصہ:۔ منارالقاری شرح صحیح البخاری میں اس حدیث پاک سے متعلق بہت سی مفید معلومات ہیں، ذیل میں ہم اس سے کچھ مفید معلومات قلمبند کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔" یہ حدیث پاک نہایت ہی جلیل الشان ہے، اس میں حضور اقدس ﷺ نے ذکر الٰہی کے عمومی اور خصوصا تسبیح کے فضائل وبرکات کو بیان فرمایا ہے۔

فوائد ذکر:۔ ابن القیم نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں سو سے زیادہ فائدے ہیں، ان فوائد میں سے یہ ہے* کہ اس سے رحمٰن راضی ہوتا ہے اور شیطان دور بھاگتا ہے۔* غم وہم دور ہوتا ہے* سرور قلب حاصل ہوتا ہے* قلب وقالب میں طاقت وقوت پیدا ہوتی ہے۔* چہرہ منور اور قلب پر نور ہوتا ہے* رزق کا حصول اور اس میں اضافہ ہوتا ہے* ذاکر بارعب اور باوقار معلوم ہوتا ہے* زبان میں شیرنی اور ایمان کی حلاوت پاتا ہے* حب الٰہی سے سرشار اور معرفت خداوندی سے لبریز ہوتا ہے* اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے* مردہ قلب میں حیات نو پیدا ہوتی ہے* خطاؤں کو مٹاتا ہے* درجات کو بلند کرتا ہے* ذکر اُنس پیدا کرتا ہے* ذکر کے ملائکہ اور سکینہ کا نزول ہوتا ہے* رحمت الٰہی اور ملائکۂ رحمت ذاکرین کو ڈھانپ لیتے ہیں* ذکر کرنے والے اور اس کے ہمنشیں سب سعید اور نیک بخت ہوجاتے ہیں* ذکر پر مداومت کرنے والے روز قیامت، حسرت ومایوسی سے محفوظ ومامون ہوں گے* ذکر تمام عبادتوں میں سہل تر ہے* ذکر سے جنت میں اس کے نام کا درخت لگا دیا جاتا ہے* ذکر ذاکر کے لئے دنیا میں قبر میں اور آخرت میں نور ہوگا * نیز انہوں نے کہا ہے کہ* ذکر ولایت کی جڑ اور طریق ولایت کی اصل ہے* جس کی زبان ذکر الٰہی میں رطب اللسان رہتی ہے وہ اللہ کی مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے مکرم سمجھا جاتا ہے* (ذاکرین کا ذکر خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر وہ تنہائی میں ذکر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کا ذکر ویسے ہی فرماتا ہے اور اگر مجمع

میں ذکر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا ذکر اس سے بہتر مجلس میں کرتا ہے* ذکر کے مجالس، مجالس ملائکہ کی طرح ہیں* ذکر کے مجالس ریاض الجنہ ہیں* ذکر طاعت الٰہی پر معاون و مددگار ہوتا ہے* افضل الذکر تلاوت قرآن حکیم ہے پھر تہلیل وتکبیر اور تسبیح وتحمید کے الفاظ سے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرنا* اور ان سب سے قربت الٰہی کا حصول ہوتا ہے۔اور یہ اذکار روز قیامت ذاکرین کے میزان عمل میں رکھے جائیں گے جن کے سبب ان کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوجائے گا جیسا کہ حدیث باب سے واضح ہے۔

فقہُ الحدیث:۔ اس حدیث پاک سے بہت سے مسائل متفرع ہوتے ہیں۔

(۱) اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ تسبیح وتحمید افضل اذکار ہےاور وہ اللہ کو محبوب ہیں اس لئے قول ''سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْم'' کے ذکر پر مداومت کرنا مستحب ہے اس لئے کہ ذکر بندۂ مومن کو حبِّ الٰہی کے مقام تک پہنچا دیتا ہے اور اس کے سبب اس کا میزان عمل قیامت کے دن ثقیل ہوگا اس طرح کہ اس کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوجائے گا۔(۲) یہ ذکر مبارک، اسماء حسنیٰ وصفات اِلٰہیہ کی توحید کو متضمن ہے ایسے احسن اور شرعی طریقے پر جو بندوں سے مطلوب ہے۔کیوں کہ بندہ جب ''بِحَمْدِہٖ'' کہتا ہے تو وہ اللہ رب العٰلمین کے لئے ان تمام صفات کمالیہ کا اقرار واثبات کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حق میں فرمایا اور وہ صفات بھی جن کو ان کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔اور بندۂ مومن کا ''سُبْحَانَ اللّٰہِ'' کہنا مخلوقات کی مشابہت سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ کا بیان ہے، کہ صفات الٰہیہ کی توحید، اور بغیر تشبیہ کے اس کے لئے صفات کے اثبات اور بغیر تعطیل تنزیہہ الٰہیہ کا یہی معنیٰ ہے۔چنانچہ اہلسنت وجماعت کا یہی مذہب ہے کہ اللہ عز شانہ تعالیٰ اپنے صفات کمالیہ میں یکتا اور تشبیہ وتعطیل کے نقص سے منزہ ہے (۳) اس حدیث پاک سے تیسرا اہم ترین مسئلہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ وزن ومیزان دونوں برحق ہیں اور ان کا حقائق سے تعلق

ہے اور یہ کہ بنی آدم کے اقوال و افعال بروز قیامت تولے جائیں گے،حسنات کے پلڑے سیئات کے پلڑے سے بھاری ہوں گے یہی جمہور اہلسنت و جماعت کا مذہب ہے کہ وزن بھی حقیقی ہے اور میزان بھی حقیقی ہے انہیں باتوں کے اثبات کے لئے حضرت امام بخاری نے ترجمۃ الباب ہی میں فرمایا" بابُ قول اللہِ تعالیٰ (وَ نَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ) وَاَنَّ اعمالَ بَنی آدمَ وَ اقوالَھُمْ تُوزَنُ" اوراحادیث صحیحہ سے بھی یہی ثابت ہے،قرطبی نے کہا کہ میزان میں دو پلڑے اور ایک زبان ہوگی (جسے پکڑ کر تولا جاتا ہے) اور میزان کا ہر پلڑا اتنا بڑا ہوگا کہ ساتوں آسمان اور زمین اس میں سما جائیں ۔(تفصیل گذر چکی ہے) پس اگر میزان کو برخلاف حقیقت،عدل و انصاف کے معنیٰ پر محمول کیا جائے جیسا کہ معتزلہ وغیرہ فرق ضالہ نے محمول کیا ہے تب تو لازم آئے گا کہ اسی طرح صراط (پلصراط) کو بھی دین حق پر محمول کرلیا جائے اور اسی طرح جنت و دوزخ کو بھی ارواح مجرد عن الجسم پر محمول کیا جائے اور کہا جائے کہ بغیر جسم کے صرف ارواح پر فرح وسرور یا ہمّ وغم طاری ہوگا اسی کا نام جنت وجہنم ہے،اور جیسے یہ کہا جائے کہ قرآن واحادیث میں جہاں شیاطین وجنّ کا لفظ آیا ہے ان سے اَخلاق ذمیمہ مراد ہیں وغیرہ ،لہذا یہ سب تاویلات فاسدہ باطلہ ہیں ورنہ امور آخرت خواب وخیال ہوجائیں گے۔جبکہ صادق مصدوق نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو روایات اس باب کی مروی ہیں ان میں سب بہت واضح طور پر ناطق ہیں کہ وزن ومیزان مبنی بر حقیقت ہیں روز قیامت محسوس ومبصر ہوں گے بلکہ اس دنیا میں بھی حضرت داؤد علیہ السلام کو دکھا گیا اس کی عظمت وہیبت اور وسعت دیکھ کر آپ پر غشی طاری ہوگئی۔

حنبل بن اسحاق نے کہا ہے کہ جس نے میزان کا انکار کیا تو تحقیق اس نے اللہ ورسول کے قول کو رد کردیا۔شارح الطحاویہ نے کہا کہ یہ بات سنت سے ثابت ہے کہ میزان عمل کے دونوں پلے محسوس ومبصر

ہوں گے اور امام بغوی نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ میزان نصب فرمائے گا جس میں ایک لسان اور دو کف ہوں گے ہر پلڑا کی وسعت کی مقدار اتنی ہوگی جتنی مشرق و مغرب کے درمیان ہے۔ ابن مردویہ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ اللہ نے میزان کے دو کف (پلڑے) آسمانوں اور زمین کی طرح پیدا فرمایا ہے پس فرشتوں نے عرض کیا اے ہمارے رب اسے کون بھر سکے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں اس کو بھر دوں گا جس کے لئے چاہوں گا۔ نفراوی نے کہا ہے کہ میزان کے متعلق روایات حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں اور اسی پر اہل حق کا اجماع ہے اور اس پر بھی کہ میزان حسی ہوگا جس میں دو پلڑے اور ایک لسان (مُٹھ) ہوگی۔

شیٔ موزون:۔ اس بارے میں بھی اہل علم کا اختلاف ہے کہ میزان میں وزن کس چیز کا ہوگا، اس میں تین طرح کے اقوال ہیں۔

(۱) یہ کہ خود عامل کو اس کے عمل کے ساتھ وزن کیا جائے گا اس قول کی تائید بخاری کی روایت جناح بعوضہ (مچھر کا پر) والی حدیث سے ہوتی ہے اس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔ (۲) اعمال کے صحیفے تولے جائیں گے، علامہ آلوسی نے حضرت قاضی عیاض سے نقل کیا ہے کہ یہی جمہور کا قول ہے شاید ان کی مراد یہ ہے کہ یہ اکثر اہل علم کا قول ہے۔ اس قول کی تائید حدیث بطاقہ سے ہوتی ہے، اس کی بھی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔ (۳) اس باب میں تیسرا قول یہ ہے نفس اعمال تولے جائیں گے یہی علمائے محققین کا مذہب ہے، ان کا کہنا ہے کہ اعمال اگرچہ اعراض ہیں لیکن آخرت میں وہ اجسام کی طرح ہوں گے جنہیں تولا جائے گا اس قول کے قائلین میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں چنانچہ آپ نے فرمایا

ہے کہ اعمال صالحہ کو حسین صورت میں پیش کیا جائے گا اور اعمال سیئہ کو بدشکل میں پیش کر کے میزان عمل میں رکھائے گا، یہ قول حق وصحیح ہے حافظ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ابن تیمیہ نے بھی ''العقیدۃ الواسطیۃ'' میں یہی کہا ہے کہ موازین نصب کئے جائیں گے اور بندوں کے اعمال تولے جائیں گے اور ''شرح الطحاویۃ'' میں کہا ہے کہ نفس اعمال کے تولے جانے کے سلسلہ میں بہت احادیث وارد ہیں جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''الطهورُ شطر الایمانِ، والحمدُ لِلّٰہِ تملأُ المیزانَ'' یعنی پاکی آدھا ایمان ہے اور الحمدُ لِلّٰہِ میزان کو بھر دیتا ہے، خود حضرت امام بخاری کی تخریج کردہ یہ آخری حدیث ''سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ سُبحَانَ اللّٰہِ العَظِیْمِ'' الخ میں ارشاد کریم ''ثَقِیلَتَانِ فِی المیزَانِ'' نص صریح ہے کہ نفس اعمال ہی وزن کئے جائیں گے اس لئے کہ اس میں ارشاد ہے کہ الحمدُ لِلّٰہِ میزان کو بھر دیتا ہے اور ''سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ سُبحَانَ اللّٰہِ العَظِیْم'' سے میزان بھاری ہوجائیں گے اور یہ بہت ظاہر کہ یہ دونوں اقوال و اعمال ہیں۔صاحب منار اور دیگر علماے حق نے کہا ہے کہ اعمال مجسم ہوجائیں گے یا اعمال کو اجسام میں کر دیا جائے گا پس نیکوکاروں کے اعمال حسین صورت میں اور بدکاروں کے اعمال قبیح صورت میں متصور ہوں گے اور وزن کیا جائے گا۔اسی طرح حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت میں ہے کہ روز قیامت میزان قائم کیا جائے گا ''فتُوزَنُ الحسنَاتُ و السیئاتُ ، فَمَنْ رَجَحتْ حَسَناتُہٗ عَلیٰ سَیئاتِہٖ مِثقَالَ حَبّۃٍ دَخَلَ الجنّۃَ'' پس نیکیاں اور برائیاں وزن کی جائیں گی تو جس کی نیکی اس کی برائیوں پر ایک حبہ کے برابر بھی بھاری ہوگی وہ جنت میں داخل ہوگا ''وَمن رَجحتْ سیئاتُہٗ عَلیٰ حسناتہٖ مثقالَ حَبّۃٍ دخل النار'' اور جس کی برائیاں اس کی نیکیوں پر ایک حبہ کے برابر بھی بڑھ جائے گی وہ جہنم میں جائے گا۔یہ

حدیث بھی نص صریح ہے کہ نفس اعمال ہی وزن کئے جائیں گے۔

وقت وزن:۔ وقت وزن بعد حساب ہوگا جو حساب کا تکملہ ہوگا۔

مقام میزان:۔ میزان جنت وجہنم کے درمیان قائم کیا جائے گا اور اس کے قائم کرنے والے حضرت جبرئیل علیہ السلام ہوں گے آپ عرش الٰہی کی طرف متوجہ ہوکر میزان کے عمود (ڈنڈی) کو پکڑ کر وزن فرمائیں گے۔اس وقت نہایت ہی بلند آواز میں ایک ملک مقرب ندا کرے گا جسے تمام اہل محشر سنیں گے " سَعِدَ فلانٌ و شقی فلانٌ ،و یُعلنُ عن نتیجۃِ الوزن " کہ فلاں کامیاب ہوگیا اور فلاں ناکام ہوگیا اور وزن کے نتیجہ کا اعلان ہوگا۔

حکمت وزن:۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ہے، عالم الغیب والشہادۃ ہے پھر بھی وزن اعمال کیا جائے گا کہ اس میں بہت سی حکمتیں ہیں۔* اللہ رب العٰلمین کے عدل کا اظہار ہوگا تا کہ بندہ کو معلوم ہوجائے کہ اللہ تعالیٰ بندہ پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں فرماتا ہے۔*خود بندوں کو ان کے خیر وشر اور ان کی حسنات وسیئات سے معرفت وآگاہی کرانا ہے، اور ان کے اعمال کی مقدار کی معرفت کرانے میں حکمت یہ ہے کہ اگر بغیر وزن اعمال کے جنت میں داخل کردیئے جائیں تو نیکوکار اور مطیع کو بسا اوقات یہ ظن ہوگا کہ اس کو جنت میں جو درجات ملے ہیں یہ ان کے عمل کا بدلہ ہے اور گنہگار معذَّب کو وہم ہوگا کہ اس کے جرم وگناہ سے زیادہ اس کو عذاب دیا جارہا ہے لیکن جب اعمال کے وزن کے بعد اور اعمال خیر وشر کی مقدار جاننے کے بعد جنت وجہنم میں بھیجے جائیں گے تو نیکوکاروں کو معلوم ہوجائے گا کہ اسے جو جنت اور اس میں درجات ملے محض اس کے عمل کی وجہ سے نہیں بلکہ فضل الٰہی سے حاصل ہوئے ہیں اور اسی طرح مجرم کو بھی یقین ہوجائے گا کہ اسے جو سزا دی جارہی ہے وہ اس کے جرم وگناہ کی بہ نسبت بہت ہی کم اور معمولی سزا ہے۔ یہ حکمت شیخ عبداللہ

بن الزکی نے صحیح البخاری کے خاتمہ میں ذکر کیا ہے۔[انتہیٰ]

آخری بات: تسبیح وتحمید اور تکبیر وتہلیل کے متعلق ارشادت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سن کر یقینا مومن کا قلب مسرت وشامانی سے جھوم اٹھتا ہے، آنکھیں منور ہوجاتی ہیں، اور زبان سے بے ساختہ کلمۂ سبحان اللہ جاری ہوجاتا ہے، لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا تسبیح وتحمید اور تکبیر وتہلیل کا وہ ثواب جو احادیث مبارکہ میں مذکور ہے، متقی پرہیزگار، فاسق وگنہگار ہر مومن کے لئے ثابت ہے؟ یا صرف متقی وپرہیزگار کے لئے ہوگا ،اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ (ابن بطال مالکی کا نظریہ)

علامہ ابن بطال محدث مالکی نے کہا ہے کہ تسبیح وتحمید پڑھنے کے یہ فضائل جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہیں کہ جس نے "سُبْحانَ اللّٰہ و بِحَمْدِہٖ" ایک سو مرتبہ پڑھا تو اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے خواہ اس کے گناہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں، وغیرہ تو یہ بشارت ان لوگوں کے لئے ہے جو دین میں شرف وبزرگی رکھتے ہیں، صالحین وکاملین ہیں اور بڑے بڑے جرائم سے دور ونفور اور منزہ ہیں، لیکن وہ لوگ جو جنہوں نے اپنی شہوات پر اصرار کیا، حدود الٰہیہ کی بے حرمتی اور پامالی کرتا رہا اور صغائر پر اصرار اور کبائر کا ارتکاب کرتا رہا ایسے فاسقین وفاجرین بشارت نبوی کے مستحق نہ ہوں گے۔ فتح الباری میں ہے۔

"قال بن بطال هٰذهٖ الفضائلُ الواردة فی فضل الذکر انّما هِیَ لِاهلِ الشرفِ فی الدینِ والکمال کالطهارة من الحرام والمعاصی العظام ،فلاتظن انّ من ادمن الذکر و اصر علیٰ ماشاءهٗ من شهواتهٖ وانتهک دین اللّٰهِ و حرمَاتهٖ أنهٗ یلتحق بالمطهرین المقدسین ویبلغ منازلهم بکلام اجراهٗ علیٰ لسانهٖ لیس معهٗ تقویٰ ولاعمل صالح" [۱۵۴۱/ج۱۳]

علامہ سعیدی کا نظریہ:۔ اس بات میں شارح بخاری ،موئف نعم الباری حضرت مولانا سعیدی صاحب،کو اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں

''میں کہتا ہوں کہ جو کاملین اور متقین ہیں ان کے کب اتنے گناہ ہوتے ہیں جو سمندر کے جھاگ سے زیادہ ہوں سو جب کاملین سو مرتبہ اس تسبیح کو پڑھیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے بے حد و بے حساب درجات کو بڑھا دے گا باقی رہا یہ کہ اگر چور اور ڈاکو اور قاتل اور زانی بھی سو مرتبہ یہ تسبیح پڑھ لیں تو اللہ تعالیٰ ان کے گناہ بھی معاف فرمادے گا تو بھائی اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے اگر اللہ تعالیٰ مرتکبین کبائر کے گناہ کو بھی معاف فرمادے،تو یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت ہے آپ کو اس سے کیا تکلیف ہے؟

نیز یہ درست ہے کہ سو مرتبہ یہ تسبیح پڑھنے سے بندہ کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں خواہ سمندر کے جھاگ سے زیادہ ہوں ،لیکن سو مرتبہ یہ تسبیح پڑھنے کی توفیق ہر ایک کو نہیں ہوتی۔جو قاتل ،زانی اور شدید مرتکب کبیرہ ہوں ان کو یہ توفیق ہی نہیں ہوتی کہ وہ سو مرتبہ تسبیح پڑھیں۔اب جیسے سنن نسائی میں یہ حدیث ہے کہ جو فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھے،اس کے اور جنت کے درمیان صرف موت حائل ہوتی ہے یعنی وہ مرتے ہی جنت میں چلا جائے گا،تو اگر مرتکب گناہ کبیرہ یہ پڑھے تو وہ بھی مرتے ہی جنت میں چلا جائے گا لیکن ہر ایک کو یہ توفیق نہیں ہوتی۔جو مرتکب کبیرہ ہوں انہیں کہاں نماز پڑھنے کی توفیق ہوتی ہے ،چہ جائے کہ فرض نماز کے بعد متصلاً وہ آیت الکرسی بھی پڑھیں۔لیکن اگر بالفرض وہ پڑھ لیں تو ہم اللہ تعالیٰ کی رحمت کو تنگ نہیں کرتے ،''اِنَّ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ'' اللہ تعالیٰ کی رحمت ہر چیز کو شامل ہے اور بڑے سے بڑا گناہ کبیرہ کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

''قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ

جَمِیْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۵۳﴾ '' [الزمر: ۵۳]

آپ کہیے: اے میرے وہ بندو جو (گناہ کر کے) اپنی جانوں پر زیادتی کر چکے ہو، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بیشک اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا، بیشک وہی بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔ [ص: ۱۰۱۶/ ج۱۶]

علامہ سعیدی کی بات نا قابل فہم: ۔ حضرت علامہ سعیدی کی یہ بات کہ تسبیح وتحمید کی یہ فضیلت اور برکت، صالحین و بزرگان دین اور سارق و فاسق اور قاتل و زانی سب مرتکب کبائر وصغائر کو عام ہے نا قابل فہم ہے اس لئے کہ جن اعمال صالحہ اور اذکار و اوراد وغیرہا کے متعلق ایسی فضیلتیں وارد ہوئی ہیں ان سے بالعموم صغائر وسیئات ہی کی بخشش مراد ہوتی ہیں رہے کبائر تو صرف ان تسبیحات واذکار کے ورد سے معاف نہیں ہوتے، ان کے معاف ہونے کے لئے توبہ صادقہ کے ساتھ مشیت الٰہی چاہئے بلکہ اگر وہ گناہ بندوں کے حقوق سے متعلق ہے تو اس بندہ سے بھی معافی وتلافی ضروری ہے صرف کلمات تسبیح وتحمید کا ورد کافی نہ ہوگا ،حضرت مفتی احمد یار خاں نعیمی اشرفی علیہ الرحمہ اس حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں۔

''یعنی بے حد و بے شمار، مگر خطاؤں سے مراد گناہ صغیرہ ہیں جو حقوق اللہ کے متعلق ہوں، حقوق شرعیہ اور حقوق العباد اس سے علٰیحدہ ہیں، لھذا فوت شدہ نماز، روزے، بندوں کے قرض اس وظیفہ سے معاف نہ ہوجائیں گے وہ تو ادا ہی کرنے ہوں گے'' [ص ۳۳۷/ ج ۳]

اس حدیث پاک کے تحت مرعاۃ المفاتیح میں ہے

''(حطت) بصیغةِ المجهول أی وضعتْ وَ مُحِیَتْ (خَطایاہ) أی غفرتْ ذنوبه، قالَ القاری: أی الصغیرة ویحتمل الکبیرة وقال العینی: أی من حقوق اللہ لانَّ حقوق الناس لا تنحط إلا باسترضاء الخصوم، وقال الباجی: یرید أن یکون کفارةً لهٗ کقولهٖ تعالیٰ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ

السَّیِّاٰتِ ط[ص:۴۵۰/ج۷]

اس سے واضح اور ظاہر ہے کہ ان کلمات طیبات کے ورد سے مطلقا ہر ایک کا ہر گناہ صغیرہ وکبیرہ معاف نہیں ہوگا بلکہ صرف صغائر وسیئات معاف ہوں گے اگر حق وصواب وہی ہو جو حضرت علامہ سعیدی فرمارہے ہیں تب تو مسلمان فرائض وواجبات سے یکسر علیٰحدگی اختیار کرکے ان کلمات طیبات کے ورد پر اکتفا کرکے مطمئن ہوجائے گا کہ اب تو تمام گناہ صغائر وکبائر معاف ہی ہوجائیں گے عمل کی کیا ضرورت ہے؟ اسی طرح وہ سنن ومستحبات جن کے بجالانے پر مغفرت اور جنت کا وعدہ فرمایا گیا ہے تو کیا اس سے بھی تمام صغائر وکبائر کی معافی ہوجائے گی؟

ملاحظہ فرمائیں وضو کے بارے میں ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

"عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ اَلا اَدلُّکمْ علیٰ ما یمحو اللہُ بہٖ الخطایا ویرفع بہٖ الدرجات قالوا بلیٰ، یارسول اللہ قال اسباغ الوضوء علیَ المکارہ وکثرۃ الخطا الیَ المساجد وانتظار الصلوٰۃ بعد الصلوٰۃِ فذالکم الرباط "رواہ مسلم والترمذی ------عن عثمانَ قال قال رسول اللہ ﷺ من توضأ فاَحسنَ الوضوء خرجتْ خطایاہ من جسدہٖ حتیٰ تخرجَ من تحت اظفارہٖ،، متفق علیہ-------عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا توضا العبد المسلم او المومن فغسل وجھہٗ خرج من وجھہٖ کل خطیئۃ نظر الیھا بعینیہ مع الماء او مع آخر قطر الماء، فاذا غسل یدیہِ خرج من یدیہ کل خطیئۃٍ کان بطشتھا یداہ مع الماء او مع آخر القطر الماء، فاذا غسل رجلیہ خرج کلُ خطیئۃٍ مشتْھا رِجلاہ مع الماء او مع اٰخر قطر الماء حتیٰ یخرج نقیا من الذنوب" رواہ مسلم

[مشکوۃ/ص۳۸]

یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتاؤں جس سے اللہ خطائیں مٹا دے، درجے بلند کردے، لوگوں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ، فرمایا مشقتوں میں پورا وضو کرنا، مسجد کی طرف زیادہ قدم رکھنا، نماز کے بعد نماز کا انتظار کرنا، یہ ہے سرحد کی حفاظت۔

حضرت عثمان سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو وضو کرے تو اچھا وضو کرے اس کی خطائیں اس کے جسم سے نکل جاتی ہیں تا آنکہ اس کے ناخنوں کے نیچے سے نکل جاتی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان بندہ یا مومن وضو کرنے لگتا ہے پس جب وہ اپنا چہرہ دھوتا ہے تو اس کے چہرے سے ہر وہ خطا نکل جاتی ہے جدھر اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو پانی یا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ، پھر جب اپنے ہاتھ دھوتا ہے تو ہاتھوں سے ہر وہ خطا نکل جاتی ہے جسے اس کے ہاتھ نے پکڑا تھا پانی یا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ، پھر جب اپنے پاؤں دھوتا ہے تو ہر وہ خطا نکل جاتی ہے جدھر اس کے پاؤں چلے پانی یا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ، حتیٰ کہ گناہوں سے وہ پاک صاف نکل جاتا ہے۔

اسی طرح نماز و روزہ حج و زکوۃ اور دیگر اعمال صالحہ کے نوافل و مستحبات کے بارے میں ایسی ایسی بشارتوں والی حدیثیں مروی ہیں کہ قلوب و اذہان منور اور روشن ہو جاتے ہیں چنانچہ روزہ افطار کرانے کے متعلق حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک طویل حدیث میں مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

”مَنْ فطَّرَ فِيهِ صائمًا كَانَ لَهُ مَغْفِرةً لِذنُوبِهِ وَعِتقَ رَقَبَتِهٖ مِنَ النّارِ وَكَانَ لَهُ مِثْلُ اجرِهٖ مِنْ غَيرِ اَنْ يَنْقصَ مِنْ اَجْرِهٖ شئٌ، قُلْنَا يَا رَسولَ اللّٰهِ لَيسَ كُلُّنَا مَا نَجِدُ مَا نُفطِّرُ بِهِ الصَّائِمَ فَقَالَ رسولُ اللّٰهِ ﷺ يُعْطِى اللّٰهُ هٰذا الثَّوابَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا عَلٰى مَذْقَةِ لَبَنٍ اَوْ تَمرَةٍ اَوْ شربَةٍ مِّنْ مَّاءٍ وَمَنْ اَشْبَعَ صَائِمًا سَقاهُ اللّٰهُ مِنْ حَوضِیْ لَا يَظْمَأُ حَتّٰى يَدْخُلَ الجنّة۔[مشکوٰۃ المصابیح /مرأۃ المناجیح:ص ۱۴۰+۱۴۱ / ج ۳]

یعنی جو اس مہینہ میں کسی روزہ دار کو افطار کرائے تو اس کے گناہوں کی بخشش ہوجائے گی ،اس کی گردن آگ سے آزاد ہوگی ،اور افطار کرانے والوں کو روزہ دار جیسا ثواب ہوگا اس کے بغیر کہ روزہ دار کے ثواب سے کچھ کمی ہو، (حضرات صحابہ فرماتے ہیں کہ) ہم لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر شخص وہ نہیں پاتا جس سے روزہ افطار کرائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ یہ ثواب اسے بھی دے گا جو روزہ دار کو ایک گھونٹ دودھ یا ایک کھجور یا ایک گھونٹ بھر پانی سے افطار کرائے اور جو روزہ دار کو سیراب کرائے گا تو اللہ اسے میرے حوض (کوثر) سے پانی پلائے گا کہ کبھی پیاسا نہ ہوگا حتیٰ کہ جنت میں داخل ہوجائے۔

مندرجہ بالا حدیثیں جنمیں بشارت عظمیٰ ہے کہ وضو کرنے سے بدن کے سارے گناہ حتیٰ کے ناخن کے اندر سے اور گوشۂ چشم سے قطرۂ آب کے ذریعے بہہ کر نکل جاتے ہیں ،اسی طرح روزہ دار کو افطاری کرانے سے، بلکہ ایک گھونٹ دودھ، ایک گھونٹ پانی پلانے یا ایک کھجور ہی سے افطار کرادینے سے اس کے سارے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں، اس کو جہنم سے آزاد کردیا جائے گا اور افطار کرانے والے کو روزہ دار کے برابر ثواب دیا جائے گا جبکہ اس افطار کرنے والے روزہ دار کے ثواب میں کچھ کمی نہ ہوگی۔

کیا حضرت علامہ سعیدی صاحب ان حدیثوں میں بھی عموم کا قول کریں گے کہ جو صرف وضو کر کے بیٹھ جائے اور نماز نہ پڑھے یا صرف روزہ دار کو افطار کرادے اور خود روزہ نہ رکھے تو بھی ایسے تارک صوم و صلوٰۃ مرتکبین کبیرہ، صرف وضو کر لینے کے سبب یا روزہ داروں کو افطار کرا دینے کے سبب، چھٹی پا جائیں گے اور مرتے ہی جنت میں داخل ہوجائیں گے؟؟؟ یقیناً جواب نفی میں ہی ہوگا کہ ہرگز ان جیسی حدیثوں میں عموم مراد نہیں ہے بلکہ خاص صغائر مراد ہیں وہ بھی اس وقت جب وہ کبائر سے بچتا ہو جیسا کہ قرآن وحدیث سے بھی ہمارے دعوی کی تائید ہوتی ہے اللہ عز شانہ تعالیٰ کا ارشاد عالیشان ہے۔

''اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَ نُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِیْمًا ۟''

[النّساء/۳۱]

یعنی اگر بچتے رہو کبیرہ گناہوں سے جن کی تمھیں ممانعت ہے تو تمھارے اور گناہ ہم بخش دیں گے اور تمھیں عزت کی جگہ داخل کریں گے۔

اس آیت مبارکہ میں کبائر کی تفسیر میں حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

''اور جن پر وعید آئی، یعنی وعدۂ عذاب دیا گیا مثل قتل، زنا چوری وغیرہ کے۔ اور سیئات کی تفسیر میں فرماتے ہیں ''صغائر''

حدیث پاک میں ارشاد ہے ''عن عثمانَ قالَ قالَ رسولُ اللّٰہ ﷺ ما من إمرءٍ مسلمٍ تحضرُہٗ صلوٰۃٌ مکتوبۃٌ فَیَحسِنُ وضوءھا و خشوعھا و رکوعھا الا کانتْ کفّارۃً لما قبلھا من الذنوب مالم یُؤتِ کبیرۃً و ذالک الدھر کلُّہٗ، رواہ مسلم''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایسا

کوئی مسلمان نہیں کہ جس پر فرض نماز آجائے تو وہ اپنا وضو وخشوع اور رکوع اچھی طرح کرے، مگر یہ اس کے پچھلے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے جب تک کہ گناہ کبیرہ نہ کیا ہو، یہ ہمیشہ ہی ہوتا ہے۔

قرآن حکیم کی آیت پاک اور حدیث شریف سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اوراد واذکار اور اعمال نافلہ وغیرہ کی ادائیگی پر جو فضائل وانعامات وارد ہیں یا گناہوں کی بخشش اور دخول جنت کا وعدہ ہے ان میں کبائر سے بچنے پر صغائر کی معافی کا وعدہ ہے ایسا قطعاً نہیں کہ کبائر کا ارتکاب کرتا رہے اور صرف کلمات تسبیح وتحمید، تکبیر وتہلیل یا نوافل ومستحبات بجالے آئے تو بالعموم اس کے سارے گناہ صغائر وکبائر معاف ہو جائیں گے۔ بلکہ ان سے صرف صغائر معاف ہونگے پس تسبیح وتحمید کے فضائل وبرکات کے کامل مستحق متقین، صادقین اور اولیائے کاملین ہوں گے جیسا کہ ابن بطال مالکی وغیرہ علمائے فحول نے فرمایا ہے نہ کہ مرتکب کبائر بھی انھیں الطاف ربانی کے مستحق ہوں گے جیسا کہ سعیدی صاحب نے کہا ہے اور سورۃ الزمر کی آیت کریمہ یعنی ''قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝٥٣'' [الزمر:٥٣] سے علامہ سعیدی نے اپنے موقف پر جو استدلال کیا ہے وہ مفید مدعیٰ نہیں ہے اس لئے کہ یہ آیت کریمہ مسلمان گناہ گاروں کے گناہوں کی معافی کے لئے نازل نہیں ہوئی ہے بلکہ ان کفاروں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اقرار کیا تھا کہ یقینا آپ کا لایا ہوا دین اسلام برحق اور سچا ہے لیکن ہم اسلام لے بھی آئیں تو ہمارے سابقہ گناہوں کا کیا ہوگا؟ سابقہ گناہوں کی وجہوں سے تو ہم ماخوذ ہو ہی جائیں گے، پس اس پر یہ آیت کریمہ اللہ رب العزت نے نازل فرمائی اور ارشاد فرمایا اے حبیب مکرم! آپ کہیے: اے میرے وہ بندو جو (گناہ کرکے) اپنی جانوں پر زیادتی کر چکے ہو، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بیشک اللہ

تمام گناہوں کو بخش دے گا، بیشک وہی بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

اس آیت مبارکہ کے تحت تفسیر خزائن العرفان میں ہے۔

شان نزول: ۔مشرکین میں سے چند آدمی سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے حضور سے عرض کیا کہ آپ کا دین تو بیشک حق اور سچا ہے لیکن ہم نے بڑے بڑے گناہ کئے ہیں ،بہت سی معصیتوں میں مبتلا رہے ہیں کیا کسی طرح ہمارے وہ گناہ معاف ہو سکتے ہیں؟ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی [پ: ۲۴ /ص ۶۷۲]

اس میں فرمایا گیا کہ تم ایمان لے آؤ تمہارے سابقہ سارے گناہ معاف ہو جائیں گے کہ اللہ بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

حدیث پاک میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔صحیح البخاری و مسلم میں ہے۔

عن ابن مسعود قال رجلٌ یا رسولَ اللهِ أنؤاخذُ بِما عَمِلنا فی الجاهلیةِ؟ قال مَنْ احسنَ فِی الاسلامِ لم یُؤاخَذْ بِما عَمِلَ فی الجاهلیةِ وَمن أساءَ فی الاسلام أخِذَ بِالاول والآخر“

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا زمانۂ جاہلیت میں کئے ہوئے ہمارے کاموں کے بارے میں ہم سے مواخذہ ہوگا ؟ فرمایا جو اسلام میں آنے کے بعد اچھا عمل کرے گا تو اس سے زمانۂ جاہلیت میں کئے کاموں کے بارے میں مواخذہ نہ ہوگا ولیکن جو اسلام میں آنے کے بعد بدعملی کرے گا اس سے از اول تا آخر مواخذہ ہوگا۔

صحیح مسلم شریف میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں۔

آتیتُ النبی ﷺ فقلتُ ابسطْ یمینکَ فَلِاُبایِعُکَ فبسط یمینهٗ فقبضتُ یدی فقال:

مالک یا عمرو؟ قلتُ اردتُ انْ اشترطَ ،قال تشترط ماذا؟ قلتُ انْ یَغْفرَ لی،قال أما علمتَ یا عمرو اَنَّ الاسلام یهدم ما کان قبلهٗ وانَّ الهجرةَ تهدم ماکان قبلها وانَّ الحجَّ یهدم ماکان قبلهٗ“

روایت ہے حضرت عمرو بن العاص سے فرماتے ہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ،عرض کیا کہ اپنا دست مبارک پھیلایئے تاکہ آپ کی بیعت کروں ، آپ نے اپنا دست مبارک پھیلایا پس میں اپنا ہاتھ سمیٹ لیا،فرمایا اے عمرو! یہ کیا؟ میں نے عرض کیا کچھ شرط لگانا چاہتا ہوں،فرمایا کیا شرط! میں نے عرض کیا کہ میری بخشش ہوجائے،فرمایا اے عمرو! کیا تمھیں خبر نہیں کہ اسلام پچھلے گناہ ڈھا دیتا ہے ،اور ہجرت پچھلے گناہ ڈھا دیتی ہے اور حج بھی پچھلے گناہ ڈھا دیتا ہے ۔[مشکوٰۃ المصابیح ،کتاب الایمان/مرأۃ المناجیح،ص:٥٠ / ج١]

غرضیکہ قرآن حکیم وحدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کفار ومشرکین ایمان لاکر اسلام میں داخل ہوئے ان کا گناہ جو ان سے زمانۂ کفر میں واقع ہوا معاف ہوجائے گا لیکن مسلمان ہوجانے کے بعد جو گناہ صغائر یا کبائر سرزد ہوگا از اول تا آخر اس کا مواخذہ ہوگا البتہ جو صغائر ہیں وہ اوراد ووظائف،کلمات تسبیح وتحمید اور نوافل وحسنات وغیرہ اعمال صالحہ سے معاف ہوں گے اور وہ گناہ کبائر جو حقوق اللہ سے متعلق ہیں وہ مشیت الٰہی پر ہے لیکن وہ گناہ جو بندوں کے حقوق سے متعلق ہیں اس کی معافی بغیر اس مظلوم کی رضا کے نہیں ہوگی ۔لہٰذا حضرت علامہ سعیدی صاحب کا کلمات تسبیح وتحمید کے ثواب میں تعمیم کا قول کرکے مرتکبین کبائر کو بھی عام وشامل کرنا محل نظر ہے پس تفصیل بالا کی روشنی میں میرے نزدیک علامہ بطال مالکی کا قول تخصیص ہی راجح ہے۔

طفلانہ بات:۔ پھر حضرت سعیدی صاحب کا یہ کہنا کہ ''جو قاتل، زانی اور شدید مرتکب کبیرہ ہو ں، ان کو یہ توفیق ہی نہیں ہوتی کہ وہ سو مرتبہ یہ تسبیح پڑھیں'' عجیب طفلانہ بات اور تضاد کا عجوبہ ہے کیوں کہ پہلے تو یہ فرمایا کہ سُبحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ کا ثواب کاملین صالحین کی طرح مرتکبین کبائر کو بھی ملے گا کہ یہ حدیث اپنے عموم پر ہے اور پھر یہ فرما رہے ہیں کہ ''جو قاتل، زانی اور شدید مرتکب کبیرہ ہوں ان کو یہ توفیق ہی نہیں ہوتی کہ وہ سو مرتبہ یہ تسبیح پڑھیں'' ظاہر ہے کہ جب زانی و قاتل اور شدید مرتکب کبیرہ کو یہ تسبیح پڑھنے کی توفیق ہی نہیں ہوتی تو وہ صالحین متقین کے ساتھ بغیر توفیق ارزانی کے ثواب میں شریک کیوں کر ہو گئے۔ حالانکہ مرتکب کبائر کے لئے تسبیح وتحمید وتکبیر وتہلیل اور اعمال صالحہ کو بجالانے کی توفیق نہ ماننا مستبعد ہے چنانچہ یہ بارہا کا مشاہدہ ہے کہ بڑے بڑے گنہگار، مرتکب کبائر، گناہوں کا کام بھی کرتے ہیں اور اس کے ساتھ بہت سی نیکیاں بھی کرتے ہیں نماز چھوڑتے ہیں لیکن نیاز کرتے ہیں، مسجد بھول سے بھی نہیں جاتے لیکن مزارات پر خوب جاتے ہیں، زکوٰۃ نہیں دیتے لیکن گیارہویں ولنگر بہت کرتے ہیں، روزہ نہیں رکھتے لیکن افطار پارٹی شاندار کرتے ہیں اور چوری وڈکیتی کرتے ہیں لیکن غرباء ومساکین کو خوب نوازتے ہیں وغیرہا، اس لئے یہ کہنا کہ مرتکب کبائر کو تسبیح وتحمید کی توفیق نہیں ہوتی دعویٰ بلا دلیل اور مشاہدے کے خلاف ہے نیز توفیق فعل الٰہی ہے وہ ذات کریم غفور ورحیم اور عزیز وحکیم ہے وہ کس کو کس وقت عمل خیر کی توفیق ارزانی فرمادے اور کس سے کس وقت توفیق چھین لے کوئی نہیں بتا سکتا ہاں جس کو عمل خیر کی توفیق ہو اس کو رب ذوالمنن کا شکر بالائے شکر ادا کرنا چاہیئے اس لئے ناچیز راقم الحروف اپنے اور ساری کائنات کے رب کریم کی حمد وثنا بیان کرتا ہے کہ اس نے مجھے اس کتاب کو جمع کرنے کی توفیق ارزانی فرمائی اور اسی کی تائید سے یہ کتاب پایہ تکمیل کو پہنچ گئی پس ہم اس کی تسبیح وتحمید کے کلمات طیبات کا ورد کرتے ہوئے اور اس

محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے اپنی اس کتاب کو ختم کر رہے ہیں اے میرے رب کریم اپنے حبیب سرور دو جہاں نبیٔ کون ومکاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل اسے شرف قبول عطا فرما آمین۔

''سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْم''

''سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ محمدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اجمعین

☼☼☼

بفضل اللہ تعالیٰ و توفیقہ تمت بالخیر: شب ۱۱ بجے، ۱۱ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ بروز دوشنبہ مبارکہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سند

الاجازة الاشرفية من الاحاديث النبوية

حَدَّثَنِی مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ فَهزَادٍ مِنْ اَهْلِ مَرْوٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عُثْمَانَ يَقُوْلُ عبدَ اللّٰہِ بْنَ مُبارکٍ يَقُوْلُ ”الاِسْنَادُ مِنَ الدِّيْنِ وَ لَوْ لَا الْاِسْنَادُ لَقَالَ مَنْ شَاءَ مَا شَاءَ“ رَوَاهُ مسلمٌ فِیْ خطْبَةِ صَحِيْحَةٍ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَفْصَحُ مَنْطُوْقٍ نَطَقَ بِهٖ لِسَانُ الْبَرَاعَةِ وَ اَصَحُّ حَدِيْثٍ تَحَدَّثَ بِهٖ مُحَدِّثُ الْبَرَاعَةِ حَدِيْثٌ مُسْنَدٌ اِلیٰ اللّٰہِ عَزَّ وَ عَلَا وَ كَلِمَةٌ مَرْفُوْعَةٌ اِلَيْهِ تَبَارَکَ وَ تَعَالیٰ، مِنْ مَحَامِدِهٖ الْعُلْيَا وَ صِفَاتِهٖ الْعُظْمیٰ تَوَجَّهْنَا بِهَا اِلیٰ جَنَابِهٖ وَ قَصَدْنَا نَحْوَ بَابِهٖ وَاعْتَصَمْنَا بِحَوْلِهٖ وَ تَمَسَّكْنَا بِحَبْلِهٖ وَ اسْتَنَدْنَا اِلَيْهِ وَ اعْتَمَدْنَا عَلَيْهِ هُوَ غَايَةُ كُلِّ مَقْصُوْدٍ وَ مَبْدَأُ كُلِّ مَوْجُوْدٍ فَهُوَ الْحَامِدُ وَ هُوَ الْمَحْمُوْدُ وَ اللّٰہِ سِوَی اللّٰہِ مَا فِی الْوَجُوْدِ عَزَّ جَلَالُهٗ وَ جَلَّ اسْمُهٗ لَا نُحْصِی ثَنَاءً عَلَيْکَ كَمَا اَنْتَ اَثْنَيْتَ عَلیٰ نَفْسِکَ اَفِضْ عَلَيْنَا مِنْ اَنْوَارِ قُدْسِکَ وَهَبْ لَنَا مِنْ نَفَحَاتِ اُنْسِکَ، يَا مَنْ لَا يَخِيْبُ سَائِلُهٗ وَ لَا يَنْقَطِعُ بِرُّهٗ وَ نَائِلُهٗ، وَ اَحْسَنُ الصَّلٰوةِ اِلیٰ حَضْرَةِ مَنْ سَنَّ سُنَنَ الدِّيْنِ وَ حَثَّ عَلیٰ طُرُقِ الْمُهْتَدِيْنَ سَيِّدِ الْاَوَّلِيْنَ وَ الْاٰخِرِيْنَ، سَبَبِ اظْهَارِ رُبُوْبِيَّةِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، بَاعِثِ خِلْقَةِ الْمَوْجُوْدَاتِ، اَصْلِ اُصُوْلِ الْكَائِنَاتِ سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدِنِ الْمُصْطَفٰی الَّذِیْ

يُقَالُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قُلْ مَا شِئْتَ تُسْمَعْ وَ سَلْ تُعْطَ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ وَ الْيَوْمَ يَوْمُکَ وَ الْقَوْلُ قَوْلُکَ وَ اِلٰى اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَ اَوْلِيَاءِ اُمَّتِهٖ وَ عُلَمَاءِ مِلَّتِهٖ وَ هُدَاةِ طَرِيْقِهٖ وَ اُمَنَاءِ دِيْنِهٖ اَلَّذِيْنَ مَنْ تَوَسَّلَ بِهِمْ نَالَ جَمِيْعَ مَطَالِبِهٖ وَ وَجَدَ كُلَّ مَارِبِهٖ، اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْکَ لَهٗ اَلْوَاحِدُ الْمَنَّانُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدِنَا مُحَمَّداً (ﷺ) عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهُ الْمُصْطَفٰى مِنْ عَدْنَانَ ﷺ وَ عَلٰى اٰلِهٖ وَ صَحْبِهٖ مَا تَعَاقَبَ الدُّهُوْرُ وَ الْاَزْمَانُ، اَمَّا بَعْدُ: فَيَقُوْلُ الْعَبْدُ الْفَقِيْرُ كَثِيْرُ التَّقْصِيْرِ رَاجِیْ رَحْمَةِ رَبِّهِ الْغَفَّارِ اَلْمُتَمَسِّکُ بِذَيْلِ سَيِّدِ الْاَبْرَارِ الْمُتَوَسِّلُ بِاٰلِهِ الْاَخْيَارِ وَ اَصْحَابِهٖ الْكِبَارِ، اَبُو الْمَسْعُوْد السيّد محمّد مختار اشرف اَلْاَشْرَفِی الجيلانی صاحب السجادة العالية الحسنية الْاَشْرَفِيَّة سَرْكار كلاں المعروف (بِسَرْكَار كَلَاں) من مَدِيْنَةِ كَشَوْشَه الشريفة، بمديرة امبيدكر نغر، اَلْوَاقِعَةِ فِی وِلَايَةِ اُتْرا برادیش (الهند) اَصْلَحَ اللّٰهُ تَعَالٰى حالَهٗ وَ حَقَّقَ اَمَالَهٗ، أَنَّ الْاَعَزَّ اَلْاَرْشَد مَوْلَانَا (المفتی) محمد معين الدين الاشرفی المصباحی، الساكن بِقَرْيَةِ ماجيفور الواقع بِمديرة باجلفورفی وِلَايَةِ بهار (الهند) لما قَرَأَ مِنِّی الحديثَ الْاَوَّل و الآخر من صحيح البخاری الشريفة وَ سأَلَنی عن رواية الحديث النَّبَوِیْ، عَلٰى صَاحِبِهٖ اَفْضَلُ التَّحِيَّةِ وَ الثَّنَاءِ اَنْ اُجِيْزَهٗ عَلٰى سُنَّةِ الْاَسْلَافِ الصَّالحين وَ الْعُلَمَاءِ المحدّثِيْنَ وَ ذَالِکَ مِنْ حُسْنِ ظَنِّهٖ بِأَنِّیْ اَهْلٌ لِذَالِکَ، وَ لَيْسَ الْاَمْرُ كَذَالِکَ وَ لٰكِنْ قُضِیَ بِأَنِّیْ اُسْئَلُ عَنْ تِلْکَ المسالِکِ وَ قَضَاءُ اللّٰهِ وَاقِعٌ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ فَأَجَزْتُهٗ كَمَا اَجَازَنِیْ استاذی الكريم الْفَاضِلُ الجليلُ صَدْرُ الْاَفَاضِلِ فَخْرُ الْاَمَاثِلِ مَوْلَانا الحافظ الحكيمُ محمد نعيم الدِّين المرادآبادی لَا زَالَتْ شُمُوْسُ فَيْضَانِهٖ بَازِغَةً وَ هُوَ مجازٌ عَنْ استاذه اِمَامِ

الْعُلَماءِ سَنَدِ الْكُبراَءِ حُجَّةِ الْاِسْلَامِ ،شَيْخِ الْاَنَامِ مَوْلَا نَاگُلْ قُدِّسَ سِرُّهٗ،وهو مجازٌعَن استَاذه الجليل مَوْلا نامُقْتَدَانَا كَوْكَبِ الْهِدايَةِ فِی الحرَ مَينِ الشَّرِيفَين خَاتَمِ المحَقِّقِين الْعَلاّمة السيّدمحمّدالمكّیْ الخلوَاتی الخطيب المدَرِّس بِالمسْجِد الحرَامِ وَ هُوَ مجازٌ عَنْ وَالِدِہٖ الجلِيلِ خَاتَمِ المحَقِّقِين تَاجِ الشَّرِيْعَةِ الْعَلاَّمَةِ السَيِّدِ محمَّد الكتبی الخطيب وَالامام وَ المدَرِّس بالمسْجِدِ الحرَامِ وَ هُوَ مجازٌ عَنْ وَالِدِہٖ مفتِی الْاَحْنَافِ بِالْبَلدِ الحرَامِ السيّد محمَّد بن الحسَين التبیْ روَّحَ اللهُ اَرْوَاحهُمْ فِیْ خُلْدِالنَّعِيمِ وَهُوَ مجازٌبِذَالِکَ عَنْ استَاذِہٖ خَاتَمِ المحَقِّقِين السَيِّداحمد الطَّحْطَاوِیْالمحَشّیْ لِلدّر المخْتَارِرَحمهٗ مَوْلَاہ رَحمَةَ الْاَبْرَارِوَ سَنَدُہٗ مذكُوْرٌ بِالتَّفْصِيلِ فِیْ مَسَانِيْدِہٖ المطَوَّلَةِالمشهُوْرَةِفِیْ دِيَارِ الْعَربِ وَالْعَجمِ وَ عَمَّمْتُہٗ بِالْعِمامَةِ المسْتَحَبَّةِلما رُوِیَ عَنْ عَبدِ الرَّحمنِ بنِ عَوْفٍ قَالَ عَمَّمَنِیْ رسُوْلُ اللهِ ﷺ فَسَدَلَهَا بَين يَدَیَّ وَ مِنْ خَلْفِیْ (رَوَاہ ابوداؤد) وَ اُوْصِيْهِ بِحِمايَةِ مَذهَبِ اَهْلِ السُنَّةِ والجماعَةِوَ مجانَبَةِ اَهْلِ الْغَوَايَةِ والضَّلَالَةِوَمُلَازَمَةِ التَّقْوٰی،وَفَّقَهُ اللهُ تَعَالٰی اِيَّاہُ وَاِيَّانَالمرضَاتِہٖ "امين بِجَاہِ سَيِّدِالمرسَلِين ﷺ"

سَیدْ مُحمّد مُخْتَار اَشْرف اَشْرفِی الجیلانی

سجادہ نشیں آستانہ عالیہ اشرفیہ حسنیہ

سرکار کلاں کچھوچھہ مقدسہ امبیڈکر نگر /یوپی

✲✲✲✲✲

۷۸۶/۹۲

مراجع ومصادر

(۱)القرآن الحکیم

(۲)صحیح البخاری

(۳)صحیح مسلم

(۴)جامع الترمذی

(۵)ابوداؤد

(۶)نسائی

(۷)ابن ماجۃ

(۸)دارقطنی

(۹)مشکوٰۃ المصابیح

(۱۰)مقدمۂ مشکوٰۃ

(۱۱)عمدۃ القاری

(۱۲)نزھۃ القاری

(۱۳)فتح الباری

(۱۴)مؤطا امام مالک

(۱۹)معجم صغیر، طبرانی

(۲۰)سیرۃ النبی [شبلی]

(۲۱)بشیر القاری

(۲۲)فیوض الباری

(۲۳)المواھب اللدنیۃ

(۲۴)تفسیر نعیمی

(۲۵)تفسیر رازی

(۲۶)الاسرار الواضحۃ فی تفسیر الفاتحۃ

(۲۷)تعمیر ادب/۳

(۲۸)مرأۃ المناجیح

(۲۹)کنز الایمان/خزائن العرفان

(۳۰)نعمۃ الباری/۱۶، ۱

(۳۱)مرعاۃ المفاتیح

(۳۲)منار القاری شرح البخاری

(۱۵)مسند امام احمد **(۳۳)ارشاد الساری**

(۱۶)مستدرک **(۳۴)بہار شریعت**

(۱۷)کنز العمال **(۳۵)مرقاۃ المفاتیح**

(۱۸)طبقات ابن سعد **(۳۶)تفسیر الطبری**

(۳۷)سیر اعلام النبلاء (۳۸)تہذیب الکمال

(۳۹)ضیاء النبی (۴۰)رجال صحیح البخاری

(۴۱)شرح العقائد النسفی (۴۲)النبراس شرح شرح العقائد

(۴۳)تخریج ابن عبد البر (۴۴)الزھد، لابن مبارک

(۴۵)تفسیر روح المعانی (۴۶)القول البدیع

(۴۷)قوت القلوب (۴۸)حدائق بخشش

(۴۹)ابن خزیمۃ (۵۰)ابن حبان

(۵۱)الحاکم (۵۲)تحفۃ الاحوذی

☼☼☼☼☼

☼☼☼

۷۸۶/۹۲

مجلس اشاعت*

کتاب صحیح الاشرفی کی اشاعت میں دامے درمے قدمے اعانت کروانے مخلصین

ہم ذیل میں اپنے ان کرم فرماؤں کی فہرست پیش کر رہے ہیں جنھوں نے اس کتاب کی کتابت وطباعت اور اشاعت میں ،اپنے ،اپنے والدین اور اقرباء کے ایصال ثواب کے لئے تعاون فرمایا ،ہم حضرات قارئین کرام سے ان حضرات کے لئے خصوصی دعا کی اپیل کرتے ہیں اور خود بصمیم قلب دعاء گو ہیں کہ مولائے کریم اپنے محبوبین کے صدقے ان حضرات کی عمر میں برکتیں عطا فرمائے ،انھیں صحت وعافیت کے ساتھ رکھے ،ان کی تجارت اور کاروبار میں خوب ترقی عطا فرمائے ،ان کی اولاد کو نیک اور صالح بنائے ،ان کی ہر جائز تمنائیں پوری فرمائے ،مذہب حق اہلسنت والجماعت پر قائم رکھے ،ایمان پر خاتمہ نصیب فرمائے ،ان کے اس کار خیر کو ان کے لئے صدقۂ جاریہ بنائے اور ان کے اور ان کے مرحومین اور ہم سب کے لئے نجات کا ذریعہ بنائے اور بے حساب وکتاب مغفرت فرمائے آمین،

بجاہ سید المرسلین ﷺ

دعا گو

ابو الحسنات محمد معین الدین اشرفی مصباحی

اسمائے معاونین

نمبر شمار	اسم معطی	مرحومین
۱	جناب حافظ پیر نواز صاحب، پونے	والدین کریمین، اقرباء
۲	جناب حاجی داؤد اشرفی، راجستھان	زوجۂ مرحومہ، اقرباء
۳	جناب محمد ارشد اشرفی عرف گلاب، بھاگلپور	والد، مرحوم محمد ظفر انجنیر، اقرباء
۴	جناب محمد یعقوب صاحب اشرفی پٹنہ/ بھاگلپور	والدین کریمین، اقرباء
۵	جناب حاجی محمد سہیل احمد پرانی سبزی منڈی فیض آباد	والد حاجی محمد علی، والدہ مرحومہ۔ اقرباء
۶	جناب حاجی محمد ارشاد/ حاجی ببلو، پرانی سبزی منڈی	والد حاجی مقصود مرحوم، اقرباء
۷	جناب صدام خاں صاحب، کشمیری محلہ، فیض آباد	مرحومہ زوجۂ محترمہ، اقرباء
۸	جناب ماسٹر حاجی محمد کلیم خاں۔ گھوسیانہ فیض آباد	والدین کریمین، ہمشیرہ صاحبہ
۹	جناب حاجی عبدالجلیل صاحب، پرانی سبزی منڈی	والدین کریمین، برادر واقرباء
۱۰	جناب سید عاصم صاحب، کوٹھا پارچہ/ روناہی	والدین کریمین، برادر سید طاہر مرحوم
۱۱	جناب حاجی یٰسین صاحب سونا ٹینٹ، نیاواں	والدین کریمین واقرباء
۱۲	جناب محمد عارف صاحب سلمانی، پرانی سبزی منڈی	والدین کریمین واقرباء
۱۳	جناب محمد عادل بن محمد عتیق صاحب رسی والے۔	والد مرحوم واقرباء
۱۴	جناب محمد کاشف ، محمد مصطفیٰ ، محمد آصف فرزندان حاجی محمد علی مرحوم پرانی سبزی منڈی،	والدین کریمین، برادر مرحوم محمد صابر، اقرباء محمد اشرف سابق خادم پاکی خانہ مسجد
۱۵	حاجی محمد ارشد صاحب، گھسیانہ	والد حاجی محمد اشتیاق واقرباء

۱۶	جناب محمد زاہد خاں صاحب، نواب گنج، گونڈہ	زوجہ محترمہ رضوانہ خاتون مرحومہ صاحبہ
۱۷	محمد شہباز صاحب، چیلا چھاؤنی	والد مرحوم احمد علی و اقرباء
۱۸	محمد دلشاد، راٹھ حویلی، ماسٹر شمس الدین، گوراپٹی	محمد ممتاز مرحوم، حافظ نظام الدین صاحب
۱۹	جناب محمد نور عالم صاحب، پرانی سبزی منڈی	والدین و اقرباء
۲۰	جناب محمد مسلم، جناب محمد حذیفہ، جناب محمد عمران، محترمہ روبینہ بانو، محترمہ اقصیٰ فاطمہ، محترمہ امینہ بیگم، شبھاش نگر فیض آباد	جناب مرحوم محمد صدیق، اکبر علی، افسر علی، محمد حذیفہ، نصر اللہ، مرحومہ کوثر جہاں، شبانہ بانو، حسینہ بانو، شمع پروین
۲۱	جناب محمد رئیس صاحب، نزد درگاہ حضرت نیاز شاہ	والد مرحوم غلام نبی محمد، اقرباء
۲۲	جناب حاجی محمد صالح صاحب دیوکالی	والدین، جناب مبارک حسین، خاتون صاحبہ
۲۳	جناب قاری عبد الغفار اشرفی، سہرسہ بہار	والد، حضرت عبد الخالق صاحب اشرفی مرحوم
۲۴	جناب دستگیر احمد رضوی، نیاواں	زوجہ مرحومہ شہناز بانو
۲۵	جناب عبد الصمد صاحب یونک ٹیلر، شبھاش نگر	والدین کریمین مرحومین
۲۶	جناب محمد راشد صاحب، ایکتا ہجری، کوٹھا پارچہ	والد جناب محمد سعید مرحوم، بہن مرحومہ صاحبہ
۲۷	جناب ڈاکٹر محمد عرفان صاحب، کینڈی ہاسپیٹل	والدہ مرحومہ آسیہ خاتون زوجہ ڈاکٹر محمد سلیم صاحب
۲۸	جناب محمد شہزادے صاحب کھیر والی گلی،	والد مرحوم جناب محمد منظور صاحب
۲۹	جناب محمد رئیس انصاری صاحب ایودھیا	والدین کریمین/ اقرباء
۳۰	جناب حاجی وسیم اختر، مینس ٹیلر رکابگنج	والد مرحوم/ اقرباء
۳۱	حاجی محمد مصباح الدین (شہاب بوٹ ہاؤس)	والد حاجی ضیاء الدین صاحب مرحوم و اقربا

۳۲	حاجی محمد سلیم صاحب حبیبی (دلہن ایمپوریم)	حضور مجاہد ملت روالدین، اقرباء
۳۳	جناب محمد باقر رضا صاحب اشرفی، ماچھی پور	والدین کریمین، برادر واقرباء
۳۴	جناب حاجی غلام غوث صاحب اشرفی مدنا پور، کلکتہ	مشائخ اشرفیہ/ والدین کریمین
۳۵	جناب نور محمد اشرفی صاحب، آسنسول، بنگال	والد مرحوم سبید اشرفی/ اقرباء
۳۶	جناب محمد ندیم خاں و برادران، ساکیت وگیان، کیندرا	والد، حاجی محمد دبیر خاں و والدہ مرحومہ
۳۷	جناب محمد کلیم صاحب، واشنگ مشین ریپیرنگ ماسٹر	والدین، اقرباء

دعائے اختتام

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِی الْاُمِّی وَ آلِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

اَللّٰھُمَّ یَا رَبِّ بِجَاہِ نَبِیِّکَ الْمُصْطَفٰی وَرَسُوْلِکَ الْمُرْتَضٰی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ طَھِّرْ قُلُوْبَنَا مِنْ کُلِّ وَصْفٍ یُبَاعِدُنَا عَنْ مُشَاھَدَتِکَ وَ مَحَبَّتِکَ وَ اَمِتْنَا عَلَی السُّنَّۃِ وَالْجَمَاعَۃِ وَالشَّوْقِ اِلٰی لِقَائِکَ یَا ذَالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِمُؤَلِّفِہٖ وَنَاظِرِہٖ وَلِنَاصِرِہٖ وَنَاشِرِہٖ وَ کَاتِبِہٖ وَقَارِئِہٖ وَارْحَمْھُمْ وَاجْعَلْھُمْ مِنَ الْمَحْشُوْرِیْنَ فِی زُمْرَۃِ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَاءِ وَالصَّالِحِیْنَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ بِفَضْلِکَ یَا رَحْمٰنُ یَا رَحِیْمُ۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَلِوَالِدَیْنَا وَلِاَسَاتِذَتِنَا وَ لِمَشَائِخِنَا وَلِجَمِیْعِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ الْاَحْیَاءِ مِنْھُمْ وَالْاَمْوَاتِ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ، وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی سَیِّدِنَا مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔